ان من البیان لسحرا (الحدیث)

خطبات حکیم العصر

افادات

حکیم العصر، محدث دوراں

ولی کامل، مخدوم العلماء

حضرت اقدس

مولانا **عبد المجید** لدھیانوی صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم

کہروڑ پکا ضلع لودھراں

جلد پنجم

ترتیب

استاذ العلماء

حضرت مولانا مفتی ظفر اقبال صاحب مدظلہ

ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حکیم العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید دامت برکاتہم العالیہ کے
علمی خطبات کا حسین مجموعہ
خطباتِ
حکیم العصر
ترتیب:
استاذ العلماء
حضرت مولانا مفتی ظفر اقبال مدظلہ
ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم
مکتبہ شیخ لدھیانوی
باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں 0300-6804071

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صلوا علیہ وآلہ

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید ہے یہ

کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شُمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں

مروں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مور و مار

اُڑے کے باد مری مشتِ خاک کو پسِ مرگ

کرے حضور کے روضے کے آس پاس نثار

اقتباس قصیدۂ بہاریہ حجۃ الاسلام نانوتوی

کتبہ الفقیر نفیس الحسینی ۱۴۰۲ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم
صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد
اللهم
بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد

حکیم العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید دامت برکاتہم العالیہ کے

علمی خطبات کا حسین مجموعہ

خطبات حکیم العصر

جلد پنجم

مکتبہ شیخ لدھیانوی

باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں

ضابطہ

نام کتاب: .... خطبات حکیم العصر (جلد پنجم)

خطیب: .... حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ

اہتمام: .... استاد العلماء مولانا مفتی ظفر اقبال مدظلہ

تخریج: .... مولانا محمد عمران

تصحیح: .... مولانا مفتی محمد عارف

ضخامت: .... صفحات

تعداد 1100

اشاعت اول: .... جون 2007

قیمت: .... 200 روپے

واحد تقسیم کنندگان

مکتبہ شیخ لدھیانوی باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں

فون: 0300-6804071

برائے رابطہ مولانا اقبال صاحب 0306-4181660

مولانا شریف صاحب 0300-7807639

انتساب

ابا جی مرحوم کے نام

جنہوں نے اشد ضرورت کے باوجود مجھے دین کی خدمت کے لیے
وقف کردیا اور خود تکالیف برداشت کر کے مجھے اس مقام تک پہنچایا

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ناشر

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

کلمات تشکر

تحریر: استاد العلماء حضرت مولانا مفتی ظفر اقبال صاحب

اللہ تعالیٰ کا بے انتہاء احسان اور کرم نوازی ہے کہ اس نے اپنے خاص فضل وکرم سے مجھے حضرت استاجی کے تحقیقی صلاحی مواعظ وخطبات کی نشر و اشاعت کی توفیق عطاء فرمائی۔ یقیناً یہ سعادتِ عظمی سے کم نہیں ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

اس لیے میں اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر ادا کروں کم ہے۔ کیونکہ یہ خطبات عام روایتی طریقے سے ہٹ کر خالصتاً عقائد و اعمال کی اصلاح کے لیے ایک راہنمائی کی حیثیت رکھتے ہیں اور احقاق حق ابطال باطل کی شان کے حامل ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ کے ہی فضل وکرم اور انعام و اکرام سے اور حضرت استاجی کی خصوصی دعاؤں کی برکت سے اتنے مختصر اور قلیل تر عرصہ میں خطبات حکیم العصر کی چار جلدیں مکمل ہو کر منظر عام پر آ کر خواص وعوام سے مقبولیت حاصل کر چکی ہیں اور قارئین نے ہاتھوں ہاتھ لے کر اس کی مقبولیت کو اور نمایاں کر دیا ہے اب الحمد للہ پانچویں جلد آپ کے ہاتھوں میں پہنچانے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں اس کو اور زیادہ مقبولیت عطاء فرمائے۔

یہ جلد آپ کی خدمت میں بہت جلد پہنچ جاتی لیکن جیسے حضرت علی فرماتے ہیں عرفت ربی بفسخ العزائم (میں نے اپنے رب کو ارادوں کے ٹوٹنے پر پہچانا) میرے ساتھ بھی کچھ یہی صورت حال پیش آئی اور اباجی نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ کا

سانحہ ارتحال اس میں کچھ تاخیر کا ظاہری سبب بن گیا یقیناً رب قدوس کی اس میں ہزاروں حکمتیں پنہاں ہوں گی وقتی طور پر اگر چہ ہمیں سمجھ میں نہیں آئیں۔

اللہ تعالیٰ ابا جی مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت کی راحتیں نصیب فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان عمر کے لحاظ سے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے علم و کمالات کے لحاظ سے کتنا ہی آگے کیوں نہ بڑھ جائے دنیوی ترقی کے لحاظ سے کتنا ہی عروج کیوں نہ حاصل کرلے عقل و دانش مندی کے لحاظ سے کتنا ہی سبقت کیوں نہ حاصل کرلے پھر بھی اگر اس کی فطرت سلیم ہے تو وہ والدین کی موجودگی میں اپنے آپ کو چھوٹا ہی سمجھتا ہے۔ کیونکہ والدین کی موجودگی جہاں اور ہزار ہا نعمتوں کا ذریعہ ہے وہاں سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ انسان کو فکر نہیں ہوتی ذمہ داری کے بوجھ سے ذہنی طور پر کچھ آزاد سا ہوتا ہے۔

میرا حال بھی کچھ ایسے ہی تھا کہ ابا جی مرحوم کی موجودگی میں کوئی فکر نہیں تھی جتنے بھی معاملات تھے خوہ وہ گھریلو ہوں یا کاروباری ہوں سارے کے سارے ابا جی مرحوم نے خود سنبھالے ہوئے تھے اور ہم دونوں بھائیوں کو دین کی خدمت و اشاعت کے لیے آزاد کیا ہوا تھا۔ یہ ان کی خصوصی شفقت ہی تھی۔ بالـ حال ابا جی مرحوم کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے اور ہونا چاہیے کہ میں سوچ میں پڑ گیا کہ اب میرے سر پہ ہاتھ کون رکھے گا میرا سہارا کون بنے گا ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ فوراً اللہ نے دل میں بات ڈالی کہ حضرت استاجی جو کہ میرے روحانی والد ہیں صرف روحانی نہیں بلکہ دنیوی معاملات میں بھی آپ ہمیشہ میری ایسے سرپرستی فرماتے ہیں جیسے جسمانی والد ہوتا ہے۔ اس لیے استاجی کا وجود میرے لیے نعم البدل سے کسی طرح بھی کم نہیں۔

بس اس خیال کا آنا تھا کہ فوراً ساری پریشانیاں کافور ہوگئیں اور ایسا اطمینان نصیب ہوگیا کہ جس طرح سے پہلے بے فکر تھا اب بھی مجھے کسی قسم کی فکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ

استاجی کا سایہ تادیر میرے سر پر قائم و دائم رکھے۔ آمین

حضرت استاجی کی مجھ پر ایسی شفقتیں اور احسانات ہیں کہ میں لفظوں میں ان کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔ ویسے بھی استاجی کا معاملہ ہر چھوٹے سے شفقت والا ہی ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا۔ اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کمال ایمان کے لیے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا احترام انتہائی ضروری ہے۔ اور واقعی اکابرین واسلاف کا احترام اور ان پر اعتماد ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو جادۂ حق سے ہٹنے نہیں دیتی۔ جس کی وجہ سے انسان کی راہ استقلال میں سرمو انحراف نہیں ہوتا ورنہ بصورت دیگر اگر اکابرین سے اعتماد ہٹا دیا جائے تو اس سے گمراہی کا جو دروازہ کھلتا ہے پھر بند ہونے پہ نہیں آتا انسان مسلسل گمراہی کی کھائیوں میں گرتا رہتا ہے حتی کہ اس سے نکلنا تک مشکل ہو جاتا ہے۔ بہر حال چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا احترام یہ دونوں چیزیں میں نے استاجی کی ذات والا میں بدرجہ اتم محسوس و مشاہدہ کی ہیں۔ اصاغر پر شفقت اور ان کی حوصلہ افزائی یہ تو آپ کی ایسی نمایاں صفت ہے جس کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں یہاں مقصود دوسرا پہلو ذکر کرنا ہے کہ اکابر کا احترام اکابر سے محبت اور اپنے بڑوں پر اتنا اعتماد وعقیدت کہ ان کے خلاف کوئی بات سننا گوارہ نہیں گزشتہ دور کے اکابر کا تو ذکر ہی کیا۔ موجودہ دور کے اکابرین حتیٰ کہ آپ اپنے ہم عصر علماء اور بزرگوں کے بارے میں بھی نہایت درجے کی احتیاط کا معاملہ فرماتے ہیں۔ ممکن نہیں کہ آپ کی مجلس میں کسی بزرگ کے بارہ میں کوئی اس کی شان کے خلاف بت ہو اور آپ خاموش رہ جائیں۔ مجھے اس کا کئی موقعوں پر تجربہ ہوا کہ اگر میں نے موجودہ دور کے کسی بزرگ کے بارے میں حقیقت واقعہ کی نشاندہی کی اور میرے لہجے میں کوئی معمولی سی بھی سختی یا شدت آپ نے محسوس فرمائی تو مجھے فوراً متنبہ کیا اور اصلاح فرمائی۔

آپ جب کسی بزرگ کا تذکرہ کرتے ہیں تو اتنی دل کی گہرائی سے اور لگن اور

ذوق وشوق سے تذکرہ کرتے ہیں کہ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ان کی عقیدت ومحبت آپ کی طبیعت میں رچ بس گئی ہے اور آپ کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ اس قسم کے واقعات اگر لکھنے پہ آویں تو دفتر کے دفتر درکار ہیں لیکن میں صرف مثال کے طور پر ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں کہ میرا روحانی تعلق حضرت شیخ المشائخ مرشد کامل حضرت مولانا خواجہ خان محمد دامت برکاتہم وفیوضہم سے ہے ابھی میں کبیر والا میں درجہ قرآن کا طالب علم تھا اس وقت سے حضرت شیخ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا حضرت شیخ سے نائب قیوم زمان حضرت مولانا عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے خاندانی تعلق بھی ہے۔ جس کی بناء پر اس تعلق میں مزید نکھار آ گیا۔ والحمد للہ علی ذالك

اور حضرت حکیم العصر کا روحانی تعلق سلسلہ قادریہ کے مشہور روحانی پیشوا علماء دیوبند کے سرخیل حضرت مولانا عبد القادر رائپوری سے تھا آپ کے وصال کے بعد آپ کے جانشین حضرت الشیخ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب سرگودھوی نور اللہ مرقدہ سے تعلق ہوا۔ پھر ان کے وصال کے بعد حضرت اقدس پیر طریقت حضرت نفیس الحسینی شاہ صاحب سے تعلق قائم ہوا اور حضرت استاجی کو حضرت شاہ صاحب کی طرف سے خلافت بھی حاصل ہے تو آپ کا باقاعدہ روحانی تعلق اس سلسلے سے ہے لیکن میں نے بارہا دیکھا کہ حضرت استاجی حضرت خواجہ صاحب کا احترام ایسے ہی کرتے ہیں جیسے اپنے حقیقی شیخ کا اور ادھر حضرت شیخ بھی اتنی محبت وشفقت فرماتے ہیں کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔ واقعی اللہ والوں کا آپس میں (خواہ کہیں کے بسنے والے ہوں) ایسا گہرا ربط ہوتا ہے جیسے صدیوں سے کوئی خونی رشتہ چلا آ رہا ہو۔ جانبین کی اس محبت کو دیکھ کر وہ شعر یاد آ جاتا ہے کہ

من تو شدم تو من شدی من جاں شدم تو تن شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اور حضرت شیخ جو اتنی محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے ہیں اس کی ایک اور وجہ بھی

حضرت شیخ نے خود ہی بیان فرمائی کہ میں مولانا عبدالمجید صاحب کا احترام اس لیے بھی کرتا ہوں کہ یہ میرے نائب قیوم زمن حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گاؤں کے ہیں۔

قربان جایئے ان حضرات کی اپنے اکابر سے محبت اور تعلق پر کہ معمولی سی نسبت بھی اگر اپنے شیخ سے کسی کو ہے تو اس کا بھی احترام۔

اور واقعی جب محبت خالصتاً دینی نسبت کے ساتھ ہو اور الحب فی اللہ کا مظہر ہو تو اس کی بنیاد بہت مضبوط ہوتی ہے پھر اس تعلق و محبت میں اتنا پھیلاؤ ہو جاتا ہے کہ اس سے تعلق اور نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت ہو جاتی ہے۔ آخر جب دنیوی محبت کے اندر ایسی مثالیں موجود ہیں۔ جیسے مجنوں کا شعر۔

امر　علی　الدیار　دیار　لیلیٰ

اقبل　ذا　الجدار　وذا　الجدارا

ما　حب　الدیار　شغفن　قلبی

لکن　حب　من　سکن　الدیار

تو پھر دینی محبت اور تعلق جو دنیا میں مضبوط ترین تعلق ہے۔ اس میں اتنا پھیلاؤ کیوں نہیں آسکتا؟

ایک دفعہ اللہ کے فضل و کرم اور احسان و انوال اور حضرت حکیم العصر کی خصوصی دعاؤں اور شفقتوں کی بناء پر حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ جب مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوئے تو دل میں خواہش و تمنا پیدا ہوئی کہ کچھ وقت اپنے مرشد قبلہ حضرت خواجہ صاحب کے پاس گزارا جائے۔ لیکن ادھر حضرت حکیم العصر کی صحبت بھی چھوڑنے پر دل رضا مند نہ تھا چنانچہ اللہ رب العزۃ نے اس کی عجیب راہ نکالی جو کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

ایک دن محترم و مکرم قبلہ بھائی محمد عابد صاحب مرحوم مجھے فرمانے لگے کہ مجھے کچھ

کام ہے میں کہیں جا رہا ہوں آپ حضرت استاجی سے اجازت لے کر حضرت اقدس کی خدمت میں آجائیں۔ یہ میرے لیے بہت بڑی سعادت تھی کہ نابینے کو تو دو آنکھیں چاہیں اور چنانچہ میں نے حضرت استاجی سے تذکرہ کیا حضرت استاجی انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا اور مجھے حکماً فرمایا کہ ضرور جاؤ جب میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور بھائی عابد صاحب نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ دو دن ظفر آپ کی خدمت کرے گا تو حضرت نے فوراً فرمایا کہ استاجی سے اجازت لے کے آئے ہو؟ استاجی نے خوشی خوشی اجازت دی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت اجازت لے کے آیا ہوں بلکہ استاجی نے حکماً بھیجا ہے تو حضرت اقدس نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور بہت دعائیں دیں۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ حضرت استاجی کے دل میں کتنی عظمت وعقیدت اور حضرت اقدس کے دل میں حضرت استاجی کی کتنی شفقت ومحبت ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے یک جان دو قالب کا محاورہ بھی انہی کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس تعلق کو اپنے لفظوں میں کماحقہ نہیں سمجھایا جاسکتا۔ بالآخر یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ دیکھنے کی چیز ہے یہ بتانے کی چیز نہیں یہ چکھنے کی چیز ہے یہ سننے کی چیز نہیں اور اگر کسی نے استاجی کے اس تعلق وعقیدت اکابر کا ذائقہ چکھنا ہو تو اس کا ذریعہ استاجی کے خطبات کا مطالعہ ہے اس میں آپ جا بجا اکابرین کے اعتماد کا رنگ خوب نمایاں طریقے سے نظر آئے گا۔ ہم استاجی کے ان خطبات کے بارے میں یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اکابرین کے موقف ومشرب مسلک ومذہب کے صحیح اور حقیقی ترجمان ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس دریائے محبت اور اکابر کے ساتھ عقیدت کا کچھ حصہ نصیب فرمائے ورانہی کے سائے میں تادم آخر زندگی گزارنے کی توفیق دے اور انہی کے ساتھ محشر میں جمع فرمائے۔

احب الصالحین ولست منهم
لعل اللّٰہ یرزقنی صلاحا

آخر میں ان معاونین کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنی قیمتی مصروفیت ترک کرکے میری راہنمائی فرمائی اور تعاون کیا۔ خصوصاً میرے تمام اساتذہ کرام جنہوں نے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور عزیز القدر مولانا احمد علی صاحب کراچوی کا بہت ہی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے پانچویں جلد کا پورا مواد جو انہوں نے طالب علمی زمانے میں استاجی کے خطبات کیسٹوں میں محفوظ کیے تھے مہیا کرکے دل کھول کر تعاون کیا۔

اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت نصیب فرمائے اور ان کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطاء فرمائے۔

اور مولانا عمران صاحب جنہوں نے ان خطبات کو کیسٹوں سے اتار کر ترتیب دے کر معنون کیا اور تخریج کرکے اس کا مسودہ تیار کیا اور مولانا مفتی محمد عارف صاحب جنہوں نے اس کتاب کی تصحیح اور کمپوزنگ وغیرہ کے مراحل میں خوب تعاون کیا۔

آخر میں عزیزم برخوردار مولانا مفتی صہیب صاحب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی قیمتی مصروفیت ترک کرکے اس بار انتہائی دلچسپی سے حصہ لیا اور انتھک محنت کرکے اس کتاب کو کمپوزنگ پروف ریڈنگ تحسین وتزئین اور چھپائی کے تمام مراحل سے گزار کر اس کتاب کو قارئین کے ہاتھوں میں پہنچنے کا ذریعہ بنے۔ اللہ ان کی عمر میں برکت عطاء فرمائے اور ہمیں اس کتاب سے استفادہ کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

ایمان

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ: ۸ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۸ مارچ ۱۹۹۷ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ!

((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ)) (مشکوۃ ص ۱۲/۱۔ مسلم ص ۴۷/۱)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

{•}{•}{•}{•}

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ!

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً فَاَفْضَلُھَا قَوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَدْنَاھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ)) (مشکوۃ ص ۱۲/۱۔ مسلم ص ۴۷/۱)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

تمہید

روایت جو آپ کے سامنے پڑھی گئی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الایمان بضع وسبعون شعبة** ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں۔ ایمان کے ستر سے اوپر کچھ شعبے ہیں۔ شعبہ عربی میں شاخ کو کہتے ہیں **افضلها لا اله الا الله** ان شعبوں میں سے سب سے افضل تو **لا اله الا الله** ہے **وادناها اماطة الاذی عن الطریق** ادنی شعبہ یہ ہے کہ رستے میں اگر تکلیف دینے والی چیز پڑی ہوئی ہو تو اس کو ایک طرف ہٹا دینا **والحیاء شعبة من الایمان** اور حیاء بھی ایمان کا ایک خاص شعبہ ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں یہ روایت موجود ہے اس لیے اس کو متفق علیہ بھی کہا گیا ہے۔

قول

ہفتہ وار پروگرام کی یوں سمجھیے کہ یہ پہلی نشست ہے تو آج طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی کھانسی کی وجہ سے گلا بھی خراب ہے۔ لیکن خیال آیا کہ آپ کے سامنے کچھ نہ کچھ ضرور عرض کردوں تاکہ اسی ترتیب کے ساتھ بیانوں کا سلسلہ شروع ہو جائے تو یہ بنیادی بات ہے جو میں نے آپ کے سامنے پہلے کی اور اب انشاء اللہ العزیز یہی پھیلتی چلی جائے گی۔

ہم اپنے آپ کو اللہ کے فضل وکرم سے سمجھتے ہیں کہ ہم مومن ہیں مومن اس کو کہتے ہیں جس کے پاس ایمان ہو کیونکہ مومن اسم فاعل کا صیغہ ہے تو مومن کہتے ہیں صاحب ایمان کو جیسے مسلم کہتے ہیں صاحب اسلام کو جس کے پاس اسلام ہو تو وہ مسلم ہے اور جس کے پاس ایمان ہو تو وہ مومن ہے۔

علامات ایمان کے جاننے کی ضرورت کیوں؟

تو الحمد اللہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اپنے آپ کو صاحب ایمان سمجھتے ہیں اور

انشاء اللہ العزیز یہ بات ٹھیک ہوگی اللہ کی توفیق کے ساتھ اللہ کے فضل وکرم کے ساتھ ہمیں یہ دولت ایمان حاصل ہے اور اللہ مرتے دم تک قائم ودائم رکھے آمین ویسے تو ہم صاحب ایمان ہیں لیکن یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ ایمان کہتے کسے ہیں ایمان کیا چیز ہے جس کو ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا کے اندر سب سے بڑی دولت اگر کسی شخص کو نصیب ہوتی ہے تو وہ ایمان کی دوست ہے تو ایمان کو پہچاننا چاہیے کہ ایمان ہے کیا۔

جس وقت ہم پہلے اس کو پہچان لیں گے تو پھر ہمیں معلوم ہوگا کہ ہمارے پاس ہے بھی یا نہیں کہیں ہم کسی غلط فہمی میں تو مبتلا نہیں۔

بسا اوقات ایک آدمی اپنے آپ کو سمجھ لیتا ہے کہ میں مومن ہوں۔ لیکن ہوسکتا ہے وہ ایمان سے خارج ہو فکر کرنے کی بات یہ ہے تو یہ چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اس لیے میں آج مضمون کا افتتاح اسی سے کر رہا ہوں فکر کی بات یہی ہوتی ہے کہ ہمیں یہ دولت حاصل ہونے کے بعد پھر یہ باقی بھی رہے۔ اور ہمیں کچھ اس کی شناخت ہونی چاہیے ایمان ہے کیا چیز اور وہ ہمارے اندر موجود بھی ہے یا نہیں کیونکہ ایمان ایک معنوی چیز ہے تو ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو مومن سمجھ رہا ہے لیکن حقیقت میں ایمان سے خالی ہے۔

بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو مومن کہلاتے ہیں لیکن انہوں نے عقائد وخیالات اس قسم کے اپنا لیئے ہیں کہ علمی دلیل کے تحت اس عقیدے کے ساتھ ایمان جمع نہیں ہوتا۔

اب ایک قادیانی جو مرزا غلام احمد کو نبی سمجھتا ہے وہ بھی اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں ہم مومن ہیں لیکن علمی دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مومن نہیں کافر ہیں اس قسم کی بہت ساری باتوں کی تفصیل آپ کے سامنے آتی رہے گی۔

تو سرورکائنات سے ایک دفعہ مجلس میں یہ پوچھا گیا یارسول اللہ ما الایمان

ما الایمان کا معنیٰ اگرچہ یہ ہے کہ ایمان کیا ہے لیکن وہاں حقیقت ایمان پوچھنے کی بجائے حضور ﷺ سے ایمان کی علامت پوچھنا مقصود تھی کہ ہم کس طرح سے پہچان لیں کہ ہمارے اندر ایمان ہے یا نہیں۔

علامت نمبر ۱ نیکی پر خوشی گناہ پر شرمندگی

صحابہ اس بات کی فکر رکھتے تھے تو ما الایمان کہہ کے ایمان کی حقیقت نہیں پوچھی بلکہ علامت پوچھی ہے کہ ہم کس طرح سے پہچانیں تو سرور کائنات ﷺ نے ایسی سادی علامت بتادی کہ تم اس پہ غور کریا کرو اگر یہ بات تمہیں حاصل ہے تو اطمینان کرلو کہ تم مومن ہو اور اگر حاصل نہیں ہے تو فکر کرو اور بہت سی علامات بتائیں فرمایا اذا سرتك حسنتك وساء تلك سیئتك فانت مومن۔ (مشکوۃ ص ۱/۱۴ مسند احمد ص ۲۵۱، ۵)

یہ نشانی بتادی بچے بھی اس بت کو سمجھ سکتے ہیں بڑے بھی سمجھ سکتے ہیں پڑھے ہوئے بھی سمجھ سکتے ہیں ان پڑھ بھی سمجھ سکتے ہیں اذا سر تلك حسنتك جب تیری نیکی تجھے خوش کردے سائتك سیئتك، تیرا گناہ تجھے غم میں ڈال دے کہ یہ مجھ سے کیوں ہوگیا ہونا نہیں چاہیے تھا یہ دو باتیں اگر موجود ہوں فانت مومن تو مومن ہے کتنی موٹی سی علامت ہے اچھا کونسا کام ہے برا ہے اس کو ہر آدمی پہچانتا ہے نیکی اور بدی کوئی مخفی چیز نہیں ہے ان پڑھ آدمی بھی جانتا ہے کہ یہ کام اچھا ہے یہ برا ہے اور پڑھے ہوئے بھی جانتے ہیں بچے بھی جانتے ہیں کہ یہ کام اچھا ہے یہ برا ہے کون نہیں جانتا کہ نماز پڑھنا اچھا کام ہے اور چوری کرنا برا کام ہے کون نہیں جانتا کہ سچ بولنا اچھا کام ہے اور جھوٹ بولنا برا کام ہے۔ یہ موٹی موٹی باتیں ہیں تو اگر تو نیکی کر کے دل خوش ہو تو سمجھ لو کہ ایمان ٹھیک ہے اسی طرح گناہ کا کام ہوگیا تو دل پہ افسردگی طاری ہوگئی غم طاری ہوگیا کہ یہ نہیں ہونا چاہیے تھا تو مومن ہو کیونکہ یہ علامت ہے اس بات کی کہ تمہاری باطنی حس ٹھیک ہوگئی جس طرح سے انسان کی ایک ظاہری حس ہے مثلاً زبان

نے ذائقہ معلوم ہوتا ہے تو آپ حضرات کو معلوم ہوگا آپ نے سنا ہوگا کہ اگر کسی کو سانپ کاٹ جائے تو کہتے ہیں اس کے منہ کا ذائقہ خراب ہوجاتا ہے وہ اگر نیم کے پتے بھی چبائے تو اس کو کڑوے نہیں لگتے۔ حتی کے علاج کے طور پر یہ اُک جو ہے انتہائی کڑوا ہوتا ہے اس کے اوپر جو پھول سے لگے ہوتے ہیں وہ کھلاتے ہیں علاج کے طور پر تو کھانے میں اسکو کڑوے نہیں لگتے۔ جب کڑوے لگنے شروع ہوجائیں تو علامت ہوتی ہے کہ زہر اتر گئی اور دو چار دن آپ کو بخار ہوجائے خاص طور پر گرمی کے موسم میں تو گڑ بھی کھاؤ تو کڑوا لگتا ہے جیبی بھی کھاؤ تو کڑوی لگتی ہے۔ یہ علامت ہوتی ہے کہ حس بگڑ گئی میٹھا کڑوا لگ رہا ہے کڑوا میٹھا لگ رہا ہے تو اگر آپ صحت مند ہو تو صحت مند ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اگر آپ کوئی میٹھی چیز کھائیں تو آپ کو میٹھی لگے اگر آپ کڑوی چیز کھائیں تو آپ کو کڑوی لگے یہ علامت ہے کہ آپ کی حس ٹھیک ہے اور اگر کڑوی میٹھی لگنے لگ جائے میٹھی کڑوی لگنے لگ جائے یہ علامت ہے کہ حس خراب ہوگئی یہ ٹھیک نہیں۔

بالکل اسی طرح سے سمجھو کہ نیکی کرنے کے ساتھ آپ نے مثلاً نماز پڑھ لی تو دل میں ایک سرور پیدا ہوگیا کہ اللہ نے توفیق دی نماز پڑھ لی۔ بہت اچھا ہوگیا دل خوش ہوگیا ایسے خوش ہوگیا کہ جس طرح سے بھوکے کا روٹی کھا کے دل خوش ہوتا ہے اور اگر کوئی غلطی ہوگئی آخر انسان ہے بھول چوک ہوجاتی ہے تو طبیعت میں گھٹن طاری ہوجائے اس طرح جس طرح آپ نے ایک چیز کھائی اور جب آپ حلق سے نگل چکے تو آپ کو کسی نے بتایا یہ تو زہر تھی جو تم نے کھائی اب زہر کا سن کر آپ جانتے ہیں کہ آپ کو فکر پڑ جائے گا کہ میں تو مر جاؤں گا انسان بے چین ہوجاتا ہے فکر میں پڑ جاتا ہے ڈاکٹروں کی طرف بھاگتا ہے علاج تلاش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے اس زہر کو اگل دوں یہ زہر ہضم نہ ہو اگر یہ زہر ہضم ہوگئی تو یہ میرے لیے موت کا پیغام بن

جائے گی تو بے چینی لگ جاتی ہے کون اس کا علاج کرسکتا ہے اس کی طرف بھاگے گا کس چیز سے علاج ہوسکتا ہے اس کو کھانے کو کوشش کرے گا قے کرنے کی کوشش کرے گا کہ کسی طرح سے نکل جائے ہضم نہ ہو اگر یہ ہضم ہوگئی تو موت کا باعث بن جائے گی جس وقت تک اطمینان نہ ہوجائے کہ بدن سے زہر نکل گئی اس وقت تک چین نہیں آتا بالکل اسی طرح سے برائی ہوجانے کے بعد کوئی بری حرکت ہوجانے کے بعد غلطی ہوجانے کی بعد انسان کی طبیعت کے اوپر خوف حاری ہوجائے (جیسے کوئی زہر پی لے تو خوف طاری ہوتا ہے) انسان پوچھے کہ اس گناہ کی تدفی کیسے ہوگی میرا یہ جرم کیسے معاف ہوگا اگر کسی کی حق تلفی ہوئی ہے تو اس کا حق اداء کرنے کی کوشش کرے گا اگر اللہ میاں کے حق میں کوئی نافرمانی ہوئی ہے تو اس کے سامنے رونے دھونے کی کوشش کرے گا استغفار کرے گا جب تک اس کے دل میں اطمینان نہ ہوجائے میرا یہ گناہ معاف ہوگیا اس وقت تک اس کی تڑپ ختم نہ ہوگی تو اس طرح بے چین رہے تڑپتا رہے تو یہ بھی علامت ہے اس بات کی کہ یہ شخص مومن ہے نیکی کرکے خوش ہوتا ہے اور برائی ہوجائے تو اس پر غم طاری ہوجاتا ہے تو یہ حضور ﷺ نے ایک باطنی چیز جو ہمارے اندر تھی اس کی پہچان بتادی۔

گناہ ہونے پر صحابہ کی بے چینی

چنانچہ آپ کے سامنے اس کی مثالیں موجود ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حس جب سرورکائنات ﷺ کی صحبت میں جاکے ٹھیک ہوئی یہ واقعات نمونے کے طور پر اس لیے نقل کیے گئے ہیں ایک صحابی ہیں، عزاسمی رضی اللہ عنہ ان سے ایک غلطی ہوگئی انسان تھے چونکہ پہلے جاہلیت کے زمانے میں ایسی حرکتیں ہوتی تھیں پھر توبہ کرلی تو بسا اوقات وہ عادت پھر اس حرکت میں ڈال دیتی ہے جاہلیت کے زمانے میں اس کی کوئی پرواہ نہ تھی ایسی حرکتیں ہوتی رہتی تھیں جب ایمان لے آئے پچھلے سارے گناہ معاف ہوگئے تو

اب اگر کسی سے کوئی غلطی ہوگئی تو پھر اس پہ بے چینی جاری ہوتی تھی وہ اس واقعہ سے نمایاں ہے جو حدیث شریف کے اندر ماعز اسلمی کا واقعہ نقل کیا گیا جن سے غلطی ہوگئی کہ وہ زناء کر بیٹھے تھے کسی نے ان کو دیکھا نہیں کسی نے ان کو پکڑا نہیں خود ان کو خیال ہوا کہ میں کیا کر بیٹھا تو حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے جس طرح سے آپ لوگ بھاگ کے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں کہ جی مجھ سے غلطی سے زہر کھائی گئی۔

فوراً علاج کرو ورنہ میں مرجاؤں گا تو حضور ﷺ کے پاس پہنچے نہ اپنی عزت کا خیال ہے ایسے ہے جس طرح سے بے چینی میں تڑپتے پھر رہے ہیں کہ یا رسول اللہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے مجھے پاک کردو۔ آپ ﷺ نے منہ دوسری طرف کرلیا تو دوسری طرف آ کے کہا یا رسول اللہ مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے پاک کردو۔

چار دفعہ جب اس طرح سے کہا تب حضور ﷺ نے پوچھا کیا غلطی ہوئی تو انہوں نے بتائی حضور ﷺ نے تحقیق کرنے کے بعد فیصلہ سنادیا کہ اس کو سنگسار کردو تو قبول کرلیا سنگسار ہوگئے اطمینان اس بات پہ ہوا کہ جب حضور ﷺ کے سامنے توبہ ہو گئی دنیا میں اپنی سزا بھگت لی تو ان شاء اللہ العزیز اب آخرت میں سزا نہیں ہوگی چنانچہ ایک شخص کے منہ سے ان کے متعلق کوئی گھٹیا لفظ نکل گیا اس وقت جب ان کو پتھر مار مار کے مارا جا رہا تھا تو رسول اللہ نے اس کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا تمہیں پتہ نہیں ماعز تو اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا تا پھر رہا ہے اب اندازہ کیجیے یہ تھا مقام۔ آپ ساری زندگی نمازیں پڑھتے ہیں تو یہ بشارت آپ کو کوئی نہیں سنائے گا اور اس سے غلطی ہوئی تھی لیکن اس نے اس غلطی پر صحیح طور پر توبہ کی اسلام کے قانون کو قبول کیا تو دنیا کے اندر ہی حضور ﷺ نے اس کے لیے بشارت سنادی وہ تو جنت کے نہروں میں غوطے لگا تا پھر رہا ہے اب اندازہ کیجیے یہ تھا مقام آپؐ نے اسلامی قانون کو قبول کیا تو دنیا کے اندر ہی حضور ﷺ نے اس کے لیے بشارت سنادی وہ تو جنت کی نہروں میں غوطے کھاتا

پھرتا ہے یعنی جس طرح سے بے چینی انسان کے اوپر طاری ہونی چاہیے گناہ ہوجانے کے بعد اس کا صحیح نمونہ ماعزاسلمی کا واقعہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان ہے یا نہیں تو یہ کتنی سادی اور کتنی صاف اور کتنی آسان نشانی حضور ﷺ نے بتادی۔

آیئے ہم اپنے اندر غور کریں

آج آپ یہاں سے اٹھ کر جانے کے بعد جس وقت چارپائی پہ بیٹھیں صرف پانچ منٹ چھوٹے بڑے سارے اس بات کو سوچیں کہ ہم دن کو نیکی بھی کرتے ہیں اور کبھی بچہ ہونے کی وجہ سے ہم سے غلطی بھی ہوجاتی ہے کسی کی چیز اٹھا کے کھالی کسی کی چیز کا نقصان کردیا یا کبھی جھوٹ بول دیا تو کیا گناہ ہوجانے کے بعد ہماری طبیعت میں بے چینی ہوتی ہے کہ ہم اس کا تدارک کریں۔ اور کیا نیکی کرنے کے بعد ہم خوش ہوتے ہیں اگر آپ کی عقل فیصلہ یہ دے کہ واقعی جس وقت ہمیں نیکی کی توفیق ہوتی ہے تو ہمارے اوپر سرور کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور جس وقت ہم کسی کو گالی دیتے ہیں یا کسی کی چغلی کرتے ہیں یا کسی کا نقصان کرتے ہیں یا کسی کی چوری کرتے ہیں یا جھوٹ بولتے ہیں آپس میں یا استاد کے سامنے تو پھر ہمارے اوپر ایک غم کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے کہ ہم نے ایسا کیوں کیا ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اگر عقل کا فیصلہ ہو کہ کیفیت یہ ہوتی ہے تو تم اللہ کا شکر ادا کرنا کہ تم مومن ہو اور اگر کوئی برائی کرلیں اوپر سے جھوٹ بول بول کے ٹالتے رہے کوئی پوچھے تو قسمیں کھانے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں کہ نہیں جی میں نے تو یہ نہیں کیا میں نے تو یہ چیز اٹھائی نہیں ایک قرآن کیا دس قرآن سر پر رکھ لو۔

اور جو کیا اس کے اوپر جھوٹ کا پردہ ڈال دیا اور نیکی کرکے طبیعت میں کوئی خوشی نہیں آتی اور اگر کوئی غلطی ہوجائے تو غم نہیں طاری ہوتا تو پھر فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ کیا واقعی ہمارے اندر ایمان ہے بھی یا نہیں۔

علامت تو یہ بتائی ہے کہ معاملہ گڑ بڑ ہے اس لیے سارے کے سارے چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں اس بات کو سوچو کیا نیکی کا شوق ہے اسی طرح سے جس طرح سے بھوک لگنے کے بعد روٹی کا شوق ہوتا ہے پیاس لگنے کے بعد پانی کا شوق ہوتا ہے تو کیا اس قسم کا نیکی کا شوق ہے نماز شوق سے پڑھتے ہیں تلاوت ہم شوق سے کرتے ہیں اور جتنے برائی کے کام ہیں برائی کوئی چھپی ہوئی نہیں ہوتی سب جانتے ہیں کہ ہمیں برائی سے نفرت ہے ہم برائی کا خیال کر کے اس سے کتراتے ہیں اگر یہ کیفیت ہو تو سمجھ لیجیے کہ آپ روحانی طور پر صحت مند ہیں اور اگر یہ کیفیت نہیں تو پھر ذرا فکر کرنے کی بات ہے پھر ہم روحانی طور پر مریض ہیں تو پھر ہمیں اپنا علاج کرنے کی ضرورت ہے کہ ہماری حس ٹھیک ہو جائے ہم نیکی کو نیکی سمجھنے لگ جائیں ور برائی کو برائی سمجھنے لگ جائیں اور نیکی کا ہمارے اندر شوق پیدا ہو جائے برائی سے ہمیں نفرت ہو جائے س کیفیت کو پیدا کرنے کے لیے پھر ذرا تھوڑی سی فکر کرنے کی ضرورت ہے تو جیسے صحابہ کرام فکر کرتے تھے کہ ہمارے پاس ایمان ہے یا نہیں اور علامتیں پوچھتے تھے ہمیں بھی اپنے ایمان کے متعلق اسی صرح سے فکرمند رہنا چاہیے۔

درخت کی مثال سے حقیقت ایمان کی وضاحت

پھر ایمان ہے کیا ایمان کس چیز کا نام ہے یہ تو تفصیل طلب بات ہے اجمالی ایمان ہے جس طرح سے آپ ایک ایمان اجملی لایا کرتے ہیں ایک ایمان تفصلی لایا کرتے ہیں اور یہ مثال جو میں نے آپ کو دی ہے حدیث شریف کے اندر سرور کائنات ﷺ کی روایت پڑھی ہے اس میں بھی ایمان کو ایک مثال کے ساتھ سمجھایا گیا ہے اور بہت پیاری مثال ہے اور اس کو اگر ذہن میں بٹھا لیا جائے تو پھر بھی انسان کو ایمان کی حدود کا پتہ چل جاتا ہے سرور کائنات ﷺ نے ایمان کی مثال دی ایک درخت کے ساتھ درخت جڑ سے شروع ہوا کرتا ہے اور پتوں تک پھیلتا ہے اور آخر میں جا کے اس

کے پھول پتے اس کا آخری آخری جزو ہوتے ہیں یہ ہے سارے کا سارا درخت کا حدود اربعہ جڑ سے شروع ہوتا ہے باہر نکلتا ہے آگے اس کی مختلف موٹی موٹی شاخیں بن جاتی ہیں پھر چھوٹی بنتی ہیں پھر اور چھوٹی چھوٹی بنتی ہیں پھر آخر میں پتے ہوتے ہیں اور پھول لگتے ہیں تو پھوں پتوں تک درخت مکمل ہوتا ہے اس کے بارے میں آپ کہیں گے یہ درخت بالکل کامل مکمل ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ اس کے پھول پتے شاخیں چھوٹی موٹی سب ٹھیک ہیں۔

اور اس درخت کے مختلف حصے ہیں ایک حصہ تو وہ ہے جس کو ہم جڑ کہتے ہیں جو بالکل زمین میں دھنسا ہوا ہوتا ہے اگر اس کو کاٹ دیا جائے تو اوپر سے اس کی بڑی شاخیں پتے کسی کو کچھ نہ کہو اگر اس جڑ کو آپ کاٹ دیں تو درخت ختم ہو جاتا ہے آپ اس کی شاخیں نہ توڑیں تو جڑ کاٹنے کے نتیجے میں درخت خشک ہو جائے گا۔

پھر وہ درخت سرسبز نہیں رہ سکتا اس کی زندگی ختم ہو جائے گی پتے جھڑ جائیں گے پھول جھڑ جائیں گے شاخیں خشک ہو جائیں گی تر و تازگی اس کی ختم ہو جائے گی۔

اور پھر جس وقت جڑ صحیح ہو وہ زمین سے نکلتا ہے تو موٹے موٹے اس میں سے تنے نکلتے ہیں وہ جب سارے ٹھیک ہوں گے تو ٹھیک اور اگر ان میں سے کوئی ٹوٹ جاتا ہے تو اچھا خاصا نقص معلوم ہوتا ہے۔

پھر وہ تنے آگے جا کے اور چھوٹی شاخوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور وہ چھوٹی شاخیں پھر تقسیم ہو جاتی ہیں پھر آخر میں جا کے پتے آ جاتے ہیں تو ایمان بھی اس طرح ہے اس کی جڑ قلب کے اندر ہوتی ہے لا الہ الا اللہ یہ ایمان کی جڑ ہے اگر اس جڑ کو کاٹ دیا جائے تو چاہے تم صبح شام رات دن نماز پڑھو روزے رکھو جو چاہو کرو لیکن اگر توحید کا عقیدہ قلب سے ختم ہو گیا یہ درخت کسی صورت میں قائم نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح لا الہ الااللہ کے تقاضے سے جتنے اور عقیدے اختیار کرنے پڑتے ہیں وہ جڑ کی طرح ہیں۔

ایمان میں رونق مستحبات سے آتی ہے

اور بڑے بڑے تنے یوں سمجھیں جیسے اس کے ارکان ہیں نماز ایک بڑا تنا ہے زکوٰۃ ایک بڑا تنا ہے روزہ ایک بہت بڑا تنا ہے حج ایک بہت بڑا تنا ہے یہ تنے ہیں جو اوپر نکلنے کے بعد نمایاں ہوتے ہیں پھر ان کے ساتھ جتنی نیکیاں ہیں۔

بڑی سے لے کر چھوٹی تک ساری اس طرح سے ہیں جیسے درخت پہ بڑی سے بڑی چھوٹی سے چھوٹی شاخیں تو کامل مکمل درخت وہ ہوگا جس میں پتے تک محفوظ ہوں اسی طرح سے ارکان فرائض ہیں واجبت ہیں سنن ہیں مستحبات ہیں آداب ہیں تو مستحبات اور آداب کو یوں سمجھو جیسے درخت کے آخری نمبر پر پھول اور پتے اور یہ پھول اور پتے کوئی ضروری نہیں ہوتے اگر یہ جھڑ بھی جائیں درخت تو بھی باقی رہتا ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس درخت میں رونق نہیں ہوتی ہے ایک ایک شاخ کر کے کاٹتے چلے جاؤ درخت ہے لیکن وہ ناقص ہوتا چلا جائے گا بے کار ہوتا چلا جائے گا تو لوگ جو سمجھتے ہیں کہ یہ کام بھی ضروری نہیں نہ کرو کوئی بات نہیں یہ کام بھی ضروری نہیں نہ کرو کوئی بات نہیں یہ ایسے ہیں جیسے آپ نے درخت کی شاخیں توڑیں یہ خیال کرتے ہوئے کہ کوئی بات نہیں۔ درخت ایک ایسا ٹوٹ پھوٹ ہو جائے گا کہ نہ اس میں بناوٹ ہوگی نہ دیکھنے میں خوبصورت ہوگا اور نہ اس میں درختوں والا پوری طرح سے فائدہ ہوگا تو ہم اسی طرح سے مستحبات کو چھوڑتے ہوئے آداب کو چھوڑتے ہوئے اپنے ایمان کو لنگڑا لولا کر لیتے ہیں۔

مستحبات کی حیثیت ظاہری اعضاء انسانی کی سی ہے

دیکھو ایک انسان کی مثال آپ کے سامنے ہے کامل انسان اور صحت مند کون سا ہوا کرتا ہے جو پیر کی انگلیوں سے لے کر سر کے بالوں تک سارا صحیح سالم ہو کہتے ہیں کہ ہاتھ کی انگلی کٹ جائے انسان مرتا نہیں ہے ہاتھ پورا کٹ جائے انسان مرتا نہیں

دونوں ہاتھ کٹ جائیں انسان مرتا نہیں ہے پیر کٹ جائے تو انسان مرتا نہیں اس ناک کو اگر تھوڑا سا کاٹ دیا جائے تو انسان مرتا نہیں جب تک باطنی اعضاء محفوظ سالم ہوں انگلیاں ناک کان سب سالم ہوں اس میں اور اس لنڈے انسان میں آپ کو کوئی فرق نہیں نظر آتا جو چیز ضروری نہ ہو اس کو کاٹ کے پھینک دو کہ ایک انگلی کاٹ دی جائے تو کوئی حرج نہیں ناک سونگھنے کے لیے ہیں اور اوپر والے حصے سے سونگھا جاسکتا ہے نیچے والے حصے کو کاٹ دو تو بھی آپ سونگھ لیں گے کان کاٹ دو تو بھی سنتے رہیں گے لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ سارے کاٹ دیں تو وہ کارٹون بن جائے گا وہ پہچانا بھی نہیں جائے گا کہ یہ انسان ہے یا کیا ہے اگرچہ وہ قانوناً انسان ہے لیکن ہے کس کام کا۔ تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے ضروری تو نہیں ہے جو ضروری نہیں اس کو چھوڑتے چلے جاؤ بلکہ اگر آپ غور کریں گے تو حسن و جمال جتنا بھی ہے وہ سب غیر ضروری چیزوں سے ہوا کرتا ہے اور ضروری چیزیں تو حقیقت و ماہیت کو متعین کر دیتی ہیں باقی حسن و جمال نقش و نگار سب غیر ضروری چیزوں سے ہوتا ہے ورنہ چیز پہچانی بھی نہیں جاسکتی اگر ان غیر ضروری چیزوں کو ختم کر دیا جائے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ جو صاحب مثنوی ہیں انہوں نے اس مسئلے کو سمجھانے کے لیے ایک مثال دی ہے۔

بدن پر شیر کی تصویر بنوانے کا واقعہ

ایک آدمی کو شوق ہوا کہ میں اپنے بدن کے اوپر شیر کی تصویر بنواؤں اس کو بدن گودنا کہتے ہیں عربی میں اس کو وشم کہتے ہیں تو جو وشم کرتے ہیں ان کے پاس گیا میرے بدن کے اوپر شیر کی تصویر بنا دو۔ وہ سوئی مار کے رنگ بھرتے ہیں جب اس نے پہلی دفعہ سوئی لگائی اور تکلیف ہوئی تو وہ کہتا ہے کیا بنانے لگے ہو کہنے لگا شیر کی دم بنانے لگا ہوں کہتا ہے کوئی ضروری ہے اس کے بغیر بھی تو شیر ہوتے ہیں اس کو رہنے دو اس نے اٹھا کے دوسری جگہ سوئی لگائی جب تکلیف ہوئی تو کہتا ہے کیا بنانے لگے ہو کہنے لگا ٹانگ بنانے لگا ہوں کہتا ہے ٹانگوں کے بغیر بھی تو شیر ہوتے ہیں پھر دوسری جگہ سوئی چبھوئی

کہتا ہے کیا بنانے لگے ہو کہنے لگا کان بنانے لگا ہوں کہتا ہے کانوں کے بغیر بھی شیر ہوتے ہیں کیا ضرورت ہے اس کے بنانے کی پھر سوئی لگائی کیا بنانے لگے ہو کہ اس کا پیٹ کہتا ہے اس نے کوئی کھانا ہے تو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس نے سوئی اٹھا کے ادھر ماری کہا کہ بغیر دم کے بغیر ٹانگ کے بغیر کانوں کے بغیر پیٹ کے اللہ نے بھی شیر نہیں پیدا کیا میں کہاں سے بنا دوں۔

دیکھو غیر ضروری قرار دیتے دیتے جب کاٹتے چلے جاؤ گے چیز ختم ہو جائے گی۔

اسی طرح سے آپ سمجھیں یہ بھی کوئی ضروری نہیں یہ تو مستحب ہے اب آپ اپنی شکل دیکھیں اپنا بدن دیکھیں سارا کا سارا حسن و جمال ہے ہی ان چیزوں کے ساتھ جن کو غیر ضروری کہا جاتا ہے اگر دیکھا جائے تو سب غیر ضروری چیزیں ساتھ شامل ہوتی ہیں تو حسن و جمال آتا ہے ان کے بغیر حسن و جمال نہیں آتا اگر آپ کی آنکھوں کے بال استرے کے ساتھ مونڈ دیے جائیں تو کوئی جان نہیں نکل جائے گی۔ نہ سر پہ بال نہ موچھوں پہ بال نہ داڑھی کے بال بالکل ایسے جیسے کدو کی طرح آخر وہ بھی تو انسان ہیں کوئی مر تو نہیں جاتے لیکن آپ جانتے ہیں ان کی موجودگی میں جتنا حسن ہے۔

تو غیر ضروری غیر ضروری کرتے کرتے سارے کا سارا حسن جمال انسان ختم کر کے بیٹھ جاتا ہے۔

بالکل اسی طرح سے سمجھو کہ ٹھیک ہے ایمان عقیدوں کا نام ہے اس کے بعد یہ ارکان اربعہ ہیں یہ ایسے سمجھو جیسے اعضاء رئیسہ اور اس سے آگے سنن و مستحبات ہیں یہ ایسے ہیں جیسے پتے اور پھول اگر ان سنن و مستحبات کے اوپر عمل کرو گے تو ایمان کا شجرہ سرسبز ہوتا چلا جائے گا جس کا سایہ بھی ہوگا جس کو پھول بھی لگیں گے اور فائدہ بھی اٹھائیں گے اور اگر آپ یہ بھی غیر ضروری کرتے چلے جائیں گے تو اس کی حقیقت ختم ہو جائے گی تو ایمان بڈھا سارہ جائے گا جس کو نہ پہچان سکیں گے اور نہ اس سے کوئی سایہ کا فائدہ حاصل ہوگا اگر چہ اصولاً ہے ابھی درخت ابھی ختم نہیں ہوا لیکن بے کار سا

ہو جائے گا اس لیے اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایمان کامل ہو تو عقائد کے ساتھ ساتھ ظاہری اعمال میں مستحبات تک کی پابندی کیجیے۔

سرحد کی حفاظت مستحبات کے ذریعے

دیکھو حضور ﷺ نے فرمایا وضوء کامل کرنا مسجد کے اندر نماز کی انتظار میں بیٹھنا اس طرح سے ایک دو اور چھوٹی چھوٹی چیزیں جن کو آپ مستحب قرار دیتے ہیں ان کو بیان فرما کر کہا (ذالکم الرباط ذالکم الرباط) ان کی پابندی کرنا سرحد کی حفاظت ہے جو شخص اس سرحد کی حفاظت کرے گا وہ اندر سب کچھ محفوظ کر لے گا کیونکہ جو آدمی مستحب نہیں چھوڑتا وہ سنت کبھی نہیں چھوڑے گا۔ جو سنت نہیں چھوڑے گا وجب کو بھی نہیں چھوڑے گا جو واجب نہیں چھوڑتا فرض کبھی نہیں چھوڑے گا۔

اس کے فرض محفوظ ہو گئے جو مستحبات و سنن اور واجبات کی پابندی کرتا ہے جب آپ نے ان چیزوں پر پہرہ بٹھایا ہوا ہے۔

تو سارا علاقہ آپ کا محفوظ ہو گیا اگر آپ کہیں مستحبات کی کوئی ضرورت نہیں تو سرحد سنن پہ آ گئی پھر سستی ہوگئی تو سنن بھی چھوٹ جائے تو کیا حرج ہے تو سنن گئی تو سرحد واجب پہ آ گئی اور جس وقت واجب میں سستی کرنا شروع کر دو گے تو سرحد فرض پہ آ جائے گی جب فرضوں پہ سستی شروع ہوگئی مرکز گیا اس لیے اگر آپ مرکز کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس سرحد کی حفاظت کرو مستحبات والی کی اس لیے طالب علموں میں خاص بیماری ہوا کرتی ہے یہ مستحبات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے طالب علم ہو اور نفل پڑھے یہ شاذ و نادر بات ہے ایک جاٹ آدمی جو آپ کی طرح طالب علم نہیں اس کو چونکہ ضروری غیر ضروری کا پتہ نہیں وہ سمجھتا ہے کہ عشاء کی سترہ رکعتیں ہوتی ہیں اس نے سترہ پوری پڑھنی ہیں چاہیے سترہ ہی خراب کر دے لیکن پڑھنی سترہ ہیں لیکن طالب علموں کے نزدیک یہ بھی ضروری نہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں' باقی کیا رہ گیا باقی نو رکعتیں

رہ گئیں تو بھی مشکل ہے کیونکہ جب مستحبات کے چھوڑنے کی عادت بن جائے گی سنن کی بھی پرواہ نہیں ہوگی پھر واجب کی پرواہ نہیں ہوگی پھر آہستہ آہستہ نماز کی بھی پرواہ نہیں ہوگی تو اس کا نتیجہ پھر یہی نکلے گا۔

اس لیے ایمان بہت بڑی دولت ہے اور اس دولت کو محفوظ رکھنے کی ہر وقت فکر ہونی چاہیے پہچان اس کی یہ ہے جو میں نے حدیث کی رو سے بتا دی کہ تمہیں نیکی کر کے خوشی ہو برائی کر کے غم ہو نیکی کی طلب اس طرح ہو جیسے بھوکے کو روٹی کی طلب اور پیاسے کو پانی کی طلب ہوتی ہے تو پھر سمجھیں گے کہ واقعی ایمان آپ کا موجود ہے پھر جب ایمان موجود ہے تو اس کو باقی رکھنے کی فکر کرو اور باقی رکھنے کا طریقہ یہی ہے کہ مستحبات تک کی پابندی کرو اس کا نتیجہ ہوگا کہ سارا ایمان محفوظ ہو جائے گا۔

مستحبات کو غیر اہم نہیں سمجھنا چاہیے

تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ستر سے اوپر شاخیں ہیں افضل شاخ لا الہ اللہ یہ عقائد کی طرف اشارہ ہے اور ادنیٰ شاخ یہ ہے کہ چلتے پھرتے راستے کے اندر کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہوئی ہو اس کو اٹھا کے ایک طرف کر دو کہ کسی انسان کو تکلیف نہ پہنچے یہ بھی ایمان کا حصہ ہے تکلیف دینے والی چیز کو راستے میں پھینکنا تو بہت ہی بری بات ہوئی لیکن پڑی ہوئی چیز اٹھا کے ایک طرف کر دی کانٹا پڑا ہے کسی کے پاؤں میں چبھ نہ جائے اٹھا کے ایک طرف کر دیا چھلکا پڑا ہے اس کے اوپر کوئی پھسل نہ جائے اٹھا کے ایک طرف کر دیا حضور ﷺ نے فرمایا یہ بھی ایمان کی شاخ ہے جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کا خیال کرو گے تو پھر ایمان اپنے کمال کے ساتھ ہوگا۔

اور اس کا دنیا اور آخرت میں فائدہ بھی ہوگا ورنہ یہ جیسے پتے جھاڑ دیئے تو ٹھیک ہے وہ قانوناً درخت ہے لیکن نہ سایہ دے گا نہ صورت اچھی تو چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہوں ان کا بھی خیال کیا کرو سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی نیکیاں مجھے دکھائی

گئی حتی کہ قذا کا لفظ ہے وہاں اور قذا کہتے ہیں چھوٹے سے تنکے کو چھوٹا سا تنکا جو آنکھ میں پڑ جاتا ہے آنکھ میں کتنا سا تنکا پڑا کرتا ہے شہتیر تو نہیں پڑا کرتا چھوٹا سا معمولی سا تنکا فرمایا کہ اتنا سا تنکا اگر کسی نے اٹھا کے مسجد سے باہر پھینک دیا تو مجھے نیکیوں کی فہرست میں وہ بھی دکھایا گیا ہے (ترمذی ۲/۱۱۹) اس لیے مسجد کے آداب مسجد کی صفائی کا خیال رکھنا اور خصوصیت کے ساتھ آپ کو ایک بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس کو دیکھ کر میں بہت تکلیف محسوس کرتا ہوں یہ ہر روز جب میں سیڑھیوں پر سے اترتا ہوں تو تھوکا ہوا نظر آتا ہے یہ بہت برا لگتا ہے آپ نے فرمایا **البصاق فی المسجد خطیئہ** مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کی صفائی کرو (بخاری ص ۱/۵۹) اگر کسی سے غلطی ہوگئی تو اس کی صفائی کرو اس لیے خیال کیا کرو مسجد کی حدود میں بالکل نہیں تھوکنا چاہیے۔

یہ گناہ بھی ہے اور برا بھی لگتا ہے تو ان چیزوں کی رعایت رکھو مسجد میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے۔ وضوء اچھے انداز میں کرو تاکہ آپ کا ایمان سرسبز ہو اور آپ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اور آگے انشاء اللہ اسی کی روشنی میں بیان ہوتا رہے گا ایمان کے کچھ حصے عقائد کی تفصیل آئندہ ذکر کرتے رہیں گے یہ تمہیدی بات آپ کے سامنے ذکر کردی اللہ تعالی مجھے بھی آپ کو بھی صحیح ایمان اختیار کرنے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا انالحمد رب العالمین.

خطبہ جمعہ میں دعائے مغفرت صرف حضرت عباس کے لیے کیوں

سوال: خطبہ جمعہ میں جو دعا پڑھی جاتی ہے **اللھم اغفر للعباس** یہ صرف اسی صحابی کے لیے کیوں خاص ہے باقی صحابہ کے لیے کیوں نہیں پڑھی جاتی۔

جواب: چونکہ اس قسم کی دعا آئی انہی کے لیے ہے حضور ﷺ نے اہتمام کے

ساتھ ان کو بلایا تھا بلا کے ان کے یے دعا کی تھی تو حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب دہلوی شہید بالا کوٹ ان کا جو ترتیب دیا ہوا خطبہ ہے انہوں نے جہاں باقی صحابہ کا تذکرہ کیا حضرت صدیق فاروق عثمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا حضرت علی کا اہل بیت حضرت فاطمہ حسنین رضی اللہ عنہ کا کیا تو چونکہ حضرت عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں ان کی اولاد بھی ان میں شامل ہے جن کے اوپر صدقات وزکوۃ حرام ہے اہل بیت کے اندر ان کو شمار کیا جاتا ہے تو ان کے تذکرے کے لیے اس کا اضافہ کردیا یہ دعا پڑھنی کوئی ضروری نہیں کوئی پڑھ لیتا ہے تو قابل اعتراض نہیں۔

باقی سب صحابہ کے لیے بھی خطبے میں دعا ہوتی ہے رضی اللہ عنہم اور یہ دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس کے لیے خصوصیت سے کی تھی مولانا اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے خطبے میں لکھدی اس بناء پر پڑھتے چلے آرہے ہیں باقی شرعا ضروری نہیں اگر کوئی نہیں پڑھتا تو کوئی حرج نہیں اور اگر پڑھتا ہے تو چونکہ حدیث میں انہی الفاظ کے ساتھ آئی ہوئی ہے تو (مشکوۃ ص ۱/۵۷۰۔ معجم کبیر ص ۲۰۵ ۲) باقی صحابہ کا تذکرہ بھی ہوگیا اہل بیت کا بھی ہوگیا اور حضرت عباس کا خاندان چونکہ خصوصیت رکھتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یے اور خصوصی دعا آپ نے ان کے لیے فرمائی تھی اس یے پڑھی جاسکتی ہے۔

خطبہ میں سلطان کی تعظیم کی ترغیب اور دور حاضر

خطبہ کی مناسبت سے آپ کو ایک بات سنا دوں اس خطبے کے آخر میں لفظ ہیں:

((اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ مَنْ اَكْرَمَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ اَكْرَمَهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ اَهَانَهُ اللّٰهُ)) (بیہقی ۱۶۲ ۸۔ ۱۶۳ ۸) یہ دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔

یہ خطیب پڑھا کرتے ہیں تو ماشاء اللہ ہمارے خطیب اتنے سمجھدار ہوتے ہیں کہ تقریر تو ساری کی ساری کریں گے اول سے لے کر آخر تک نواز شریف کے خلاف اور صدر لغاری کے خلاف اور بعد میں کہیں گے۔ السلطان ظل اللہ فی الارض الخ

ان سے پوچھو کہ یہ سلطان ہے کون۔ تمہارے ملک کا یہ کس کے لیے تم دعا کرتے ہو کسی کی عزت کرنے کی بناء پر تمہیں عزت ملے گی اور اہانت کی بنا پر اہانت ملے اس ملک کا سطان تو لغاری ہے بغاری کو گالیں دے دیتے ہو بعد میں کہتے ہو اس کی کوئی بے عزتی کرے اللہ اسے بے عزت کر دے گا۔

اصل یہ ہے کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جو دور تھا اس وقت ترکی میں مسلمانوں کی خلافت تھی اور وہ خلیفۃ المسلمین سلطان کہلاتے تھے۔ سلطان عبدالمجید، سلطان عبدالحمید جوان کے نام آتے ہیں۔ مسجد نبوی کا بڑا دروازہ باب عبدالمجید وہ سلطان عبدالمجید کی تعمیر ہے تو سطان عبدالمجید ہمارے اکابر کے زمانے میں ہوتے تھے تو پوری مملکت اسلامیہ میں ان کے لیے دعا ہوتی تھی۔ یہ سلطان سے مراد وہ سلطان ہوا کرتے تھے جو خلافت اسلامیہ میں خیفہ تھے اور ان کے لیے یہ دعا ہوا کرتی تھی اور ان عدقوں میں اس وقت جو سطان ہوتا اسکا نام بھی ساتھ لیا جاتا تھا السلطان عبدالمجید ظل اللہ فی الارض۔ من اکرمہ الخ

آج کل سعودی عرب میں یوں تو نہیں کہتے کہ سطان فہد بن عبدالعزیز۔ دعا کرتے ہیں اسی موقع پر کہتے ہیں یا اللہ ہمارے ولاۃ الامر کو ہدایت دے ان کو راہ راست پر قائم رکھ۔ ان سے نیکی کا کام لے ان کو برے مشیروں سے بچا۔ ان کے ذریعے سے حق کو قوت پہنچا یہ سارے جملے ان کے خطبے میں ہوتے ہیں۔ دوسرے خطبے میں جہاں دعا کی جاتی ہے وہ ولاۃ الامر کا عنوان دے کر یعنی جو حکومت کے والی ہیں ان کے لیے دعا کرتے ہیں ہر دوسرے خطبے میں ان کے لیے دعا ہوتی ہے۔

یہ جملے اس وقت سے بڑھائے ہوئے ہیں جب ہمارے سلطان ہوتے تھے اور ہم ان کے لیے دعائیں کرتے تھے اور ان کی اطاعت ضروری تھی۔ خلافت اسلامی تھی اور ہمارے اکابر دیوبند سب ان کے لیے مداح تھے۔ ان کی مدح میں قصیدے لکھے ہوئے ہیں۔ ان کے لیے دعائیں کرتے تھے حتی کہ جب ان پر حملہ ہوا تو ہمارے

حضرات چاہتے تھے کہ ہمیں جہاد کی اجازت ملے تو حکومت کی حمایت میں ہم وہاں جہاد کریں تو سلطان سے اس وقت کے سلطان مراد ہیں۔

اور جس ملک میں آپ بیٹھے ہیں تو یہاں سلطان سے صاحب سلطنت مراد ہوتا ہے جیسے بے نظیر تو دعا کریں گے تو بے نظیر کے لیے ہوگی بددعا کریں گے تو بے نظیر کے لیے ہوگی۔ تو آپ نے ساری کی ساری تقریر کردی سلطان وقت کے خلاف۔ اور بعد میں منبر پہ کہہ دیا کہ جو اس کی بے عزتی کرے اللہ اس کی بے عزتی کرے ساری تقریر کا صفایا ہوگیا۔ تو اصل یہ خطبہ سید شہید رحمۃ اللہ کا ترتیب دیا ہوا ہے اس لیے آج خطبے کے اندر یہ لفظ نہیں پڑھنے چاہییں کیونکہ اس وقت جو صاحب سلطنت ہیں یا تو ان کے لیے بھی دعا کرو اور اگر ان کے لیے دعا نہیں کرسکتے تو یہ جملہ بھی چھوڑ دیا کرو۔ تو یہ بات تھی اس وقت کی۔

بہر حال خطبے میں یہ چیزیں ضروری نہیں قرآن کریم کی چند آیات پڑھ لی جائیں مسلمانوں کے لیے دعائیں کردی جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ دیا جائے تو خطبہ ادا ہوجاتا ہے۔ دو حصوں میں کر کے پڑھنا مسنون ہے۔ اس لیے یہ دعا والی بات میں کوئی اعتراض نہیں۔ پڑھ لیں تو ٹھیک نہ پڑھیں تو ٹھیک۔

مسئلہ قراءۃ خلف الامام پر بہترین مکالمہ

سوال: نماز کے فرائض میں ایک فرض قراءۃ ہے لیکن احناف امام کے پیچھے اس فرض کو ترک کر دیتے ہیں کچھ بھی قرات نہیں کرتے وضاحت فرمائیں۔

جواب: یہ فقہ کا معروف مسئلہ ہے اس بیان میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں یہ اپنے اساتذہ سے پوچھ لیں یا وقت پر سامنے آجائے گا یہ بدترین قسم کا بہتان ہے احناف کے اوپر کہ امام کے پیچھے احناف قرات نہیں کرتے۔ آپ پڑھا کرتے ہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ:

(ابن ماجہ ص ۶۱/ ۱)

یعنی امام پڑھتا ہے تو مقتدی کی قراءت وہی ہے جو امام پڑھتا ہے پھر کون کہتا ہے کہ ہماری نماز قراءت سے خالی ہے۔ وہ جھوٹ بولتا ہے تو حنفیوں کی نماز قراءت سے خالی نہیں کیونکہ امام نے جب قراءت کرلی تو سب کی قراءت ہوگئی۔ باقی چیزوں کے بارے میں تو حضور ﷺ نے فرمایا، اذا کبر، فکبروا اذا رکع فارکعو،اذا سجد فاسجدوا اذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قولو آمین۔ جب امام کہے ولا الضالین تو تم کہو آمین اور ایک جگہ صراحتاً آ گیا۔اذا قرء فانصتوا (مسلم ص ۱۷۴/ ۲) جب امام قراءت کیا کرے تو چپ رہا کرو۔تو اب چپ رہو کے حکم کے تحت ہے کہ قراءت نہ کریں۔ امام کی قراءت سب کی طرف سے ہوگئی اس لیے کسی مقتدی کی نماز قرأت سے خالی نہیں ہوتی۔ یہ مغالطہ دیتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں، آپ کو ایک لطیفہ سناؤں ایک دفعہ اللہ کی توفیق سے میں رمضان شریف میں حاضر ہوا تو ہمارے بھائی امان اللہ صاحب خالدی۔ مولانا عبید اللہ صاحب ارشد یہ پہلے پہنچے ہوئے تھے تو میں افطاری کے وقت پہنچا تو سیدھا مواجہ شریف میں آ گیا تو وہیں یہ بیٹھے تھے افطاری کے لیے میں بھی وہیں بیٹھ گیا تو وہاں ایک عرب بیٹھا ہوا تھا دسترخوان لگا تا تھا افطاری سے پہلے وہ مجھ سے پوچھتا ہے۔ اتقرء الفاتحۃ خلف الامام؟ میں نے کہا لا۔

مواجہ شریف میں بیٹھے تھے۔ دو چار قدم کے فوصلے پہ۔ کہتا ہے لا؟۔ وقدقال رسول اللہ ﷺ لا صلواۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب، حضور ﷺ نے فرمایا جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ اور آپ کہتے ہیں لا۔ پھر میں نے کہا تقرء الفاتحۃ خلف الامام کہنے لگا نعم میں نے کہا نعم؟ وقال رسول اللہ ﷺ اذا قرء الامام فانصتوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ امام قرات کرے تو چپ رہا کرو اور آپ کہتے ہو ہاں۔ وہ کہتا ہے کہ نقرء فی سکتات الامام۔جب امام ایک آیت پڑھ کے چپ ہوتا ہے ہم وہ پڑھ لیتے ہیں۔ پھر امام نے آیت پڑھ کر چپ کی پھر ہم جلدی سے پڑھ لیتے ہیں۔ میں نے کہا ھکذا قال رسول اللہ؟ اقرؤا الفاتحۃ فی سکتات الامام؟ کہنے لگا لا۔میں نے کہا ھذا اجتھاد امامکم وھذا اجتھاد امامنافنحن

وانتم سواء۔ تو ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے۔ایک روایت کے بظاہر تم خلاف کرتے ہو ایک روایت کے بظاہر ہم خلاف کرتے ہیں۔ ہم پر اعتراض کرنے کا کیا تک ہے یا تو دکھاؤ حدیث میں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب امام خاموش ہو تو پڑھ لیا کرو۔ تو یہ بھی تو ایک اجتہادی بات ہے نہ؟

تو یہ خواہ مخواہ کی چھیڑ چھاڑ کی عادت ہے ان کو خارش ہوتی ہے۔ جب تک ان کو چھترایا نہ جائے اس وقت تک یہ ٹھیک نہیں ہوتے تو اپنا اپنا مسلک ہے۔ ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے کی ضرورت نہیں۔ ان لوگوں نے تاویل کر کے دوسرا مطلب لے لیا ہمارے امام نے تاویل کر کے دوسرا مطلب لے لیا۔ اجتہاد کے بعد بات صاف ہے۔ باقی حضور ﷺ نے فرمایا کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی کس کی نہیں ہوتی امام کی نہیں ہوتی مقتدی کی نہیں ہوتی منفرد کی نہیں ہوتی نمازی تو تین قسم کے ہو گے من سے تینوں مراد ہیں یا کوئی مراد ہے کوئی مراد نہیں اس میں تاویل کی گنجائش ہے۔؟ ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی مراد واضح کی کہ حضرت جابر کہتے ہیں یہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے جو اکیلا نماز پڑھے جو امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اس کے لیے امام کی قرأت کافی ہے۔ تو جب صحابی نے ایک حدیث کی تفسیر کر دی تو ہم من سے یا امام مراد لیں کیونکہ وہ اپنی نماز خود پڑھ رہا ہے یا منفرد مراد لیں گے کیونکہ وہ اپنی نماز خود پڑھ رہا ہے۔ اور مقتدی اور اپنی نماز امام کے ساتھ جوڑ دی وہ اس کا مصداق نہیں تو جابر بن عبد اللہ کی تفسیر ترمذی کے اندر موجود ہے۔

ایک تفسیر تم کرتے ہو چودھویں صدی میں اور ایک تفسیر اس حدیث کی صحابی کرتا ہے تو ہم صحابی کی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں اس لیے حنفی کی نماز قراءت سے خالی نہیں ہوتی۔ امام کی قرأت ہی مقتدی کی قراءت سمجھ لی جاتی ہے باقی مسئلہ مجتہد فیہ ہے بعض ائمہ کا قول دوسرا بھی آتا ہے چھیڑ چھاڑ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان چھڑ چھاڑ کرنے والوں کا سوائے شرارت، اور نماز برباد کرنے کے اور کوئی مقصد نہیں۔

سماع موتی کے متعلق تفسیر عثمانی کی عبارت پر اشکال وجواب

سوال: تفسیر عثمانی میں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہوا ہے دھڑ جسم نہیں سنتا اور یہ ہمارے اکابر میں سے ہیں۔

جواب: آپ بیٹھے سن رہے ہیں تو آپ کا بدن سن رہا ہے یا روح سن رہی ہے؟ (روح) تو پھر جھگڑا کیا رہ گیا سننا تو روح نے ہی ہے جہاں بھی ہو۔ سوال یہ ہے کہ قبر کے پاس سلام کہنے سے روح سن لیتی ہے یا نہیں سننا تو روح نے ہی ہے۔ بظاہر دیکھنے میں مٹی کا ڈھیر پڑا ہوا ہے لیکن سننا روح نے ہی ہے۔ بدن کے ساتھ روح کا اتنا تعلق ہے کہ قبر کے پاس جا کے سلام کہیں تو روح سن لے۔ ہم کہتے ہیں سنتی ہے اس میں کونسی بات ہے۔ بغیر روح کے کونسی چیز سن سکتی ہے اور یہ مولانا عثمانی کا قول نہیں ہے، سمجھنے والے نے غلطی کی ہے دوبارہ دیکھے اس کو

سبحانك اللهم وبحمدك اشهدان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك.

○○○○

ایمان کی قدر و قیمت

(حصہ اول)

بمقام: تبلیغی مرکز کہروڑ پکا

بموقع: شب جمعہ

تاریخ: ۱۰ ستمبر ۱۹۹۸ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا الْاِيْمَانُ قَالَ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ (مسند احمد رقم ۲۱۱۳۸۔ ص ۲۵۱/ ۵ مشکوۃ ص ۱۶/ ۱)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا الْاِيْمَانُ قَالَ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ (مسند احمد رقم ۲۱۱۳۸۔ ص ۲۵۱/ ۵ مشکوۃ ص ۱/۱۶)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہم لوگوں پر آتی ہیں کہ اگر ہم شمار بھی کرنا چاہیں تو شمار نہیں کر سکتے خود اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب میں یہ اللہ تعالیٰ کا سچا اور پکا قول مذکور ہے۔

ان تعدوا نعمة الله لاتحصوها کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار بھی کرنا چاہو تو تم ہرگز ان کو شمار نہیں کر سکتے۔

سانس جیسی نعمت کی اہمیت

شیخ سعدی رحمہ اللہ گلستان کی ابتداء میں فرماتے ہیں کہ

ہر نفسے کہ فرو میرود مُمِدِّ حیات است وچوں برے آید

مفرح ذات پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است

یہ سانس اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن ہمیں احساس تک نہیں ہے کہ یہ بھی اللہ کی کوئی نعمت ہے کہ جب یہ تھوڑی سی ہوا اندر جاتی ہے تو اس سے ہماری زندگی بڑھتی ہے اور جب سانس خالی ہوتا ہے تو ہمیں راحت حاصل ہوتی ہے سانس کا اندر جانا ہمارے لیے مد حیات ہے اور سانس کا باہر نکلنا ہمارے لیے مفرح حیات ہے اندر جاتا ہے تو ہمیں زندگی دیتا ہے باہر آتا ہے تو ہمیں راحت پہنچاتا ہے۔

تو شیخ فرماتے ہیں در ہر نفس دو نعمت موجود است ایک سانس میں اللہ کی دو نعمتیں ہیں و بر ہر نعمت شکر واجب است اور ہر نعمت کے اوپر شکر واجب ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک سانس میں بھی للہ کے دو احسان ہیں اگر اللہ کے احسان کے شکر کے طور پر ہم صرف الحمد اللہ کہنا چاہیں تو ایک سانس کے ساتھ ہمیں دو مرتبہ الحمد للہ کہنا پڑے گا تب جا کے ہم ایک سانس کا شکریہ ادا کریں گے۔ باقی نعمتوں کا شمار ہی نہیں۔

دنیا کے اندر جو ہماری زندگی ماں کے بطن سے پیدا ہونے کے بعد قبر کی لحد میں جانے تک ان میں ہم بہت چیزوں کے محتاج ہیں کھانے کے محتاج ہیں علاج کے محتاج

ہیں پہننے کے محتاج ہیں خوراک کے محتاج ہیں۔ دوا کے محتاج ہیں۔ علاج کے محتاج ہیں سواریوں کے محتاج ہیں ہم احتیاجات میں جکڑے ہوئے ہیں ہر ہر چیز کے ہم محتاج ہیں۔

لیکن ہر چیز کا دارومدار جس چیز پہ ہے جس کے ساتھ ہم زندہ ہیں، وہ ہے ہوا۔ اگر سانس آرہا ہے جارہا ہے تو ہم زندہ ہیں ہمیں کھانے کی بھی ضرورت ہے ہمیں پینے کی بھی ضرورت ہے دنیا کی ہر ضرورت ہمارے ساتھ لگی ہوئی ہے دنیا کی ہر نعمت سے ہم فائدہ اٹھائیں گے لیکن آپ جانتے ہیں کہ اگر یہ سانس کا سلسلہ ختم ہوجائے اور سانس آنا بند ہوجائے تو کیا پھر بھی آم کھائیں گے اور خوبانیاں کھائیں گے اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں گے؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تو ساری کی ساری نعمتوں کا مدار جس بات پر ہے وہ دینوی نعمتوں کا مادی نعمتوں کا وہ اس سانس کے آنے جانے پر ہے۔ اگر ہمارا سانس چل رہا ہے تو ہم زندہ ہیں اور دنیا کی ہر نعمت سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں اگر ہمارا یہ سانس ختم ہوگیا تو ہم مردہ ہیں پھر چاہے دنیا کی نعمتوں کے ڈھیر ہمارے سامنے لگے ہوئے ہوں۔ ہم ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور وہ ہمارے کام نہیں آسکتیں تو جس طرح سے دنیوی نعمتوں کا فائدہ اٹھانے کا ذریعہ ہوا کا جھونکا ہے۔ یہ سانس ہے۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے جب سے مخلوق کو پیدا کیا جہاں اپنے وجود کا تذکرہ کیا ہے کہ مجھے مانو میں موجود ہوں سب سے پہلے اپنی الوہیت کا تذکرہ کیا اور ربوبیت کا تذکرہ کیا اپنے وجود کا ذکر کیا کہ اللہ کو موجود مانو اللہ کو رب مانو اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ عقیدہ دیا ہے کہ بالکل پہلو بہ پہلو کہ جس طرح سے اللہ کی توحید پر ایمان لانا ضروری ہے اللہ کی ربوبیت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح سے ہمارے لیے آخرت کی زندگی پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

موت کو دلیل سے سمجھانے کی ضرورت نہیں

آخرت کی زندگی کا مطلب یہ ہے کہ ایک تو یہ زندگی ہے جو ہم گزار رہے ہیں جس کا تذکرہ میں نے آپ کے سامنے کیا اس کا خاتمہ اس زندگی کا ختم ہوجانا اس کو کسی

دلیل کے ساتھ سمجھانے کی ضرورت نہیں کہ زندگی ختم ہو جائے گی اس کو سمجھانے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہے؟ صبح شام جنازے اٹھتے ہیں کون سا گھر ایسا ہے جس کے اندر اس زندگی کا خاتمہ نہیں ہوتا؟

چھوٹی عمر میں بھی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے حد متعین نہیں۔ ہم اس وقت بیٹھے ہیں سارے باتیں کر رہے ہیں لیکن کوئی پتہ نہیں کہ اگلے لمحے میں ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے زندگی باقی ہے یا ختم ہو جائے گی۔

صبح شام رات دن ہمارے سامنے واقعات پیش آتے ہیں کہ یہ زندگی ہماری ختم ہوتی ہے اس کے ختم ہونے کے ساتھ ہی دنیا کی ہر نعمت سے فائدہ اٹھانا بند ہو جاتا ہے اس کو دلیل کے ساتھ سمجھانے کی ضرورت نہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ اپنے اردگرد سینکڑوں ہزاروں واقعات دیکھنے کے باوجود ہمیں اپنے متعلق یہ یقین نہیں ہوتا کہ ہم بھی مرنے والے ہیں۔

موت سے دراصل پلیٹ فارم بدلتا ہے

اس بات کو بھولے ہوئے ہو اپنے مرنے سے انسان اکثر و بیشتر غافل ہوتا ہے شریعت نے جس بات کو ہمیں سمجھایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو بات ہمیں بتائی ہے وہ یہ ہے کہ اس زندگی کے خاتمہ پر تمہارا حقیقتاً خاتمہ نہیں ہے یہ عقیدہ ویسے ضروری ہے جس طرح سے اللہ کے وجود کے متعلق عقیدہ ضروری ہے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے متعلق عقیدہ ضروری ہے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے متعلق عقیدہ ضروری ہے یہ عقیدہ برابر برابر ضروری ہے کہ اس موت کے ساتھ انسان کی زندگی کا حقیقتاً خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ پلیٹ فارم بدلتا ہے منزل تبدیل ہوتی ہے ایک ہماری زندگی کا حصہ ہے جو ہم نے ماں کے بطن میں گزارا جب ہم ماں کے بطن سے باہر آگئے تو ایک حصہ ہماری زندگی کا ختم ہو گیا ایک منزل طے ہو گئی دوسرا حصہ ہماری زندگی کا وہ ہے جو ہم نے ماں کے بطن سے باہر نکل کر موت تک گزارا یہ زندگی کی دوسری منزل ہے جو پہلی کے مقابلے میں کامل مکمل

ہے پہلی کے مقابلے میں زیادہ وسعت رکھتی ہے زیادہ کشادہ ہے اور جس وقت موت آجائے گی تو زندگی کی منزل ختم ہوجائے گی اس کے بعد اگلی منزل شروع ہوگئی وہ برزخ کی زندگی ہے مرنے سے لے کے قیامت کے دن اٹھنے تک تو ایک منزل وہ ہے جو ہم قبر کے پیٹ میں وقت گزاریں گے جس طرح سے ہم نے ایک زندگی ماں کے پیٹ میں گزاری ہے پھر ایک وقت آئے گا کہ جیسے ہم ماں کے بطن سے باہر آئے تھے اب اسی طرح سے قبر کے پیٹ سے باہر آئیں گے اور باہر آنے کے بعد جو زندگی شروع ہوگی یہ سب زندگیوں سے زیادہ کامل اور پچھلی سب زندگیوں سے زیادہ مکمل اور پچھلی سب زندگیوں سے زیادہ وسیع اور لا متناہی جس کے بعد پھر آگے منزل کوئی نہیں پھر آخر تک یہی زندگی چلے گی یہ عقیدہ ایمان کا جزء ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود کا ماننا جس طرح سے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو ماننا جس طرح سے ضروری ہے اللہ کی ربوبیت کو ماننا جس طرح سے ضروری ہے یہ عقیدہ بھی اسی طرح سے ماننا ضروری ہے اس عقیدے کے انکار کے ساتھ کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ آخرت کی زندگی کا ہمیں اللہ نے اسی طرح سے یقین دلایا ہے۔

ایمان کی حیثیت سانس کی سی ہے

قرآن کریم اس بات سے بھرا ہوا ہے اب اگلی زندگی جو آئے گی اس کے بارے میں ہمیں یہ بتایا گیا کہ جیسے دنیوی زندگی کا دارومدار سانس پر ہے اسی طرح اخروی زندگی کا دارومدار ایمان پر ہے۔ کیونکہ اصل کے اعتبار سے تو زندہ وہی ہوگا جو جنت میں چلا گیا۔ اور جو جہنم گیا وہ نہ زندوں میں نہ مردوں میں وہ **لا یموتُ فیھا ولا یحیٰ** جیسے قرآن میں ہے کہ جو جہنم چلے گئے وہ نہ مردوں میں شمار ہیں اور نہ زندوں میں وہ تو کسی میں شمار نہیں مردے اس لیے نہیں کہ واقعۃً ان میں زندگی ہے اور عذاب کا احساس ہورہا ہے اور زندہ اس لیے نہیں کہ ایسی زندگی کس کام کی ہے جس میں انسان جل رہا ہے تڑپ رہا ہے رو رہا ہے چیخ رہا ہے کوئی راحت حاصل نہیں تو یہ زندگی موت

سے بھی بدتر زندگی ہے اس لیے ایسی زندگی کو کہتے ہیں **لا یموت فیھا ولا یحی**۔ نہ یہ جہنم کے اندر زندہ ہوں گے اور نہ مریں گے اور نہ ان کو موت ہی آئے گی اور نہ ان کی وہ زندگی ہوگی جس کو زندگی کہہ سکیں جس میں راحت کا ایک ذرہ بھی موجود نہیں وہ کیا زندگی ہے؟ اس لیے زندگی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ جنت کے اندر نصیب فرمائیں گے۔ اصل زندگی وہ ہے اور اس زندگی کا دارو مدار ایمان پر ہے جس طریقے سے دنیاوی زندگی کا دارومدار ہوا کے آنے جانے پر ہے۔

ایمان ہوگا تو یہ جنت والی زندگی ملے گی اور اگر ایمان نہیں ہوگا پھر جہنم میں **لایموت فیھا ولایحیٰ**۔ جہنم میں جائیں نہ موت نہ حیات۔ تو ایمان آخرت والی زندگی کے لیے ایسے ضروری ہے جیسے دنیاوی زندگی کے لیے ہوا کا سانس ضروری ہے۔

فانی اور باقی زندگی کا تقابل

ایمان کو ذرا محسوس کر لیجیے اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتائی ہے اللہ کے رسول نے یہ بات سمجھائی کہ آخرت میں اگر راحت چاہتے ہو اس فانی زندگی کے بعد یہ فانی زندگی ہے زیادہ سے زیادہ اس دور میں انسان سو سال سوا سو سال زندہ رہے گا۔ شاید اس سے زائد اس زمانے میں عمر نہ ہو شاذ و نادر کوئی ڈیڑھ سو سال زندہ رہ جاتے ہیں ایک سو چالیس سال تک زندہ رہ گیا اخباروں میں آتا ہے یہ لاکھوں میں ایک ہے ورنہ آپ جانتے ہیں کہ کوئی چھوٹی عمر میں گیا کوئی بڑی عمر میں گیا ویسے بھی سرور کائنات ﷺ نے فرمایا **اعمار امتی مابین ستین الی سبعین**۔ (ترمذی ص ۱۹۵/ ۲) کہ میری امت کے افراد کی زیادہ تر عمریں ۶۰ اور ۷۰ کے درمیان تک رہیں گی۔ یعنی جس وقت آدمی ۶۰ کی حدود میں داخل ہو جائے تو یوں سمجھو کہ اس کی طبعی عمر پوری ہو گئی اب آگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ملے گا وہ ایک انعام ہے ۶۰ اور ۷۰ کی کیا عمر ہے ہم ۶۵ سال کے ہو چکے ہیں ایسے لگتا ہے جیسے کل ہم بچے تھے کھیلتے تھے آج بوڑھے ہوئے بیٹھے ہیں وقت گزرتے ہوئے پتہ نہیں چلتا۔ اب ماضی کو سوچیں آپکو اندازہ ہوگا کہ یہ کل کی بات

ہے تو دیر ہی نہیں لگتی۔ وقت گزرتے ہوئے۔

آخرت میں ایمان کے علاوہ کوئی سہارا کام نہیں آئے گا

تو یہ زندگی گزر جانے کے بعد دوسری زندگی آئے گی جس کی کوئی حد نہیں وہاں بھی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے واسطے ایمان ضروری ہے اور ایمان کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ وہاں آخرت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکیں ایمان اتنی قیمتی چیز ہے جس کے پاس ایمان نہیں ان کے لیے کوئی دوسرا سہارا نہیں جو ان کو آخرت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے کام دے سکے یہ ایمان کی قدر قیمت بیان کرنے کے لیے دو چار باتیں عرض کر رہا ہوں کہ آخرت کی نعمتیں ایمان کی برکت سے حاصل ہوں گی۔ اور اگر ایمان نہیں ہوگا تو دنیا کا کوئی سہارا وہاں کام نہیں دے گا۔ سہارے کون سے ہوتے ہیں ذہنی طور پر انسان سوچتا ہے تو مغالطے میں پڑ جاتا ہے آج ایک انسان حکومت کے قانون کے خلاف ورزی کرتا ہے۔ اگر اس کو ڈرایا جائے کہ یہ قانون کے خلاف ہے تو پکڑا جائے گا اور گرفتار کر لیا جائے گا۔ تو انسان کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں میرا ابا فلانا افسر ہے میرا بھائی فلاں عہدے پہ ہے میرا سالہ عہدے پہ ہے اگر کوئی پکڑے گا تو کوئی بات نہیں بڑوں کے رشتے دار ہیں اور پکڑ بھی لیں گے تو وہ چھڑا کے لے آئیں گے۔

رشتے داری کا سہارا کام نہیں آئے گا

آج ہمارے جرم کرنے کے لیے بہت بڑی ایک جراءت یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں ہمارے رشتے دار ہمارے قریبی ان کا اثر و رسوخ ہے وقت کی حکومت پر کہ اول تو ہاتھ کوئی نہیں ڈالے گا۔ اگر کسی نے پکڑ لیا تو ہمارے رشتے دار ہمیں چھڑوا لیں گے۔

یہ ہمارے لیے جرم کرنے کے واسطے ایک بہت بڑا سہارا ہے جس کی وجہ سے ہم جرم کرتے ہوئے ڈرتے نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ہمیں یہ سہارا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آخرت میں اگر کسی کے پلے ایمان نہ ہوا تو اس قسم کا کوئی سہارا کام نہیں آئے گا اس مغالطے میں نہ رہنا کہ ہم بڑوں کی اولاد ہیں۔ نبیوں سے بڑا اس روحانی زندگی میں

کوئی نہیں۔لیکن قرآن کریم نے ہمارے سامنے واقعات واضح کر کے بیان کردیے ہیں۔کہ نبیوں کے ساتھ رشتہ وقرابت داری بھی آخرت میں کام نہیں آئے گی اگر ایمان نہ ہوا۔آج ہمارے اندر روحانی زندگی میں بھی یہ گمراہی کی باتیں ہیں کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں فلاں بزرگ سے نسبت رکھتے ہیں ہمیں کیا پرواہے وہ چھڑوالیں گے۔یہ دنیا کی حکومت نہیں ہے جہاں رشتہ داروں کے رعب میں آ کر حکومت مجرم کو چھوڑ دے۔اللہ کی حکومت میں اگر ایمان نہ ہونے کی بناء پہ کوئی پکڑا گیا دنیا کی کوئی طاقت دنیا کوئی شخصیت کتنی بڑی کیوں نہ ہو۔وہ نہیں چھڑا سکے گی اور وہ آگے بڑھ کر اللہ سے بات بھی نہیں کر سکے گی قرآن کریم آپ پڑھتے ہیں سنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے بیٹے کا واقعہ کیوں بیان کیا اپنی کتاب میں؟ نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں بتایا کہ جب وہ کافر تھا ایمان نہیں لایا اللہ کی گرفت میں آ گیا تو جس طرح باقی کافر مشرک غرق ہوئے نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی غرق ہوا یہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کی مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تمہارا باپ نبی بھی ہوگا تو آخرت میں کام نہیں آئے گا اگر تمہارے پاس ایمان نہیں ہے تو کبھی اس زعم میں مبتلا نہ ہونا کہ ہمارا فلانے سے تعلق ہے وہ ہمیں چھڑالے گا۔نبی کا بیٹا بھی ہوگا تو نبی اپنے بیٹے کو بھی چھڑا نہیں سکے گا صرف اتنا پوچھ لیا کہ یا اللہ تیری کلام سے تو معلوم ہوتا تھا کہ تو میرے اہل وعیال کو بچائے گا یہ بیٹا بھی تو میرے اہل وعیال میں تھا یہ تو ڈوب گیا اتنا سوال کر لیا تو جو کچھ اللہ کی طرف سے جواب آیا اور جس طرح سے نوح علیہ السلام پر گرفت ہوئی اور جیسے نوح علیہ السلام نے پھر رو رو کر اللہ کے سامنے توبہ کی وہاں سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر ذرا سا بھی ناراضگی کی شبہ پڑتا ہے تو نبیوں پہ کیا گزرتی ہے اس سے بھی استغفر کہ اللہ تعالیٰ سے پوچھ کیوں لیا کہ میرا بیٹا کیوں ڈوب گیا اس پر بھی گرفت ہوئی چھڑانے کی تو بات ہی علیحدہ ہے قرآن کریم نے نوح علیہ السلام کی بیوی کا تذکرہ کیا لوط علیہ السلام کی بیوی کا تذکرہ کیا کیوں کیا؟ تا کہ کوئی عورت اس زعم میں نہ رہے

کہ میرا خاوند نبی ہے اس لیے آخرت میں مجھے کوئی پکڑ نہیں سکے گا اگر کسی نے پکڑ لیا تو وہ چھڑا لے گا نبیوں سے کوئی بڑا نہیں نبی اپنی بیوی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ نبی اپنی بیوی کو چھڑا نہیں سکے گا لوط علیہ السلام کی بیوی اور نوح علیہ السلام کی بیوی دونوں کا تذکرہ قرآن کریم نے کیا ہے کہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں۔ چونکہ یہ ایمان نہیں لائیں قیل ادخلا لنار مع الداخلین کہ دیا گیا کہ جہاں دوسرے کافر جہنم میں جائیں گے۔تم نے بھی ان کے ساتھ جانا ہے۔

حضرت ابراہیم اپنے باپ کو نہیں چھڑا سکیں گے

یہ واقعہ سنایا ہے قرآن کریم نے؟ اللہ تعالیٰ کے انبیاء کے مختلف درجات ہیں سب سے افضل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد قرآن کریم کی آیت کو دیکھتے ہوئے اور روایت کو دیکھتے ہوئے واقعات کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بعد انبیاء علیہم السلام میں سب سے اونچا مرتبہ جو ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے حضرت ابراہیم کے بعد جتنے انبیاء آئے ہیں تقریباً سارے کے سارے کوئی ایک آدھا ہے جن کا نسب نامہ حضرت ابراہیم کے ساتھ ملتا معلوم نہیں ہوتا ورنہ اکثریت قریب الی الکل انبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہی ہوئے قرآن کریم اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ براہیم کا باپ آذر بت پرست تھا بت فروش تھا اس مشرک گھرانے میں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے تو بیٹا نبی ہے باپ ایمان سے محروم ہے قرآن نے کیا کچھ اس کے متعلق بیان نہیں کیا اور اس کا جہنمی ہونا کتنا واضح طور پر ذکر کیا ہے تو وہ کیوں آپ کو سنایا؟ تاکہ تم اس مغالطے میں نہ رہ جاؤ کہ میرا بیٹا حافظ ہوگیا ہے میرا بیٹا عالم ہوگیا ہے۔ میرا بیٹا بزرگ ہے اس لیے مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں یہ حافظ مولوی مجھے بچالے گا چھڑا لے گا۔ ہاں سفارش کرے گا اللہ کے سامنے روئے دھوئے گا بشرطیکہ آپ کے پاس ایمان ہو اگر لاپرواہی کے ساتھ آپ نے اس نعمت کو ضائع کر دیا اور اپنے ایمان کو محفوظ نہ رکھا تو حافظ قاری اپنی جگہ رہ گئے۔ عالم فاضل تو اپنی جگہ رہ

گئے اللہ کا نبی بھی باپ کے حق میں وہاں نہیں بول سکے گا۔ وہ بھی سفارش نہیں کر سکے گا حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ آذر کی ملاقات ابراہیم علیہ السلام سے میدان حشر میں ہوجائے گی آمنا سامنا ہوجائے گا اور آذر کا وہی حال ہوگا جو کافر کا ہوتا ہے عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ چہرہ سیاہ گرد وغبار سے اٹا ہوا جیسے انسان انتہائی پریشان ہوتا ہے جب ابراہیم اس کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ابا میں تجھے کہتا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو تو آذر کہیں گے کہ بیٹے اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب نافرمانی نہیں کروں گا تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے واشگاف الفاظ میں اس بات کو بیان فرمایا اور نہیں کی بات نقل کر رہا ہوں بھلا ہمیں کیسے جرأت ہوسکتی ہے کہ ہم کسی ایسے خاندان کے متعلق زبان کھولیں حضور بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف اتنی بات کہیں گے کہ یا اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تجھے رسوا نہیں کرونگا ان لا تخزيني يوم القيامة تو کیا یہ میری رسوائی نہیں کہ میرے باپ کا یہ حال ہے صحیحین کی روایت ہے کہ ابراہیم کہیں گے اَیُّ خِزْیٍ اَخْزٰی مِنْ اَبِیْ الْاَبْعَدِ۔ میرا باپ جو رحمت سے دور ہے اس سے بڑی رسوائی میرے لیے کیا ہوگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا انی حرمت الجنة علی الکافرین ابراہیم! میں نے جنت کو کافروں پہ حرام کر دیا ہے چاہے تیرا باپ ہے لیکن جنت میں نہیں جاسکتا۔ باقی رہی یہ بات کہ تو اس میں رسوئی محسوس کرتا ہے تو رسوائی تبھی محسوس کرے گا جب یہ لوگ پہچانیں گے کہ تیرا باپ ہے ہم اس کو ایسا کر دیں گے کہ وہ پہچان ہی نہیں سکیں گے۔ کہ یہ تیرا باپ ہے پھر کیسی رسوائی۔؟

تو اس کو بجو کی شکل میں مسخ کر کے اس کے پاؤں سے پکڑ کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (بخاری ص ۱/۴۷۳) لیجئے حضور کرلو اپنے نسب پہ بھروسہ۔ کرو اپنی نسبتوں پہ بھروسہ۔ ایمان ایسی قیمتی چیز ہے کہ اگر کسی کے پلے نہ ہو ایمان سے کوئی محروم ہو تو بڑی سے بڑی نسبت بڑے سے بڑا تعلق آگے کام نہیں آئے گا۔

حضور ﷺ کا سگا چچا جہنم کی لپیٹ میں

اس کے بعد لیجئے۔ افضل الانبیاء سرور کائنات ﷺ کائنات میں ان کی مثل نہیں ساری مخلوق میں سے افضل بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر جیسے ہمارے بزرگوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ کو چھوڑیے اللہ کے ساتھ تو کسی کا مقابلہ کیا ہی نہیں جا سکتا باقی اللہ کی مخلوق میں سے آپ کے برابر کا کوئی نہیں سب سے افضل آپ ﷺ ہیں۔ متفق علیہ عقیدہ ہے تمام اہلسنّت والجماعت اس بات پہ متفق ہیں علماء دیوبند اپنی کتابوں میں جگہ جگہ اس بات کی صراحت کرتے ہیں ساری مخلوق میں سے افضل ترین سرورکائنات ﷺ ہیں۔

قرآن مجید میں تبت یدا ابی لھب وتب آپ پڑھتے ہیں یہ ابولہب کون تھا جس کا ذکر قرآن نے کیا سیصلی نارا ذات لھب۔ بھڑکتی ہوئی آگ میں جائے گا۔ یہ بھی اور اس کی بیوی بھی۔ یہ ابولہب حضور ﷺ کا حقیقی چچا ہے عبدالمطلب کا بیٹا ہے یہ ابوجہل کو جو حضور ﷺ کا چچا کہتے ہیں۔ وہ قریشی ہونے کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں۔ حقیقت میں چچا نہیں ہے۔ حقیقت میں چاچا ابولہب ہے لیکن ایمان کی دولت سے محروم اور بھتیجا افضل الانبیاء سید الانبیاء۔ اللہ کا سب سے زیادہ مقرب لیکن اللہ کی کتاب میں یہ بات آگئی ہے کہ یہ تو بڑھکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ضابطہ ہے کہ ایمان لاؤ گے تو آگے کوئی بات پوچھی جائے گی اگر ایمان نہیں لاتے تو آگے کچھ نہیں ہوگا تو یہ زعم کیسے آ سکتا ہے کہ ہم فلانے کی اولاد میں ہیں۔ فلانے کے بھائی ہیں فلانے کے چاچا ہیں فلانے کی بیوی ہے فلانے کا خاوند ہے ان نسبتوں کے ساتھ کچھ نہیں بن سکے گا انسان کے پلے اگر ایمان نہ ہو۔ تو اس سے آپ سمجھ لیجئے۔ کہ ایمان کی کیا اہمیت ہے۔

مال و دولت کا سہارا کام میں نہیں آئے گا

اور دوسری چیز جو ہمیں جرم کرنے پر برانگیختہ کرتی ہے وہ ہمارا سرمایہ دار ہونا ہے ہم کہتے ہیں جیب میں پیسے ہیں جس افسر کو چاہو خرید لو ایک کام ناجائز کر رہے ہیں

پوچھا جائے کیوں کر رہے ہو کہتے ہیں کوئی بات نہیں پولیس والا آ گیا تو دس روپے دیں گے وہ چلا جائے گا۔ اور ایسے ہوتا ہے بڑے سے بڑا جرم کرلو تو ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ کوئی بات نہیں انصاف بھی خریدا جاتا ہے عدالتیں بھی بکاؤ مال ہیں افسر بھی خریدے جاتے ہیں پیسے اپنے پاس ہیں جس کو چاہیں گے خرید لیں گے تو جب سرمایہ جیب میں ہوتا ہے تو وہ انسان بھی بسا اوقات جرم کرتے ہوئے جھجکتا نہیں وہ سمجھتا ہے کہ پیسے کے ذریعے ہر چیز خریدی جاسکتی ہے جرم کرلیا تو کوئی بات نہیں اگر گرفت میں آ گیا تو پیسے دوں گا چھوٹ جاؤں گا۔ تو یہ سرمایہ بھی بسا اوقات انسان کا دماغ خراب کردیتا ہے اور وہ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنے لگ جاتا ہے کہ سرمائے کے ساتھ سب کچھ خریدا جاسکتا ہے تو ہم انصاف بھی خریدیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی بھی صاف صاف لفظوں میں کردی کہ لوگو! اس مغالطے میں نہ رہ جائیو جس طرح سے رشتہ داریوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے جس وقت ایمان مکمل نہ ہوا کوئی رشتہ داری کسی طرح کی ہو اگر ایمان سے خالی ہو تو فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح سے اگر ایمان نہ ہوا تو آخرت میں ایمان کی جگہ کسی دوسری چیز سے جنت نہیں خریدی جاسکے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کافر لوگ زمین کے بھراؤ کے برابر سونا دے کر بھی چھوٹنا چاہیں تو نہیں چھوٹ سکیں گے سینکڑوں کا حساب نہیں کروڑوں کا حساب نہیں قرآن کریم نے جو لفظ بولا اس کے اوپر غور کریں **ملاء الارض ذھبًا** زمین بھری ہوئی اب زمین بھری ہوئی کتنی ہوگی پہاڑ تو آپ لوگوں نے دیکھے ہوں گے کتنے بڑے بڑے پہاڑ ہیں اگر سارے کے سارے دنیا کے پہاڑوں پر آپ نظر ڈالیں تو زمین ساری خالی پڑی ہے پہاڑوں سے زمین بھر گئی؟ نہیں۔ پتہ نہیں کہ کس کونے میں لگے ہوئے ہیں ساری زمین خالی پڑی نظر آ رہی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کے سارے کے سارے پہاڑ اگر سونے کے ہوں تب بھی زمین اس سے بھری ہوئی نہیں ہے۔ پھر بھی یہ ملاء الارض ذھبا نہیں ہے زمین بھری ہوئی نہیں یہ تو سارے زمین کے کونے میں لگے ہوئے ہیں ان سب پہاڑوں سے بھی لاکھوں گنا اربوں گنا زائد سونا بن جائے یعنی آپ اگر

امریکہ کے سارے کے سارے خزانے اکٹھے کریں تو شاید یہ اتنی سی جگہ جتنا آپ کا مرکز ہے اس کو آسمان تک نہیں بھر سکیں گے تو اتنا کسی کے پاس سونا ہو کہ ساری زمین بھری ہوئی ہو اور وہ کہے کہ یہ لے لو مجھے چھوڑ دو۔ لَنْ یُّقْبَلَ۔ بالکل قبول نہیں کیا جائے گا۔ اندازہ کرو کہ ایمان کتنا قیمتی ہے آج پانچ پانچ روپے کے پیچھے ہم ایمان بیچتے ہیں یہ ایمان کی قدر و قیمت نہ جاننے کا نتیجہ ہے اگر ایمان کی قدر و قیمت جان لو تو تمہیں کوئی کوہ ہمالیہ پہاڑ سونا کا دے کر کہے کہ تم ایمان کو چھوڑ دو بے ایمانی پہ آ جاؤ۔ تو ہمالیہ پہاڑ سونے کالے کے بھی آپ بے ایمانی کرنے پہ تیار نہیں ہوں گے اگر تمہیں ایمان کی قدر و قیمت کا پتہ چل جائے جو اللہ تعالیٰ بتاتا ہے۔ تو ایمان اتنی بڑی قیمتی چیز ہے پھر اس کے ساتھ ساتھ ایمان کی ایک حیثیت اور بھی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کچھ ارادہ ہوگیا ہے کہ گاہے گاہے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں گا۔ تو بالتفصیل بالترتیب کچھ باتیں عرض کروں گا۔ اس لیے ترتیب کے مطابق چل رہا ہوں اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا اللہ تعالیٰ توفیق دیتا رہے تو یہ بنیاد ڈھ رہا ہوں آج ایمان کی قدر و قیمت سے۔ ایمان کی ایک حیثیت یہ بھی ہے کہ ایمان کے بغیر آخرت میں کوئی نیکی بھی قبول نہیں ہے۔ حاتم طائی انتہائی سخی تھا لیکن ایمان نہیں لایا اس کی سخاوت کام نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے نمازیں پڑھتے ہوئے جھک کے تم کمان ہو جاؤ اگر عقیدہ ٹھیک نہیں ہے تو نماز کام نہیں آئے گی۔ کماتے جاؤ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے جاؤ اگر ایمان نہیں ہے تو کچھ کام نہیں آئے گا۔ یہ سارے کے سارے ھباءً منثورا قرآن کہتا ہے **من عمل فجعلناه هباءً منثورا** ان کے عمل کی طرف ہم متوجہ ہونگے تو ہم اس کو ایسے کردیں گے جیسے گرد و غبار اڑا دیا جاتا ہے۔

اعمال صفر ہیں اور ایمان عدد ہے

اس کو سمجھانے کے لیے آپ کو اس کی مثال دے دوں عمل کو یوں سمجھو کہ یہ صفر ہے اب جتنی چاہو صفریں لگا لو۔ تو کیا اس کا عدد بنتا ہے؟ (نہیں) اور ایمان ایک عدد

ہے اگر ایمان لے آئے تو یہ ایک بڑھا دیا اب اس کے ساتھ صفر لگاؤ۔ تو کتنا بن گیا؟ (دس) ایک صفر اور لگاؤ تو کتنا ہو گیا ایک سو ایک اور صفر لگا لو کتنے ہو گیے؟ ہزار ایک اور لگا لو تو دس ہزار اگر ایک اور لگاؤ تو لاکھ پہلے ایک تھا پھر دس ہو گیا پھر سو ہو گیا پھر ہزار ہو گیا۔ پھر دس ہزار ہو گیا۔ پھر لاکھ ہو گیا۔ پھر دس لکھ ہو گیے۔ پھر کروڑ ہو گیا پھر دس کروڑ ہو گیا۔ صفر بڑھتی چلی جائے گی عدد میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ تو فائدہ ہوگا۔ اگر بیٹھے بیٹھے صفر کے ڈھیر لگا لو کچھ فائدہ نہیں۔ تو پہلے ایمان کو کھڑا کرو جب ایمان کھڑا ہو گیا تو پھر اس کے ساتھ اعمال وزنی بھی ہوں گے اور آخرت میں بھی درجہ بڑھتا چلا جائے گا۔ ورنہ صفروں کی تم گھڑی بھر لو اگر ایمان نہیں ہے تو سارے کا سارا بے کار ہے کسی کام کا نہیں۔

حضور ﷺ کا امت کے لیے بے چین ہونا

اس لیے سب سے پہلے فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ انسان کا ایمان ٹھیک ہو ایمان اتنی قدر و قیمت والی چیز ہے جس کے بغیر آخرت کی زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا یہی وجہ تھی کہ سرورِ کائنات کو جب اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور آپ کے سامنے ساری حقیقت آئی تو مخلوق کی ہمدردی کے طور پر آپ پر جو بے چینی طاری ہوئی کہ یہ جو ایمان سے محروم ہیں یہ جہنم میں جائیں گے یہ جلیں گے۔

ان کو جہنم سے بچانے کے لیے حضور ﷺ نے کیا فکر کی اور کس طرح سے دن رات بے چین رہتے تھے وہ واقعات آپ پڑھیں تو آپ کو پتہ چلے کہ اس حقیقت کے سمجھ آنے کے بعد جہنم سے بچانے کے لیے اللہ کی مخلوق کو جنت میں لے جانے کے لیے اپنے رشتے داروں کو کیا غیر رشتہ داروں کو کیا حضور ﷺ کتنی بے چینی کے ساتھ گھیر گھیر کے لاتے تھے۔

اتنا دکھ اور درد تھا کہ یہ لوگ ایمان سے محروم کیوں ہیں یہ سارے جہنم میں جائیں گے چند دن ان کو کھانے پینے کے ملے ہیں اس کے بعد آگے جہنم ہے ان کو جہنم

سے بچانا چاہیے یہ حقیقت نمایاں ہونے کے بعد حضور ﷺ پر اتنی بے چینی کی کیفیت تھی نہ دن کو چین تھا نہ رات کو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ فرمایا کہ آپ تنی فکر میں کیوں پڑ گئے آپ تو گھل گھل کے پگھل جائیں گے **فلعلك باخع نفسك** ایسے لگتا ہے آپ گھل گھل کے مر جائیں گے آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا آپ اتنی محنت کرتے ہیں لیکن بتا ان کے پیچھے نہ پڑو اندازہ کیجیے کہ حضور ﷺ کتنا فکر مند تھے اور کتنے بے چین تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اتنا فکر نہ کرو۔

اور آپ نے فرمایا کہ میری مثال ایسے ہے جیسے ایک آدمی جنگل میں آگ جلائے آگ اس نے اس لیے جلائی تا کہ لوگ اس کی گرمی اور روشنی سے فائدہ اٹھائیں۔

لیکن یہ کیڑے مکوڑے پتنگے بے عقل قسم کے وہ آتے ہیں آ کے آگ میں چھلانگیں لگانی شروع کر دیتے ہیں آگ جلانے والے نے تو اس لیے نہیں جلائی تھی کہ جلیں لیکن یہ بے عقلی کے ساتھ چھلانگیں لگاتے ہیں آگ جلانے والا کبھی اس کیڑے کو پکڑ کے دور پھینکتا ہے کبھی اس کیڑے کو پکڑ کے دور پھینکتا ہے فرمایا میری مثال بھی ایسی ہی ہے کہ میں بھی تمہاری کمر سے پکڑ پکڑ کر تمہیں گھسیٹتا ہوں **هلم عن النار هلم عن النار** لوگو! آگ سے دور ہو جاؤ آگ سے بچ جاؤ لیکن تم ہو کہ بے عقل کیڑوں کی طرح گھستے چلے جا رہے ہو۔

یہ اللہ کا دین تو اس لیے آیا تھا تا کہ اس سے فائدہ اٹھا کے تم جہنم سے بچ جاؤ لیکن بے عقلی کے ساتھ تم اس کی تکذیب کر کے اس کی مخالفت کر کے بے عقل کیڑے مکوڑوں کی طرح تم تو جہنم میں گھستے جا رہے ہو۔

اور میں پکڑ پکڑ کے کھینچ رہا ہوں (مسلم ص ۲۶۰ / ۲) یہ حضور ﷺ نے اپنی مثال بیان کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسروں تک ایمان کی بات پہنچانے کے لیے اور لوگوں کو ایمان کی بات دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے اوپر کتنی بے چینی طاری ہوتی تھی یہ ساری کی ساری سیرت کی کتابیں آپ کی بھری پڑی ہیں۔

ایمان کی آسان ترین پہچان

تو اللہ تعالی نے جب ایمان کی اتنی قدر و قیمت رکھی ہے اور یہ چند باتیں میں نے آپ کے سامنے اسی لیے بیان کی ہیں کہ جب اگلی بات آئے گی کہ ہم کس طرح سے پہچانیں کہ ہمارے اندر ایمان ہے کہ نہیں؟ ایمان ہوتا کیا ہے؟ یہ تو انشاء اللہ بعد میں تفصیل آئے گی لیکن ہمارے لیے پہچان کہ ہمارے اندر ایمان ہے کہ نہیں اس کی ضرورت ہے تو اس سوال کا جواب صراحت کے ساتھ حدیث میں ہے جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ابوامامہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں کہتے ہیں ایک آدمی نے اللہ کے رسول سے پوچھا ما الایمان یارسول اللہ ایمان کی پہچان کیا ہے ایمان کی علامت کیا ہے میں کیسے پہچانوں کہ میرے اندر ایمان ہے اب میں اپنی زبان سے کہتا ہوں میں مومن ہوں لیکن وہ حقیقت ہے بھی یا نہیں۔

آپ نے فرمایا نیکی کر کے اگر دل خوش ہوتا ہے اور برائی کر کے طبیعت پر گرانی ہوتی ہے غم طاری ہو جاتا ہے تو سمجھو کہ تم مومن ہو۔

اگر نیکی کر کے دل خوش ہو گیا ایسے جیسے آپ نے بہت لذیذ چیز کھالی تو طبیعت میں بشاشت آتی ہے تو اگر نیکی کرنے کے ساتھ طبیعت میں بشاشت آجائے اور اگر کوئی برا کام ہو جائے تو ایسے طبیعت ہو جائے جیسے بھول کے زہر کھالی اور آپ کو پتہ چل گیا کہ میں نے زہر نگل لی تو آپ جانتے ہیں کہ کس طرح سے انسان بے چین ہوتا ہے تو برا کام کرنے کے بعد اور گناہ کرنے کے بعد یوں بے چینی طاری ہو جائے کہ جس طرح سے آپ نے زندگی کو ہلاک کرنے کے لیے کوئی کام کر لیا ہو اگر طبیعت کے اوپر برائی کا یہ اثر پڑتا ہے اور طبیعت کے اوپر اچھائی کا یہ اثر پڑتا ہے تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ ہمارے اندر ایمان موجود ہے نماز پڑھ کے دل خوش ہو گیا اور تاش کھیلنے کے لیے اگر کسی نے کہہ بھی دیا پہلے تو ڈرتے ہیں اگر غلطی کر بھی لی تو غم طاری ہو گیا کہ ہم نے بہت برا کیا باقی چھائی برائی کی تقسیم ایسی واضح ہے کہ آپ جانتے ہیں سچ بولنا نیکی ہے

جھوٹ بولنا برا ہے نماز پڑھنا نیکی ہے ترک کرنا برا ہے اور گناہوں کی فہرست ایسی نہیں جو مخفی ہو تو اگر گناہ سے بے چینی ہوتی ہے یہ بھی ایمان کی علامت اگر نیکی سے دل خوش ہوتا ہے یہ بھی ایمان کی علامت اب اس سے آگے دیکھ لیں اگر نیکی کرنے پہ طبیعت آمادہ نہیں ہوتی اور گناہ کی طرف طبیعت راغب ہے گناہ کر کے ہم خوش ہوتے ہیں کہ سینما دیکھا بڑا مزہ آیا مسجد میں جا کے گھٹن پیدا ہوئی اس قسم کی کیفیت طاری ہونے کے بعد اب خود سوچ لیجیے کہ یہ علامت ہے اس بات کی کہ ایمان نہیں ہے اس کو پہچاننا تو ہمارے لیے آسان ہے۔

دینی کارناموں میں دیوبند کا حصہ

سب سے زیادہ فکر اس بات میں کرنے کی ہے کہ اپنا ایمان سیکھو اور ایمان کو درست کرو اور پھر سرور کائنات کے طریقے کے مطابق اپنے ماحول میں اس کو پھیلانے کی کوشش کرو تو ہمارے اکابر کا یہ جو طریقہ ہے جو تبلیغ کے نام سے جاری ہے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس وقت خیر کے جتنے بھی راستے ہیں سب علماء دیوبند سے متعلق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا مرجع بنایا ہے اور نیکی کی لہریں اس مرکز سے اس طرح سے اٹھی ہیں کہ دنیا کے اندر جہاں جہاں بھی اس وقت اچھے کام ہو رہے ہیں اگر آپ غور کریں گے تو اس میں دیوبند کا خاصہ حصہ ہے۔

تبلیغی جماعت کے اثرات اطراف عالم میں

اب یہ جو تحریک اٹھی تھی دیوبند سے تبلیغ کے نام سے دنیا کے اندر ایمان کو کس طرح سے تقسیم کیا ہے اور لوگوں کو پکڑ پکڑ کے ایمان کی طرف کیسے لائے ہیں اس کے نتائج آپ سب لوگوں کے سامنے ہیں اور خاص طور پر اس کی محنت کی قدر و قیمت ہوتی ہے جب انسان یورپ میں جا کے دیکھتا ہے اور دوسرے ملکوں میں جا کے دیکھتا ہے میں جس وقت انگلینڈ میں گیا جا کے یہ مرکز دیکھے اور یہ اثرات دیکھے تو اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہمارے بزرگوں کا فیض یہاں تک پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ دنیا کو کتنا ایمان

کا رستہ دکھایا ہے اور کس طرح سے لوگوں کو جہنم سے بچانے کے لیے کوشش جاری ہے اس لیے میں درخواست کروں گا آپ سب حضرات سے کہ اس جماعت کے ساتھ وقت لگایا کرو آیا کرو۔ آ کے ایمان سیکھو اور سیکھنے کے بعد دوسروں کو بھی ترغیب دے کے اس طرف لانے کی کوشش کرو تا کہ جس طرح سے ہم خود جہنم سے بچنے کی کوشش کریں دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کریں تو آپ لوگ جو دنیوی کاروبار میں لگے ہوئے ہیں دکانوں پہ بیٹھتے ہیں ملازمت ہے سارے کا سارا وقت ایسے ماحول میں گزرتا ہے جس میں دین وایمان کی بات کم ہوتی ہے یا ہوتی نہیں سرے سے۔

اس لیے کچھ وقت نکال کر آپ اس ماحول میں آجایا کریں اپنے ماحول کو چھوڑ دیا کریں تو جس وقت آپ اس ماحول میں بیٹھیں گے ایمان کی بات سنیں گے آپ کا ایمان بھی تازہ ہوگا اور پھر دوسروں تک پہنچانے کی توفیق بھی ہوگی۔ تو جتنی نیکیاں وہ کرے گا ساری کی ساری آپ کے حصے میں بھی آتی چلی جائیں گی۔

اس لیے یہ التزام عام آدمی کے لیے تو خصوصیت کے ساتھ ضروری ہے کہ وہ وقت نکال کے آئیں تا کہ ایمان سیکھیں ایمان کو مضبوط کریں اور پھر اس کو آگے پھیلانے کی کوشش کریں بس میں یہی عرض کر سکتا ہوں یہ میں نے بنیاد اٹھائی ہے باقی آگے ایمان کیا ہوتا ہے ایمان کامل کرنے کے لیے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے انشاء اللہ العزیز اللہ توفیق دے گا تو مختلف اوقات میں آپ کی خدمت میں کچھ عرض کرتا رہوں گا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

ایمان کی قدر و قیمت

(حصہ دوم)

بمقام: تبلیغی مرکز کہروڑپکا

بموقع: شب جمعہ

تاریخ: ۱۰ ستمبر ۱۹۹۸ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَاشَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَايَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○﴾

((قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَلْاِيْمَانُ بِضْعَةٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً اَفْضَلُهَا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ))

(مشکوۃ ص ۱۲/۱۔ مسلم ص ۴۷/۱)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَاشَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَايَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○﴾

((قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَلْاِيْمَانُ بِضْعَةٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً اَفْضَلُهَا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ))

(مشکوٰۃ ص ۱۲/۱۔ مسلم ص ۴۷/۱)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ

تمہید

سب سے پہلے تو ہم سب کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں اپنے گھر میں حاضری کی توفیق دی ورایک اچھی مجلس میں جس میں اللہ اور اس کے رسول کی باتیں ہوں گی شرکت کی توفیق دی۔

یہ کوئی معمولی سعادت نہیں ہے بہت بڑی نیک بختی ہے کہ اس دور میں جب کہ ہر انسان مختلف قسم کے دھندوں میں مبتلا ہے۔ تو اس دور میں اللہ کسی کو توفیق دے دے چند لمحات، چند منٹ مسجد میں حاضری کے لیے اور کسی اچھی مجلس میں شرکت کے لیے یہ بہت بڑا اللہ کا انعام ہے۔ اس دور میں اور اس پر ہم سب کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہو الحمد للہ۔

ذکر الٰہی کی مجالس میں فرشتوں کی حاضری

حدیث شریف میں آتا ہے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: ”کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جن کی تعیناتی نہیں ہوتی وہ متعین نہیں ہوتے جس طرح سے کراماً کاتبین ہیں اعمال لکھنے پر متعین ہیں اسی طرح سے کوئی فرشتہ کسی کام پر متعین ہے کوئی کسی کام پر۔ ان فرشتوں کی ڈیوٹی متعین نہیں ہوتی بلکہ وہ مجلس ذکر اور مجلس علم کو تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کہاں علم کی مجلس ہوتی ہے کہاں اہل ذکر کی مجلس ہوتی ہے جب ان کو کسی مجلس کا پتہ چلتا ہے کہ فلاں جگہ لوگ اللہ کو یاد کرنے کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں وہاں علم کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ تو پھر وہ ایک دوسرے کو آواز دے دے کر بلاتے ہیں۔

هَلُمُّوْا اِلٰى بُغْيَتِكُمْ هَلُمُّوْا اِلٰى بُغْيَتِكُمْ۔ آؤ تمہاری خواہش کی چیز یہاں موجود ہے۔ جس کی تلاش میں تم پھر رہے ہو وہ یہاں موجود ہے یہ ایک دوسرے کو آوازیں دیتے ہیں۔

تو سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ پھر وہ فرشتے تنے جمع ہو جاتے ہیں ان مجلسوں میں کہ زمین سے لے کر آسمان تک فضاء بھر جاتی ہے وہ باتیں سنتے ہیں۔ باتیں سننے سے فارغ ہونے کے بعد پھر وہ اللہ کی طرف عروج کر کے جاتے ہیں جیسے اللہ جل شانہ کے لائق ہے۔

تو اللہ ان سے پوچھتا ہے باوجود اس بات کہ اللہ جانتا ہے یہ حدیث میں الفاظ ہیں وھو اعلم باجود اس بات کے کہ اللہ جانتا ہے پھر بھی ان فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں پایا۔

میرے بندے کیا کر رہے تھے؟ تو فرشتے کہتے ہیں یا اللہ وہ تیری تسبیح پڑھ رہے تھے تیری تعریف کر رہے تھے۔ تیری کبریائی بیان کر رہے تھے۔ تجھے یاد کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے جو مجھے یاد کر رہے تھے فرشتے کہتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں لیکن یاد کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اچھا اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا تو فرشتے کہتے ہیں یا اللہ پھر تو تجھے بہت ہی زیادہ یاد کرتے۔

پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ وہ کچھ مانگ بھی رہے تھے فرشتے کہتے ہیں کہ ہاں جی مانگ رہے تھے کیا مانگ رہے تھے؟ کہ جنت مانگ رہے تھے۔ اللہ فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ انہوں نے جنت دیکھی ہے جو مانگ رہے تھے (صحیحین کی حدیث ہے) فرشتے کہتے ہیں کہ دیکھی تو نہیں لیکن مانگ رہے تھے تو اللہ کہتے ہیں (دیکھو کتنے پیار اور محبت کے ساتھ لوگوں کا تذکرہ کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اچھا بتاؤ اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو پھر ان کا کیا حال ہوتا۔ تو فرشتے کہتے ہیں یا اللہ پھر تو بہت زیادہ اور شدید طلب انکی ہوتی۔

پھر اللہ پوچھتے ہیں وہ کسی سے پناہ بھی مانگ رہے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں ہاں جی پناہ مانگ رہے تھے اللہ پوچھتے ہیں کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے کس چیز سے بچنے کی درخواست کر رہے تھے۔

فرشتے کہتے ہیں کہ جہنم سے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے کہ جہنم سے ڈر رہے تھے اور اس سے بچنے کے لیے پناہ مانگ رہے تھے۔ تو فرشتے کہتے ہیں جی دیکھا تو نہیں؟ اچھا اگر وہ دیکھ لیتے تو پھر؟ فرشتے کہتے ہیں کہ پھر تو وہ بہت ہی زیادہ ڈرتے اور بہت زیادہ پناہ مانگتے۔

مجالس ذکر کے شرکاء کے لیے اعلانِ مغفرت

یہ ساری باتیں سن لینے کے بعد فرشتوں سے اس بات پر گواہی لے لینے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِشْهَدُوْا اَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ اے فرشتو! گواہ ہو جاؤ جتنے لوگ اس مجمعے میں بیٹھے تھے میں نے سب کو بخش دیا سب کو معاف کر دیا تو بعض فرشتے کہتے ہیں کہ یا اللہ ان میں ایک آدمی تو ایسا تھا کہ جو بہت گناہگار تھا اور وہ کوئی شرکت کرنے کی نیت سے بھی نہیں آیا تھا اتفاق سے کسی کام کے لئے آیا تھا۔ وہ بھی بیٹھ گیا۔ اور تھا بڑا گناہ گار کہتے ہیں اس کو بھی بخش دیا؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو بھی بخش دیا۔ هُؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ۔ (بخاری ص ۹۴۸/۲۔ ترمذی ص ۲۰۰/۲) یہ مجھے یاد کرنے والے لوگ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا کبھی بد بخت نہیں ہوتا اس لیے اہل ذکر کی مجلس جہاں اللہ تعالیٰ کی باتیں ہوں اللہ کے رسول کی باتیں ہوں اللہ کی عظمت بیان کی جائے اللہ کی بڑائی بیان کی جائے۔ تسبیح ہو۔ تحمید ہو۔ جنت حاصل کرنے کی خواہش کی جائے جہنم سے بچنے کی خواہش کی جائے۔ یہ مجلس بہت رحمت کی مجلس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اوپر رحمت کی بارش ہوتی ہے۔

اس لئے یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں شرکت کی توفیق دے دے جب کبھی بھی ایسا موقع ملے اس کے اوپر اللہ کا شکر ادا کیا کرو۔ کہ اس نے اس مجلس میں شرکت کی توفیق دے دی جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ محبت کے ساتھ اپنے فرشتوں میں کرتے ہیں اور فرشتوں کو گواہ بنا کر اس جماعت کی مغفرت کا اعلان کرتے ہیں۔ تو یہ مجلسیں ایسی مجلسیں ہیں۔

اس لئے میں نے کہا کہ سب سے پہلے تو ہمیں اس نعمت پر جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی کہ محض اللہ کے تعلق کی بنا پر مل بیٹھے۔ ہمارے سامنے کوئی دنیاوی غرض نہیں کاروبار میں ہماری شرکت نہیں ہم آتے ہیں تو دین کے جذبے سے آتے ہیں اللہ کا نام سننے کے لئے آتے ہیں تو یہ ایک بہت بڑی سعادت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ کے لیے ایسی مجلسوں میں شرکت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم اس کی قدر پہچانیں۔

اس کے بعد میں نے جو آیت آپ کے سامنے پڑھی ہے۔ پہلے اس کا ترجمہ کرتا ہوں اس کے بعد کچھ تھوڑا سا عرض کروں گا۔

ایمان کی تحریک میں ایمان کا تذکرہ

سورۃ نساء کی آیت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، فلا وربك لا یومنون، پچھلے بیان میں بھی میں نے تذکرہ کیا تھا چونکہ ہماری جدوجہد یہ چلت پھرت اس کا عنوان یہ ہے کہ یہ ایمان کی تحریک ہے اور اس میں ایمان اور یقین کی باتیں ہوتی ہیں اور ہم اعلان بھی یہی کیا کرتے ہیں کہ اس مجلس کے اندر ایمان ویقین کی بات ہوگی۔

جس کے ساتھ ایمان کی تازگی ہوگی ایمان کو قوت حاصل ہوگی۔ تو میں نے یہی خیال کیا کہ ایمان کا تذکرہ ہو۔ ذرا اس کی تھوڑی سی تفصیل ہو جائے کہ ایمان کی فضیلت تو سنتے رہتے ہیں لیکن تھوڑی سی ایمان کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے کہ ایمان ہوتا کیا ہے۔

پچھلے بیان میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ ایمان سے محرومی بہت بڑی محرومی ہے اس محرومی کے بعد کسی قسم کی نسبت آخرت میں کام نہیں آئے گی۔ جب کسی کے پلے ایمان نہ ہو۔ اور آج یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایمان ہے کیا چیز؟ تاکہ ایمان ویقین کی بات کی کچھ تفصیل آپ کے سامنے آجائے۔ اور اس طرح سے فضیلت سننے کے ساتھ ساتھ اس کی تفصیل جب ذہن میں آئے گی تو عقیدے کی تصحیح بھی ہوتی ہے اور ایمان میں پختگی بھی ہوتی ہے۔

اختلاف کے وقت فیصل حضور کو مانو

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، فلا ربك لا یومنون۔ وربك یہ اللہ نے قسم کھائی ہے اور یہ خطاب ہے حضور ﷺ کو۔ اللہ تعالیٰ بعض بعض باتوں کو پکا کرنے کے لیے مضبوط کرنے کے لیے اپنی کتاب میں قسم کھا کے کہتے ہیں۔ آپ اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی بات تو ویسے ہی سر آنکھوں پر۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ قسم کھا کر کہیں گے تو بات کتنی پکی ہو جائے گی۔ فلا ربك تیرے رب کی قسم حضور ﷺ کو خطاب ہے۔ لا یومنون، یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے۔ حتی یحکموك فیما شجر بینهم۔ جب تک یہ لوگ تجھے فیصل

نہ قرار دے لیں ان باتوں میں جن میں ان کا آپس میں اختلاف ہے جو چیز لوگوں کے درمیان اختلاف کا باعث بن جائے مثلاً کوئی جھگڑا ہوگیا لین دین کا جھگڑا ہوگیا۔ جائیداد کا جھگڑا ہوگیا۔ جو چیز آپس میں اختلافی ہو جائے جب تک تجھے اس میں فیصل نہیں مانیں گے اس وقت تک یہ لوگ مومن نہیں ہونگے۔ اللہ کے نزدیک ان کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔

تو پہلے تو فیصل مانیں کہ جو فیصلہ آپ کا ہو وہ ہمیں قبول ہے پھر صرف فیصل ماننا نہیں **ثم لا یجدو فی انفسھم حرجا مما قضیت**۔ فیصلہ ہونے کے بعد اپنے دلوں میں کوئی کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں آپ کے فیصلے کے مقابلے میں جو آپ کا فیصلہ ہو جائے اس کو خوشدلی سے قبول کریں اور کوئی تنگی محسوس نہ کریں **ویسلموا تسلیما** اور خوب اچھی طرح سے رضامندی کے ساتھ اس کو تسلیم کریں تب جاکے یہ مومن بنیں گے۔ ورنہ مومن نہیں ہونگے۔ جھگڑے کی صورت میں آپ کو فیصل مانیں آپ کو فیصل ماننے کے بعد جو آپ کا فیصلہ ہو جائے اس کو بغیر دل کی تنگی کے قبول کریں دل میں کسی قسم کی تنگی نہ آئے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور اسے قبول کرلیں یہ کریں گے تو مومن ہیں ورنہ تیرے رب کی قسم مومن نہیں ہیں۔ یہ قرآن کریم کی آیت ہے سورۃ نساء میں اور آپ تلاوت کرتے رہتے ہیں اور اس کا ترجمہ کسی ترجمے والے قرآن کریم میں دیکھ لینا۔ یہ چند ایک لفظ ہیں جن کو آپ یاد کرلیں یہ ایک بات ہوئی۔

ایمان کی ستر سے اوپر شاخیں

اور پھر میں نے آپ کے سامنے ایک حدیث پڑھی سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں **الایمان بضع وسبعون شعبہ** ایمان کی ستر سے اوپر شاخیں ہیں **افضلھا لا الہ الا اللہ** ان شاخوں میں سے ان شعبوں میں سے سب سے افضل **لا الہ الا اللہ** ہے **وادنا ھا** اور ان شعبوں میں سے سب سے ادنی شعبہ **اماطۃ الاذی عن الطریق** راستے میں کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہو آپ جارہے ہیں راستے میں دیکھا کانٹا پڑا ہے کسی کے پاؤں میں لگ جائے گا یا کسی کا سائیکل پنچر ہو جائے گا۔ کوئی اینٹ یا

اور کوئی ایسی چیز جس میں بے دھیانی سے کوئی جا لگے گا۔ تو اس کو ٹھوکر لگ جائے گی کوئی شیشے کا ٹکڑا پڑا ہے کوئی چیز راستے میں ایسی پڑی ہے جو چلنے والوں کے لیے باعث تکلیف ہوسکتی ہے اس تکلیف دینے والی چیز کو راستے سے ہٹا دینا یہ بھی ایمان کا ادنیٰ شعبہ ہے والحیاء شعبة من الایمان اور حیاء بھی ایمان کا ایک بہت بڑا شعبہ ہے یہ تین شاخوں کا ذکر کر دیا۔ ایک سب سے اعلیٰ ایک سب سے ادنی اور ایک درمیانی ویسے فرمایا: کہ ستر سے اوپر شاخیں ہیں۔

ایمان کی تشبیہ درخت کے ساتھ

اس روایت میں حضور ﷺ نے ایمان کو ایک درخت کے ساتھ تشبیہ دی کہ جیسے ایک درخت ہوتا ہے۔ اس کی شاخیں ہوتی ہیں نیچے سے لے کر اوپر تک یہ مکمل درخت ہوتا ہے اس کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ جس کو ہم جڑ کہتے ہیں وہ زمین میں دبی ہوئی ہوتی ہے اور پھر جڑ سے تنا نکلتا ہے اس سے موٹی موٹی شاخیں نکلتی ہیں پھر ان موٹی شاخوں سے چھوٹی چھوٹی شاخیں نکلتی ہیں۔ حتی کہ پھولوں اور پتوں تک بات چلی جاتی ہے تو پتے سے لے کر جڑ تک یہ سارے کا سارا یہ مجموعہ درخت کہلاتا ہے۔ کامل درخت وہی ہوتا ہے جو جڑ سے لے کر پتوں تک پوری طرح سے مکمل ہو۔ اس کے پتے جھڑ گئے تو درخت میں کوئی خاص نقص نہیں آیا لیکن بہر حال کچھ نہ کچھ کمی ضرور ہوتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی شاخیں ٹوٹ جائیں تو کوئی خاص نقص محسوس نہیں ہوتا لیکن نقص ضرور ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی بڑی شاخ ٹوٹ جائے تو درخت کا ایک پہلو گر گیا اور دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ درخت ناقص ہو گیا۔ لیکن جس وقت تک جڑ محفوظ ہے اس وقت تک یوں کہو کہ درخت بالکل سوکھا نہیں اور بے کار نہیں ہوا۔ بلکہ درخت باقی ہے۔ حتی کہ اگر اس میں اوپر والی ساری ٹہنیاں ٹوٹ جائیں لیکن جڑ محفوظ ہے تو بھی توقع ہوتی ہے کہ کسی دوسرے وقت میں یہ سرسبز ہو جائے گا۔ اور اس میں پھر شاخیں نکل آئیں گی۔ لیکن اگر اس درخت کی جڑ ہی کاٹ دی جائے تو چاہے اوپر والی شاخیں نہ کاٹی جائیں اس کے بڑے بڑے

ٹہنے نہ کاٹے جائیں سارے کے سارے اسی طرح سے ہوں لیکن جڑ کاٹ دی جائے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ پھر درخت کے باقی رہنے کی کوئی صورت نہیں وہ درخت سوکھ جائے گا خشک ہو جائے گا اور وہ کبھی اپنی زندگی کو باقی نہیں رکھ سکتا اگر اس کی جڑ کاٹ دی جائے۔ تو یہ درخت کی مثال سرور کائنات ﷺ نے دی کہ ایمان کی جڑ تو لگ جاتی ہے لا اله الا الله پڑھنے کے ساتھ کہ جب حضور ﷺ کافروں کو دعوت دیتے اور مشرکوں کو دعوت دیتے تھے جن کے پاس ایمان نہیں تھا ان کو دعوت دیتے تھے تو ان کو دعوت اسی بات کی دی جاتی تھی کہ **قولو لا اله الله تفلحوا** (مسند احمد رقم ۱۵۴۴۸) لا اله الا الله۔ کہہ دو فلاح پا جاؤ گے۔

لا اله الا اللّٰه دین اسلام کا عنوان ہے

لا الہ الا اللہ یہ کلمہ ہے ایمان کا جس سے ایمان کی ابتداء ہوتی ہے جس وقت ایک آدمی لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو وہ کافر برادری سے مشرک برادری سے نکل کر اسلامی برادری میں آجاتا ہے یہ ایمان کی جڑ قائم ہوگئی اور اس لا الہ الا اللہ پڑھنے کے بعد جس وقت مسلم برادری میں وہ شامل ہوگیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ اس نے سرور کائنات ﷺ کے لائے ہوئے پورے دین کو قبول کر لیا اور یہ اقرار کرلیا کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کو الٰہ نہیں سمجھتے پورے کے پورے اختیارات کا مالک اللہ ہے۔ بنانے بگاڑنے کی قوت اسی کے پاس ہے رازق خالق وہی ہے۔ تمام کی تمام قوتیں اس اللہ کے لیے تسلیم کرلیں اور اللہ کو اپنا آقا اور مالک مان لیا۔ اور اپنے آپ کو اس کی عبادت میں اور اس کی محکومیت میں دے دیا یہ کلمہ عنوان ہے اس سارے دین کے قبول کرنے کا

سمجھانے کے لیے نکاح کی مثال

ہمارے بزرگ سمجھانے کے لیے ایک مثال دیا کرتے ہیں کہ جیسے ایک لڑکے اور لڑکی کا نکاح ہوتا ہے مجلس کی موجودگی میں صرف یہ دو لفظ ہیں۔ نکحت، قبلت ایک کہتا ہے میں نے نکاح کیا۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا۔ ان دو لفظوں کے ساتھ نکاح

منعقد ہو گیا۔ اتنی ہی حقیقت ہے نکاح کی اب یہ عنوان بن گیا نکاح کا اب جس وقت لڑکا اور لڑکی آپس میں گے جا کے گھر میں آباد ہونگے تو لڑکی کہتی ہے کہ مجھے کپڑے کی ضرورت ہے۔ مجھے کپڑا دو۔ اور وہ لڑکا کہتا ہے کہ میں نے تو کپڑے دینے کا وعدہ نہیں کیا میں نے تو تجھے قبول کیا ہے وہ کہتی ہے کہ کھانے کے لیے خرچہ چاہیے مجھے خرچہ دو۔ کہتا ہے میں نے خرچے کا کوئی وعدہ نہیں کیا میں نے تو تجھے قبول کیا ہے۔

وہ رہائش کے لیے جگہ مانگتی ہے لڑکا کہے گا کہ میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا کہ تجھے مکان بھی دونگا۔ تو آپ جانتے ہیں کہ جو لڑکا یہ جواب دے گا اس نے نکاح کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس وقت نکحت۔ قبلت دونوں باتیں ہو گئیں اس نے کپڑا بھی اپنے ذمہ لے لیا اور رہائش بھی اپنے ذمہ لے لی اور اخراجات بھی اپنے ذمہ لے لئے اور پوری کی پوری ذمہ داریاں اس نے قبول کر لیں۔ اب ان ذمہ داریوں میں سے کسی ذمہ داری کا انکار کرنا اور اس ذمہ داری کو محسوس نہ کرنا یہ اس کے نکاح کے مفہوم سے ناواقف ہونے کی علامت ہے۔

بالکل اسی طرح جب ہم لا الہ الا اللہ پڑھ لیتے ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ کے لائے ہوئے دین کو جو اللہ کے نبی کی معرفت ہمیں ملا ہم نے اس دین کو قبول کرنے کا عہد کر لیا تو جب اس دین کو قبول کرنیکا عہد کر لیا تو یہ قبلت ہے کہ میں نے قبول کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پوری کی پوری ذمہ داریاں جو اللہ کی طرف سے بندوں کے اوپر آتی ہیں وہ سب ہم نے قبول کریں کہ ہاں میں اللہ کا حکم مانوں گا۔ اور اللہ کی اطاعت کرونگا۔

ضرورت رسالت پر دلچسپ بحث

لیکن آگے یہ بات کہ اللہ کا حکم معلوم کیسے ہوگا۔ یہ اللہ کی عادت نہیں کہ ہر ہر بندے کو کہے۔ کہ یوں کرو۔ یوں نہ کرو یہ اللہ نے اپنی رحمت کاملہ کے صدقے بندوں کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کے لیے بعض لوگوں کو چن لیا جن کو اللہ کے رسول اور اللہ کے نبی کہا جاتا ہے۔ وہ اللہ کے چنے ہوئے بندے اللہ کے نمائندہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے احکام

ان کو بتاتا ہے اور وہ احکام آگے لوگوں کو پہنچاتے ہیں ان کی بات کو مان لینا ایسے ہے جیسے اللہ کی بات کو مان لیا جس وقت تک اللہ تعالیٰ خود نہ بتائیں۔ ہم نہیں معلوم کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ کس بات پر خوش ہے۔ کس بات پر خوش نہیں اللہ تو ہماری عقل سے ماوراء ہے۔

ہمارے فہم سے پردوں میں ہے۔ حجاب میں ہے ہماری کوئی مناسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں۔ ہم اس کی مرضیات کو ہم اس کی پسندیدہ چیزوں کو کیسے معلوم کر سکتے ہیں جبکہ ہم انسان آپس میں ملنے والے ایک خاندان کے آپس میں بھائی ایک محلے کے رہنے والے ہم دوسرے کے دل کی خواہش معلوم نہیں کر سکتے جب تک ہم اس سے پوچھ نہ لیں کہ تو کیا چاہتا ہے۔

سینے سے سینہ بھی ملائیں تو بھی آپس کی خواہش معلوم نہیں کر سکتے جب تک وہ خود نہ بتائے کہ میری خواہش کیا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ حضرات کے ہاں جب کوئی مہمان آتا ہے آپ کا دوست ہوتا ہے۔ آپ کا کوئی بزرگ ہوتا ہے۔ کوئی ملنے والا ہوتا ہے تو آپ اس سے پوچھتے ہیں کہ ٹھنڈا پسند کریں گے یا گرم اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ خود نہیں جان سکتے۔ ہمارے مہمان کے دل میں خواہش ٹھنڈے پانی کی ہے یا گرم پانی کی یہ چائے کو پسند کرتا ہے یا لسی کو پسند کرتا ہے۔ تو جب ہم آپس میں ایک دوسرے کی بات نہیں معلوم کر سکتے چاہے سینے سے سینہ لگا لیں تو اللہ تعالیٰ کی باتیں کیسے معلوم کی جاسکتی ہیں۔ میں اللہ کے بتائے بغیر کیسے کہہ دوں کہ یہ اللہ کے نزدیک اچھی چیز ہے اور یہ اللہ کے نزدیک بری چیز ہے۔ میں کیسے کہہ دوں تو اللہ کی بات ہم نہیں جان سکتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے اور اس نے انسانوں کے اوپر شفقت کی کہ اپنی باتیں بتانے کے لیے کچھ نمائندے متعین کر دیے ہر دور میں ہر دور کا نبی اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے تو اس نبی کی بات کو مان لینا یہ اللہ کی بات کو ماننا ہے۔ اور اللہ کی اطاعت کرنیکا طریقہ یہی ہے کہ اس کے نمائندوں کی اطاعت کرو اللہ کے رسول کی اطاعت کرو گے تو یہی اللہ کی اطاعت ہے۔ اپنی کتاب کے اندر اس نے صاف صاف اعلان کر دیا من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

رسول کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت کی کوئی صورت نہیں بتائی اس لئے اللہ کی حکومت کو تسلیم کرنے کے بعد ہم نے جس وقت محمد رسول اللہ ﷺ کہا تو گویا ہم نے تسلیم کیا کہ اطاعت تو اللہ کی ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کا نمائندہ ہیں۔ ہم ان سے پوچھیں گے جو یہ کہیں گے ہم کریں گے اور جس چیز سے روکیں گے ہم رکیں گے۔ اس طرح سے ہمارے ایمان کا اجمال آ گیا۔ اب آگے سارے کے سارے احکام ماننے کے ہم پابند ہو گئے اب ہم ان احکام کو مانیں گے۔ تو جیسے جیسے مانتے چلے جائیں گے ایمان مکمل ہوتا چلا جائیگا۔

ایمان کی جڑ عقیدہ ہے

ایک درجہ ہے عقیدے کا وہ ہے جڑ۔ عقیدے کا کیا مطلب؟ کہ بعض بعض باتیں ایسی ہیں جو بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اللہ کی توحید۔ نبی کریم ﷺ کی رسالت، آخرت کا عقیدہ اللہ کی کتابیں۔ اللہ کے فرشتے یہ جن کو آپ ایمان مفصل میں پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ وہ بنیادی چیزیں ہیں کہ ان میں سے اگر انسان کسی چیز کا بھی انکار کر دے تو وہ کافر ہو جائے گا مسلمان نہیں رہے گا ایک آدمی نمازیں پڑھتا ہے تہجد پڑھتا ہے سب کچھ کرتا ہے لیکن کہتا ہے کہ آخرت نہیں ہے مرنے کے بعد اٹھنا نہیں ہے بلکہ آخرت سے دنیا میں آنے والا مستقبل مراد ہے اگر اچھے کام کرو گے تو تمہارا مستقبل اچھا ہو جائے گا اگر برے کام کرو گے تو تمہارا مستقبل برا ہو جائے گا۔ یہ دنیاوی زندگی کا مستقبل مراد ہے۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا نہیں۔ تو اس عقیدے کے انکار کرنے پر وہ دین سے خارج ہو گیا۔ اب جتنی چاہے عبادت کرتا رہے کوئی فائدہ نہیں اس لیے سب سے پہلے ضرورت ہوتی ہے کہ جن جن چیزوں کے اوپر ایمان لانا ضروری ہے ان عقائد کی تفصیل کو سمجھو اور جانو۔ جاننے کے بعد ان کے اوپر اپنے عقیدے کو پختہ کرو۔ تاکہ ایمان کی جڑ قائم ہو جائے ایمان کی جڑ قائم ہو جانے کے بعد اب یوں سمجھو شجرہ پھوٹنا شروع ہو گیا ایمان پھوٹنا شروع ہو گیا۔ یہ ہے وہ چیز جس جگہ جا کے پھر علم کی ضرورت پیش آتی ہے اس لئے علم مستقل آپ حضرات کی ضرورت ہے کہ یہ جاننے کی کوشش کرو

کہ ایمان کن کن چیزوں پہ لانا ضروری ہے ان میں سے کس چیز کا انکار ہو جائے تو ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ یہ جڑ کی طرح ہے۔

اعمال ایمان کے تنے اور شاخیں ہیں

اس کے بعد زبان سے ہم لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔ یہ زبان سے اظہار ہوا لیکن عملاً اس کا اظہار پھر آگے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرائض ماننے کے ساتھ یہ اس طرح سے ہے جیسے درخت سے بڑے بڑے تنے پھوٹ آئے۔ نماز پڑھنا، زکوۃ دینا، حج کرنا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا یہ اس طرح سے ہے جیسے درخت میں چار بڑے بڑے تنے نکل آئے اور پھر ان تنوں میں سے آگے چھوٹی چھوٹی شاخیں پھوٹتی چلی جائیں گی۔ حتی کہ ایمان کی تکمیل کے لیے جیسے میں نے روایت پڑھی کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ راستے کے اندر پڑی ہوئی تکلیف دینے والی کوئی چیز راستے سے ہٹا دی جائے یہ بھی اس طرح سے ہے جیسے ایمان کا حصہ ہے۔

یوں سمجھو کسی درخت کا پھول ہے کسی درخت کا پتہ ہے اگرچہ پتے کے ٹوٹنے سے اور پھول کے گرنے سے درخت کی حقیقت ختم نہیں ہوتی۔ لیکن رونق میں فرق یقیناً آجاتا ہے اس طرح سے فرائض کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ پھر انسان کو سنتیں مستحبات، ان کی پابندی کرنا یہ ایمان کو کامل کرنے والی چیز ہے۔ حتی کہ آپس کے معاملات۔ آپس میں لین دین۔ ان سب چیزوں کے اندر جو شریعت کے احکام ہیں۔

ایمان کامل کب ہوگا

دیکھو سرور کائنات ﷺ نے کتنا واضح طور پر فرمایا اور آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ ایمان کتنی بڑی دولت ہے۔ اور اس کے کامل ہونے کے ساتھ انسان کو کتنا کمال ملتا ہے۔ اور دنیا کے اندر کتنے امن اور سکون کا ذریعہ بنتا ہے۔ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں ''لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ.'' (بخاری ص ۷،۱) تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میرے سے محبت اپنے باپ سے اولاد سے سب سے زیادہ نہ ہو اس محبت کا مطلب یہ ہے کہ آپ

اولاد کی بات مانتے ہیں محبت کی وجہ سے ماں باپ کی بات مانتے ہیں محبت کی وجہ سے تو سرور کائنات ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہوگی تو اگر آپ ﷺ کے قول کے خلاف باپ کی بات آجائے گی تو باپ کو چھوڑ دیں گے۔ حضور ﷺ کو نہیں چھوڑیں گے۔ آپ ﷺ کی بات کے مقابلے میں بیوی کا مطالبہ آگیا بیوی کا مطالبہ چھوڑ دیں گے۔ حضور ﷺ کی سنت نہیں چھوڑیں گے آپ ﷺ کی بات کے مقابلے میں اولاد کا کوئی تقاضہ آگیا تو آپ اولاد کے تقاضے کو دبا دیں گے سرور کائنات ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے۔ یہ ہے ایمان کے کامل ہونے کی نشانی۔ کہ حضور ﷺ کے حکم کے مقابلے میں ماں کی بات آجائے بیٹوں کی بات آجائے کسی کی بات آجائے جب حضور ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہوگی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم حضور ﷺ کی بات مانیں گے اولاد کی بیوی کی والدین کی نہیں مانیں گے۔

یہ ایمان کے کمال کی نشانی ہے کہ جب یہ صورتحال پیدا ہو جائے اصل کے اعتبار سے ایمان کا مزہ اس وقت آتا ہے اور ایسے ہی حضور ﷺ نے فرمایا۔ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ (مشکوٰۃ ص ۱/۱۵) جو شخص امانت دار نہیں اور امانت میں خیانت کرتا ہے اس کے پاس کوئی ایمان نہیں ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس کوئی امانت رکھ دے تو اس امانت کی حفاظت کرو اور اس میں کوئی کسی قسم کی خیانت نہ ہو جس شخص کے اندر امانت کی صفت موجود نہیں امانت میں جو خیانت کرتا ہے تو یوں سمجھو کہ اس کے پاس ایمان نہیں۔

اللہ کی قسم مومن نہیں

اور ایسے ہی حضور ﷺ نے فرمایا (یہ کتنی بڑی بات ہے) واللہ لا یومن واللہ لا یومن واللہ لا یومن۔ تین دفعہ فرمایا اللہ کی قسم مومن نہیں اللہ کی قسم مومن نہیں اللہ کی قسم مومن نہیں۔ تین دفعہ فرمایا صحابہ نے پوچھا من یا رسول اللہ یا رسول اللہ کون؟ کس کے متعلق آپ فرما رہے ہیں کہ مومن نہیں آپ نے فرمایا کہ مَنْ لَا یَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ

جس شخص کی تکلیفوں سے اس کا پڑوسی امن میں نہیں ہے وہ اپنے پڑوسیوں کو ستاتا ہے اور ان کو تکلیف پہنچاتا ہے پڑوسی ہر وقت اس سے تکلیف محسوس کرتے ہیں اللہ کی قسم مومن نہیں (بخاری ص ۲،۸۸۹) اب اندازہ کرو کہ ایمان کا کمال انسان کو کیا سکھاتا ہے کہ آپ سے کسی پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ آپ کے پڑوسی آپ کی طرف سے اتنے مطمئن ہوں کے یہ گھر ہمیں کبھی تکلیف نہیں پہنچاتا فائدہ پہنچاتا ہے نقصان نہیں پہنچاتا۔ آپ کے کامل مومن ہونے کا یہ تقاضا ہے اگر اس طرح سے انسان نے اپنے ماحول میں یہ بات نہیں رکھی ہوئی تو یوں سمجھو کہ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں یہ بھی کوئی کامل مومن نہیں ہے یہاں جو ایمان کی نفی کی جارہی ہے۔ تو کمال ایمان کی نفی ہے جس طرح سے ہم کہتے ہیں وہ بھی کوئی انسان ہے جو کسی کا ہمدرد نہیں مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کسی کا ہمدرد نہیں وہ کامل انسان نہیں اسی طرح سے جو اپنے پڑوسیوں پہ احسان نہیں کرتا اپنے پڑوسیوں کی تکلیف میں شرکت نہیں کرتا بلکہ اپنے طرز عمل کے ساتھ ان کو تکلیف پہنچاتا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں یہ کوئی مومن نہیں تو کامل مومن بننے کے لیے انسان کو اپنا ماحول کتنا اچھا رکھنا پڑے گا۔ اور ایک دوسرے کی رعایت کتنی رکھنی پڑے گی۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ لَا تَدْخُلُوْ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا تم جنت میں نہیں جاؤ گے جب تک مؤمن نہ ہو جاؤ اور تم مومن سمجھے نہیں جاؤ گے۔ جب تک کہ آپس میں محبت سے نہ رہو۔

آپس میں محبت کا طریقہ:

پھر فرمایا کہ میں تمہیں طریقہ بتاؤں؟ کہ اگر وہ طریقہ تم اختیار کرلو گے تو تمہاری آپس میں محبت ہو جائے گی۔ اَفْشُوْ السَّلَامَ بَيْنَكُمْ آپس میں ایک دوسرے کو السلام علیکم کثرت سے کہا کرو۔ (مشکوٰۃ ص ۳۹۷/۱، مسلم ص ۱/۵۴) جہاں ملاقات ہوئی السلام علیکم یہ عادت انسان کی ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا باعث بنتی ہے جیسے کہ ہمارے ہاں یہ معروف ہے۔ جب ہم کسی سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں ہم کہتے ہیں۔ میرا اس سے کوئی علیک سلیک نہیں اور جس کے ساتھ ہم اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہیں ہم کہتے ہیں

کہ ہاں میرا اس سے علیک سلیک ہے تو السلام علیکم کہنا آپس میں محبت کی علامت بھی ہے جیسے آپ ﷺ نے فرمایا اور آپس میں محبت پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ہے آپ ﷺ نے فرمایا آپس میں دلوں کا غبار دور ہوگا۔ محبت پیدا ہوگی محبت آپس میں پیدا ہوگی۔ تو ایمان کا کمال حاصل ہوگا۔ تم مومن ہو نہیں سکتے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو اور محبت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ السلام علیکم آپس میں کثرت سے کہو تو پھر تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت پیدا ہو جائے گی۔

اب یہ عام قسم کی باتیں ہیں لیکن سرور کائنات ﷺ نے ان کو ایمان کی علامات اور ایمان کے کمال کا ذریعہ بتایا۔

نفاق کیا ہے؟

اور جو میں نے آیت پڑھی تھی وہ تو بہت ہی واضح ہے۔ اس آیت کا شان نزول بھی لکھا ہے۔ ایک منافق تھا۔ چونکہ سرور کائنات ﷺ کے دور میں مدینہ منورہ جانے کے بعد (نفاق) مکے میں نہیں تھا نفاق مدینے میں آیا ہے کیونکہ مکے میں تو ایمان لانے پہ مار کھانی پڑتی تھی۔ تو مار کھانے کے لیے کون دکھلاوے کا ایمان لائے مدینہ منورہ میں ایمان لانے پر سہولت حاصل ہوتی تھی اس لئے بعضے لوگ دل سے مومن نہیں ہوتے تھے لیکن سرور کائنات ﷺ کی جماعت سے آپ کی حکومت سے فائدہ اٹھانے کے لیے چاہے دل میں ایمان نہ ہو اوپر اوپر سے ایمان کا اظہار کر دیتے تھے۔ یہ منافقین کا ٹولہ تھا جو اوپر اوپر میں ساتھ شامل تھا۔ لیکن اندر اندر مخالف تھا۔

قرآن میں اس کا ذکر بہت کثرت کے ساتھ آیا ہوا ہے منافق یہ نفق سے لیا گیا ہے اور نفاق کا معنی ہوتا ہے دوغلا پن۔ کہ جب مومنوں کے ساتھ آئے تو انا معکم۔ کافروں کے پاس گئے تو انا معکم ادھر گئے تو کہہ دیا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ادھر گئے تو کہہ دیا کہ تمہارے ساتھ ہیں اس قسم کے خودغرض قسم کے لوگ جو ہوا کرتے ہیں دو غلے پن والے ان کو اس ماحول کے اندر منافق کہا جاتا تھا۔ یہ دل سے مومن نہیں تھے اوپر اوپر سے فائدہ اٹھانے کے لیے ایمان کا اظہار کر دیتے تھے۔ اس لیے یاد رکھیے ایمان

بھی قبول تب ہے۔ جب ایمان میں اخلاص ہو۔ نیت صحیح ہو۔ تو صحیح نیت اور اخلاص یہ تمام اعمال کے لیے ضروری ہے حتی کہ ایمان کیلیے بھی ضروری ہے کہ اگر ایمان میں خلوص نہ ہوگا۔ نیت صحیح نہیں ہوگی، اللہ کی رضا مطلوب نہیں ہوگی تو وہ ایمان نہیں وہ نفاق ہے ورنہ ظاہری طور پر کلمہ تو منافق بھی پڑھتے تھے۔ قرآن کریم کہتا ہے اذا جاء ك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله کہ یہ منافق جب آپ کے پاس آتے ہیں تو یہ کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے پتہ ہے کہ تو اللہ کا رسول ہے لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ ان المنافقین لکاذبون۔ یہ منافق جھوٹ بولتے ہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے ایسے ہی جھوٹ سے کلمہ پڑھ لیا تو اس کلمے کا بھی اعتبار نہیں اس لیے اخلاص نیت اور نیت کا ٹھیک کرنا ہر کام میں ضروری ہے خاص طور پر ایمان میں بھی ضروری ہے ورنہ اگر انسان کسی غرض کے لیے ایمان لاتا ہے اللہ کی رضا مطلوب نہیں۔ تو وہ ایمان بھی معتبر نہیں۔

منافق اور یہودی کا جھگڑا اور منافق کا انجام

تو ایسے ہی ایک آدمی منافق تھا جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمانوں میں منسوب کرتا تھا۔ اس کا ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا اور اس جھگڑے میں منافق جھوٹا تھا۔ غلط تھا۔ یہودی صحیح تھا۔ جب جھگڑا ہوا تو یہودی کہتا ہے کہ چلو محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جو آپ کے رسول ہیں ان سے فیصلہ کرواتے ہیں لیکن منافق کو پتہ تھا کہ آپ تو فیصلہ صحیح کریں گے اور یہ فیصلہ میرے خلاف ہو جائیگا۔

وہ اصرار کر رہا تھا کہ نہیں ان کے پاس نہیں چلتے کعب بن اشرف یہودیوں کا ایک عالم تھا اس کے پاس جاتے ہیں اور یہودیوں کے عالم رشوت وغیرہ لے کر غلط مسئلہ بتا دیتے تھے فیصلہ غلط کر دیتے تھے۔

سفارش سے متاثر ہوتے تھے مال سے متاثر ہونے تھے تو وہاں لوگ غلط فیصلے بھی کروا لیتے تھے تو وہ منافق کہنے لگا۔ کعب بن اشرف کے پاس چلو یہودی کہہ رہا تھا کہ

حضور ﷺ کے پاس چلو لیکن آخر یہودی غالب آ گیا اور اس کو لے کر جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہا تھا سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں آ گیا۔ آپ ﷺ نے واقعہ سنا تو آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ کیونکہ اسلام تو کہتا ہے کہ جس کا حق ہے اس کو دو چاہے کافر ہے اس کا حق ہے اس کو دو فاسق ہے اس کا حق اس کو دو۔ کسی مومن کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے نیک ہونے کے حوالے کے ساتھ دوسرے کا حق دبا لے۔ تو جب وہ فیصلہ حضور ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ وہاں سے باہر نکلے تو منافق پھر اڑ گیا کہتا ہے کہ نہیں یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے چلو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلتے ہیں وہ جو فیصلہ کر دیں گے میں مان لونگا۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت سخت تھی اور وہ کافروں کے بارے میں بہت سخت تھے تو اس کا خیال یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہودی کو کسی معاملے میں میرے مقابلے میں ترجیح نہیں دیں گے اس لئے اس نے کہا کہ ان کے پاس چلتے ہیں، یہودی حق پہ تھا کہنے لگا چلو ان کے پاس چلتے ہیں۔ اس کو پتہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر سخت ہیں تو حق کے لیے سخت ہیں باطل کی تائید نہیں کریں گے اگرچہ طبیعت سخت ہی کیوں نہ ہو تو وہ دونوں حضرت عمر کے پاس چلے گئے اور یہودی نے جا کے واقعہ بیان کر دیا کہ یہ ہمارا جھگڑا ہے اور ہم جھگڑا لے کر حضور ﷺ کے پاس گئے تھے، ور آپ ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا لیکن یہ مطمئن نہیں ہوا یہ کہتا ہے کہ فیصلہ آپ سے کروانا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ یہ بات صحیح ہے؟ کہ حضور ﷺ کا فیصلہ ہوا وہ مطمئن نہیں ہوا وہ کہنے لگا ہاں جی صحیح ہے فرمایا ذرا ٹھہرو اندر گئے تلوار لائے اور لا کے منافق کی گردن اڑا دی اور یہ کہا کہ جو محمد کے فیصلے پر مطمئن نہیں عمر کے ہاں اس کا یہ فیصلہ ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۱/۵۲۲)

بعد میں حضور ﷺ کے ہاں مقدمہ گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کے فیصلے کی تصویب فرمائی یہ سارا رکوع اسی سلسلے میں ہے۔

آخر میں قرآن نے اعلان کر دیا کوئی ایمان معتبر نہیں اس کا جو حضور ﷺ کا فیصلہ نہیں مانتا۔ جب بھی جھگڑا ہو جائے حضور ﷺ کے پاس لے کے آؤ اور آپ کو حاکم قرار دیں آپ ﷺ کو فیصل قرار دیں۔ اور پھر تسلیم اس طرح سے کریں کہ دلوں میں کسی قسم کی تنگی نہ ہو۔ بلکہ جو فیصلہ حضور ﷺ فرما دیں کہو امنا وصدقنا۔ دل کی خوشی کے ساتھ اس کو قبول کر لو چاہے آپ کے حق میں ہے چاہے آپ کے خلاف ہے اس کو تسلیم کر لیں تب جا کے مومن بنیں گے ورنہ اگر اللہ کے رسول کے فیصلے پر مطمئن نہیں ہیں تو تیرے رب کی قسم یہ مومن نہیں۔

سعادت حضور ﷺ کو فیصل بنانے میں ہے

اب اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہماری سعادت اس میں ہے یاد رکھیے اس مسئلے کو اگر دو آدمیوں کے درمیان میں اختلاف ہو جائے کسی بارے میں جھگڑا ہو جائے مالیات کا جھگڑا ہے۔ اخلاقیات کا جھگڑا ہے۔ جائیداد کا جھگڑا ہے کسی قسم کا جھگڑا ہو اب ہمارے ہاں ایک ملکی قانون ہے جو اسلام کے مطابق نہیں اور ایک ہمارے پاس شریعت کا قانون ہے اب اس اختلاف میں ایک فریق کہتا ہے کہ چلو فتویٰ پوچھتے ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول کا حکم ہے وہ تسلیم کر لیں گے۔ دوسرا کہتا ہے نہیں میں عدالت میں جاؤں گا۔ عدالت کا جو فیصلہ ہوگا مانوں گا۔ پاکستان کے قانون کا جو فیصلہ ہوگا مانوں گا۔ وہ فتویٰ کی طرف نہیں آتا تو پھر بالکل صورت حال ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ شخص ایمان سے خالی ہے گویا کہ اس کا شریعت پر ایمان نہیں اگر مومن ہوتا تو کہتا ٹھیک ہے جی شریعت کا جو فیصلہ۔ کہ علماء دین کے نمائندہ ہیں علماء ورثۃ الانبیاء ہیں اب فیصلہ حضور ﷺ کی خدمت میں لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحدیث پہ پیش کر دو۔

قرآن وحدیث کے جاننے والے جو بات کہیں گے تیرا یہ حق ہے اور تیرا اتنا حق ہے یہ تیری زیادتی ہے یہ تیری زیادتی نہیں۔ ہمارے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم کر لیں۔ عدالتوں کے جھگڑوں سے بھی بچو گے۔ وکیلوں کی فیسوں سے بھی

بچو گے اور آپس میں عداوت واختلافات ایک دن میں ختم ہو سکتے ہیں اگر ہم اپنے اس ایمان کے تقاضے کو پورا کر لیں اور آپس میں یہ کہیں یہ شریعت سے پوچھ لو جو فیصلہ شریعت کا ہو دونوں فریق مان لیں تو کبھی جھگڑا کوئی باقی رہ سکتا ہی نہیں اور آدھے سے زیادہ پریشانیاں ایک دن میں ختم ہو جائیں گی اور یہ ایمان کا تقاضا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق اس کا ایمان قبول نہیں۔ تو یہ ہے ایمان کی حقیقت کو سمجھنے کے بعد کہ عقیدہ ٹھیک کرنے کے ساتھ اپنا عمل شریعت کے مطابق بناؤ یہ علیحدہ بات ہے کہ پھر درجات ہیں کہ کس حکم کی مخالفت کتنا نقص ڈالتی ہے کس حکم کی مخالفت کتنا نقص ڈالتی ہے۔

ایمان کی برکت سے آخرت میں سفارش

حتی کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اگر کسی شخص کے دل میں ایمان ہے اگر باہر اس کے اعمال سارے بھی خراب ہو جائیں تو ایمان کی برکت سے وہ دائمی جہنمی نہیں چاہے اس کو ہزار ہا سال جہنم میں رہنا پڑے۔ کروڑ ہا سال جہنم میں رہنا پڑے لیکن ایمان کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا جس کا عقیدہ صحیح ہے وہ دائمی جہنمی نہیں اس لیے عقیدے کی صحت اتنی بڑی نعمت ہے بلکہ حدیث شریف میں لمبی لمبی روایتیں آتی ہیں حدیث شفاعت جہاں حضور ﷺ نے فرمایا چھوٹے بچے جو مر جاتے ہیں وہ بھی شفارش کریں گے۔ حافظ شفارش کریں گے علماء شفارش کریں گے۔ شہید سفارش کریں گے فرشتے سفارش کریں گے انبیاء سفارش کریں گے۔

اور جہنم میں جا کر گنہگاروں کو نکال نکال کے لائیں گے۔ گناہ گار کوئی کتنی مدت کے بعد نکل آئے گا۔ کوئی کتنی مدت کے بعد نکل آئے گا۔

حضور ﷺ اللہ کے سامنے سجدے کر کے رو رو کے اجازت لیں گے کہ یا اللہ مجھے یہ نکالنے کی اجازت دے دے اللہ ایک حد متعین کر دیں گے۔ اتنے نکال کے پھر آکے سجدے میں گریں گے پھر روئیں گے۔ اللہ کے سامنے گڑگڑائیں گے کہ یا اللہ اس سے آگے اجازت دے دے تو اللہ تعالیٰ آخر کار کہہ دیں گے کہ چلو جس کے دل میں

ذرہ ذرہ برابر بھی خیر ہو اس کو نکال کے لے آؤ تو انبیاء علیہم السلام اور حضور ﷺ اس قسم کے گنہگاروں کو نکال کے لے آئیں گے۔ جن کے ایمان کا احساس انبیاء علیہم السلام کو ہو جائے گا۔ اچھا ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہے جو قابل غور ہے کہ جب سارے سفارش کر کے ختم ہو گئے اللہ کہے گا کہ نبیوں نے سفارش کر لی۔ فرشتوں نے کر لی سب نے سفارش کر لی لم یبق الا ارحم الرحمین صرف ارحم الرحمین باقی رہ گیا تو پھر اللہ تعالیٰ جہنم سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں گے پھر ان کو نہر حیوۃ میں ڈالے گا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ (مسلم ص ۹۸/۱۔ بخاری ص ۱۱۰۷/۲) وہاں سوال یہ ہے کہ کافر تو جہنم سے نکل نہیں سکتا تو یہ لوگ جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا ایمان اتنا کمزور تھا کہ انبیاء کو بھی احساس نہیں ہوا کہ یہ مومن ہیں کیونکہ جہنم سے تو مومن نے نکلنا ہے کافر نے نہیں نکلنا۔ انبیاء بھی سفارش سے فارغ ہو کے کہہ دیں گے کہ اب جہنم میں کوئی ایسا باقی نہیں جس میں خیر ہو لیکن اللہ ارحم الراحمین اتنا کمزور ایمان جن کے اندر ہو گا جس کا نبیوں کو بھی احساس نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ آخر کار ان کو بھی نکال کے جنت میں لے جائے گا۔ یہ ایمان کی برکت ہو گی جس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہو گی۔

کہ کوئی شخص کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو نصیحت اس کو کریں گے۔ اس کو سمجھائیں گے لیکن اس کے متعلق یہ حتمی فیصلہ کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے کہ یہ جہنم میں جائے گا۔ یہ جنت میں نہیں جائے گا۔ یہ بخشا نہیں جائے گا۔ یہ فیصلہ کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں بسا اوقات گناہ گاروں کے دل میں ایمان کی چنگاری ایسی ہوتی ہے ہے جو راکھ کے نیچے دبی ہوئی ہوتی ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس میں ایمان نہیں لیکن جس وقت اللہ اور اللہ کے رسول کے نام پر جان دینے کا موقع آتا ہے یہ لوگ آگے بڑھ کر آتے ہیں اس وقت ان کی یہی چنگاری چمک اٹھتی ہے تو ایمان اتنی قیمتی چیز ہے کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ضرور جہنم سے نجات دیں گے تو ادنیٰ سے ادنیٰ ایمان بھی کام آئیگا۔

جہنم کا خوف اور بچنے کا طریقہ

لیکن اس پہ اطمینان نہ کر لینا کہ چونکہ ہم مومن ہیں چلو بخشے ہی جائیں گے۔ ایک لمحے کے لیے دیا سلائی یہ ماچس آپ جو جلاتے ہیں ایک لمحے کے لیے اس کو ہاتھ کے قریب کر کے دیکھو آپ کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔

یہ دنیا کے اندر تیز سے تیز تر آگیں موجود ہیں کسی لکڑی کی آگ تیز کسی کی اس سے زیادہ تیز کوئلے کی آگ اس سے زیادہ تیز پٹرول کی آگ اس سے زیادہ تیز گیس کی آگ زیادہ تیز جتنی تیز تیز آگوں کا آپ تصور کر لیں۔ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں جہنم کی آگ اس سے ستر گناہ زیادہ تیز ہے۔ (بخاری ص ۴۶۲/۱) تو کون جرأت کر سکتا ہے کہ ایک لمحے کے لیے اس آگ کو برداشت کر لے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا یہ کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک لمحے کے لیے بھی جہنم کے قریب نہ جانے دے۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ سے اس کی رحمت مانگو اور اللہ کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق زندگی گزارو۔ یہ طریقہ ہے جہنم سے بچنے کا اور یہ طریقہ ہے آخرت میں کامیابی کا۔ اور یہ ایمان دنیا کے اندر امن وسلامتی کا باعث ہے اور یہی ہمارے لئے رحمت کا باعث ہے تو یہ اتنی گہرائی ایمان میں آپ جانتے ہیں۔ کہ بغیر سیکھے نہیں آسکتی اسلئے سیکھنے کا طریقہ تو یہ تھا کہ اول سے ہی آپ علم حاصل کرتے قرآن پڑھتے حدیث پڑھتے فقہ پڑھتے تو ساری تفصیل آپ کے سامنے آجاتی۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ صحیح دین بالسند المتصل نسل در نسل ہمارے اکابر کے سینے میں منتقل ہوتا آیا۔

تبلیغی جماعت کی اہمیت وافادیت

آج اسی طرح سے دین نیا نویلا موجود ہے جس طرح سرور کائنات ﷺ کے زمانے میں تھا۔ قرآن وہی ہے حدیث وہی ہے اور علماء کی مرتب کی ہوئی فقہ اسی طرح سے چلی آرہی ہے۔ تو اس کا علم حاصل کریں۔ علم حاصل کرنے کے بعد ایمان کی تفصیل جانیں۔ لیکن اگر بچپن میں یہ تفصیل نہ جانی جا سکے تو اب اس کلمے کو جاننے کا

طریقہ یہی ہے یہ جو ہمارے بزرگوں نے ایک طریقہ جاری کر دیا۔ مل بیٹھا کرو۔ کچھ وقت اپنا گھر سے فارغ کر کے اس جماعت کے ساتھ گزارا کرو۔ یہ آپ کا کلمہ بھی صحیح کروائیں گے۔ یہ آپ کی نماز بھی صحیح کروائیں گے۔ اور آپ کے دل میں دین کی محبت بھی پیدا کریں گے۔ اور آپ کے اندر اطاعت کا شوق بھی ہوگا۔ اگر آپ حضرات نے کچھ تفصیل اس بارے میں جاننی ہو تو ڈاکو یہاں ولی اللہ بنتے ہوئے دیکھے گئے۔ فسق فاجر لوگ یہاں اولیا اللہ ہوتے ہوئے دیکھے گئے اس لئے ان میں شامل ہونا ان کے ساتھ بیٹھنا یہ دین وایمان کے حاصل کرنے کی ایک بہت ہی اچھی صورت اور آسان طریقہ ہے اس لئے آخر میں میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ زیادہ وقت نہیں دے سکتے تو جو جماعت کا طریقہ ہے۔ جمعرات کو لازماً پابندی کیا کرو۔ اور اسی طرح سے کچھ نہ کچھ وقت نکال کر اپنے گھروں سے فارغ ہو کر کاروبار سے فارغ ہو کر کچھ وقت نکالا کرو تین دن، چار دن، چلہ جو بھی ہے آپ اس میں لگائیں تو چند دن ساتھ گزارنے کے بعد آپ کو خود احساس ہوگا کہ واقعتاً اس مجلس میں بیٹھنے اور ان کے ساتھ چلنے پھرنے اور گھروں سے باہر نکلنے اور اچھی صحبت میں رہنے سے یقیناً ایمان میں جلا پیدا ہوتی ہے ایمان میں چمک پیدا ہوتی ہے۔

میری درخواست

تو میری درخواست یہی ہے کہ تعلیم بالغاں کا شعبہ جو ہے اس کے لیے کچھ وقت ضرور نکالا کرو اور جماعت کا جو اپنا پروگرام ہے اس کے مطابق وہ آپ حضرات سے وقت مانگیں گے۔ ان کے ساتھ آپ وقت لگائیں۔

میں انہیں الفاظ پر اکتفاء کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی دین اور ایمان کی صحیح نسبت نصیب فرمائے اور اللہ کے راستے میں کچھ وقت لگانے کی توفیق دے۔ واخرودعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

❀❀❀❀

اصول تکفیر (حصہ اول)

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ: ۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ بمطابق ۳۰ جولائی ۱۹۹۷ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ○ وقال اللّٰہ فی مقام آخر ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ وَّاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ○﴾

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰالِكَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ○ وقال الله في مقام آخر هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ وَّاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ○﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

آیات کا ترجمہ

قرآن کریم کی دو آیتیں آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں پہلی آیت سورۃ حجرات کی ہے اللہ فرماتے ہیں اے لوگو۔ (خطاب سب لوگوں کو ہے جو آدم کی اولاد میں داخل ہیں) انا خلقنا کم من ذکرو انثی۔ ہم نے تمہیں ایک مذکر اور ایک مونث یا دوسرے الفاظ میں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔

تم سب کے سب ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد ہو۔ وجعلنا کم شعوبا وقبائل اور ہم نے تمہیں مختلف خاندان اور مختلف قبیلے بنایا۔ لتعارفوا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اللہ کے نزدیک تم میں سے اکرم۔ صاحب کرامت۔ بزرگی والا وہی ہے جو تم میں سے تقوی والا ہے۔ یعنی .ن شعوب اور قبائل پر بزرگی اور برتری کا مدار نہیں بزرگی اور برتری کا مدار اللہ کے نزدیک تقوی ہے اور اللہ تعالیٰ علم رکھنے والا ہے خبر رکھنے والا ہے۔

اور دوسری آیت میں جو آپ کے سامنے پڑھی یہ سورۃ تغابن کی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (واللہ خلقکم) اللہ نے تمہیں پیدا کیا فمنکم کافرو منکم مومن۔ تم میں سے بعض لوگ کافر ہیں بعض مومن ہیں واللہ بما تعملون بصیر اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو دیکھنے والا ہے۔

بنی آدم کی پہلی تقسیم قبیلوں کے اعتبار سے

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی ایک تقسیم کا تذکرہ کیا ہے اور اس کو اپنے نزدیک نا قابل اعتبار ٹھہرایا ہے کہ اس تقسیم کا اللہ کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں وہ محض ایک دنیوی مصلحت کے طور پر ہے۔ اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور یہ تقسیم پائیدار تقسیم ہے اور یہ آخرت کے حالات پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کا اثر پڑتا ہے مرنے کے بعد والی زندگی پر جو ایک دائمی زندگی ہے گویا کہ یہ تقسیم قابل اعتبار تقسیم ہے اسی لئے میں نے ان دونوں آیتوں کا انتخاب کیا۔ تا کہ دونوں پہلو

سامنے آجائیں۔ پہلی آیت کا حاصل تو یہ ہے کہ انسان جتنے بھی ہیں سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اور وہ ایک ماں باپ کون ہیں باپ آدم۔ اور اماں حواء جتنے بھی انسان ہیں آدم اور حوا کی اولاد ہیں آدم کا اللہ تعالیٰ نے کوئی دوسرا بھائی نہیں بنایا کہ جس سے ہم سمجھیں کہ کچھ لوگ آدم کی اولاد ہیں اور کچھ لوگ آدم کے چھوٹے بھائی کی یا بڑے بھائی کی اولاد ہیں ایسا نہیں ہے پھر یہ اولاد جب پھیلی تو پھیلنے کے بعد یہ مختلف قبیلے بن گئے اور مختلف قومیں بن گئیں خاندان بن گئے یہ واقعہ پیش آیا کہ دنیا میں یہ تقسیم ہے قوموں کے اعتبار سے بھی تقسیم ہے خاندانوں کے اعتبار سے بھی تقسیم ہے قبائل کے اعتبار سے بھی تقسیم ہے یہ واقعہ ہے کہ یہ تقسیم ہے لیکن یہ تقسیم کس لیے ہے ایک دوسرے کے مقابلے میں برتری کا دعوی کرنے کے لیے نہیں ایک دوسرے کی تحقیر کرنے کے لیے نہیں کہ ایک قوم کہے ہم اعلی ہیں اور دوسری قوم گھٹیا ہے یا ایک آدمی کہے میں خاندانی طور پر افضل ہوں اور دوسرا رذیل ہے اس طرح سے ایک دوسرے کی تحقیر کریں یا ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر کریں اپنی برتری کا اظہار کریں یہ قوموں اور قبیلوں کے اندر بنی آدم کی تقسیم اس مقصد کے لیے نہیں ہے۔

خاندانی تقسیم کا مقصد

بلکہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ تقسیم جو ہوئی ہے یہ ہے تعارف کے لیے ہے ایک دوسرے کو پہچاننے کے لیے ہے ایک نام کے دو شخص آگئے پہچان ہوگئی کہ ایک فلاں قبیلے کا ہے ایک فلاں قبیلے کا ہے ایک فلاں قوم کا ہے ایک فلاں قوم کا ہے۔

یہ اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے اللہ نے اپنی حکمت کے تحت وراثت کا اصول رکھا ہے کہ مرنے والا جو کچھ چھوڑ کے جائے آخر وہ کس کو ملنا چاہیے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک دستور رکھا ہے کہ فلانا فلانا تعلق والا وارث ہوگا اور جس کا یہ تعلق نہ ہو وہ وارث نہیں ہوگا تو یہ اپنے رشتے داروں کو پہچاننے کے لیے کہ ہمارے عصبات کون ہیں ہمارے محارم کون ہیں صلہ رحمی ہم نے کہاں کرنی ہے کن کے ساتھ ہمدردی ہمارے

ذے فرض ہے کن کی ذمہ داری ہم پر آتی ہے یہ دنیوی نظم کے طور پر اللہ تعالی نے ان خاندانوں کو ان قبائل کو تعارف کا ذریعہ بنایا کہ اس کے ساتھ ہم اپنے اقارب کو پہچانتے ہیں اور رشتے داروں کو پہچانتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اقرب کون ہیں۔ ابعد کون ہیں ہمارے عصبات کون ہیں۔ ہم کن کے وارث ہونگے ہمارے کون وارث ہونگے یہ ہیں دنیوی مصلحتیں دنیوی نظم ونسق جس کے قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ قوم اور قبیلے بنائے، جعلناکم، ہم نے تمہیں قومیں اور قبائل بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اپنے پرائے میں فرق کرسکو کیونکہ بیاہ میں شادی میں وراثت میں لینے میں دینے میں ذمہ داری اٹھانے میں یہ ساری کی ساری چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں فرق کرنا پڑتا ہے اور یہ کہ کون ہمارا ہے اور کون پرایا ہے اس مصلحت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوم اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے اس سے مقصد صرف ایک دنیوی مصلحت ہے اس قوم اور قبیلے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضیلت نہیں ثابت ہوتی کیونکہ یہ ایک نسبی بات ہے۔

فخر بالآباء کا مرض اور اس کی تردید

نسب کے اعتبار سے ہم سب ایک ہی کوئی چند پشتوں پر جا کر مل گیا کوئی اس دور جا کر مل گیا آخر سارے کے سارے ملتے ملتے سلسلہ ایک ہی باپ پر جاتا ہے اس لیے حضور ﷺ نے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ جاہلیت میں لوگ فخر بالاباء کی مرض میں بہت مبتلا تھے۔ میں فلاں کا بیٹا ہوں اور میں فلاں کا بیٹا ہوں دوسرے کے مقابے میں فخر کرتے تھے برتری ظاہر کرتے تھے۔ اور دوسرے کی تحقیر کرتے تھے تو سرور کائنات ﷺ نے اس کو جاہلیت قرار دیا اور اس سے سختی کے ساتھ منع کیا کہ اس طرح سے ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر نہ کیا کرو اللہ نے یہ فخر بالآباء تمہارا ختم کر دیا ہے اب انسان دو ہی قسم پر ہیں شقی ہیں یا سعید ہیں۔

اور کل بنی آدم جتنے بھی ہیں وہ سارے آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالی نے

مٹی سے پیدا کیا تو تمہاری اصل مٹی سے ہے تم شروع ہوئے مٹی سے تو تمہیں مٹی کی طرح ہو کے رہنا چاہیے یہ فخر اور غرور ایک دوسرے کے مقابلے میں بڑھنا یہ مناسب نہیں ہے حضور ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

بلکہ عرب میں چونکہ یہ رواج بہت تھا نسب کی بنا پر فخر کرنے کا تو سرور کائنات ﷺ نے اس کی تردید کرنے کے لیے بہت سخت لفظ استعمال فرمائے جیسے جب بیماری سخت ہوا کرتی ہے تو دوائی بھی ذرا زیادہ زور والی دینی پڑتی ہے تو اس بیماری کو دور کرنے کے لیے بڑے سخت لفظ بیان فرمائے فرمایا یا تو اپنے آباء کی طرف نسبت پر فخر کرنا چھوڑ دو یا تمہاری حیثیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس گندگی کے کیڑے جتنی رہ جائے گی جو اپنے ناک کے ساتھ گندگی لڑھکاتا پھرتا ہے جعل کا لفظ استعمال فرمایا جس کو آپ کی زبان میں ٹنڈن کہتے ہیں کالا سا موٹا سا ہوا کرتا ہے جو گوبر کی گندگی کی گولی سی بنا کر پھر اپنے ناک کے ساتھ لڑھکاتا ہوا مسکن کی طرف لے کے جاتا ہے۔ جس کو ٹنڈن کہتے ہیں تو ایک ذلیل کیڑا جو نجاست میں ہوتا ہے نجاست پسند ہے تمہاری حیثیت اللہ کے نزدیک ایسی ہو جائے گی اگر تم اپنے باپ دادا کے نسب پر فخر کرنا نہیں چھوڑو گے۔ (ترمذی ص ۲/۲۳۲) اور ایک روایت میں تو ایسا لفظ استعمال کیا ہے کہ جس کا اب آپ کے سامنے تذکرہ کیا کریں؟ نہ وہ لفظ ریکارڈ میں آنے والا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت تمہارے سامنے کوئی اپنے باپ کی طرف نسبت کی بناء پر فخر کرے۔

کہ فلاں کا بیٹا ہوں۔ فلاں کا بیٹا ہوں۔ فَاعَضُّوْهُ بِهَنِ اَبِيْهِ وَلَا تَكْنُوْا۔ (مشکوٰۃ ص ۱/۴۱۸۔ مسند احمد رقم ۲۰۲۸۵) اس کا میں ترجمہ نہیں کروں گا۔ اپنے اساتذہ سے پوچھ لینا۔ حضور ﷺ نے اس بارے میں اتنا سخت لفظ استعمال فرمایا۔

حضور ﷺ کی طرف سے تو ہے لا تکنوا کنا یہ نہ کرنا صاف صاف کہنا۔ لیکن بسا اوقات بھری مجلس کے اندر بعضے لفظ صاف کہنے کی گنجائش نہیں ہوتی اس کا ترجمہ کسی سے پوچھ لینا۔ تو چونکہ یہ بیماری بہت سخت تھی اس لئے حضور ﷺ نے اس کا

علاج بھی بہت سخت کیا۔

خاندانی تقسیم فخر کے لیے نہیں

تو خاندانوں پر فخر کرنا یہ ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ جاہلیت ہے کہ یہ پٹھان ہے۔ یہ پنجابی ہے۔ یہ سندھی ہے ان چیزوں کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے اس لئے نہیں کی علاقائی تقسیم ہو۔ قومی تقسیم ہو۔ جس کی بنا پر لوگ آپس میں خون ریزی کریں آپس میں لڑیں۔ آپس میں فساد کریں۔ آپس میں ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر کریں یہ چیز فخر کی نہیں ہے۔

یاد رکھیے کمال اور فخر وہ ہوا کرتا ہے۔ جو انسان کے اختیار میں ہو اور جس کا حاصل کرنا انسان کے اختیار میں نہیں وہ کیا کمال اور فخر ہے اب مثال کے طور پر میں ہوں۔ اب بلا اختیار اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ میں پنجاب میں ضلع لدھیانہ میں پیدا ہو گیا۔ اب اس میں میرا کیا دخل؟ اگر میں چاہوں کہ میں یہاں سرائیکی علاقے میں شامل ہونے کے لیے سرائیکی بن جاؤ تو کیا میرے میں ہمت ہے کہ واپس چلا جاؤں دوبارہ اس علاقے میں کسی گھر میں پیدا ہو جاؤں؟ ہے کسی کے اختیار میں؟ کہ پٹھانوں کے گھر پیدا ہو جائے۔

کیا کوئی پٹھان جا کے سندھ میں آباد ہو وہ چاہے کہ سندھی بننے کے لیے واپس چلا جاؤں کسی سندھی کے گھر میں پیدا ہو کے پھر آ جاؤں تو وہ آ جائے گا؟ جو چیز اختیار میں نہیں اس پہ کیا فخر؟ اور اس کے اوپر کیا برتری؟ یہ تو اللہ نے اپنی حکمت کے تحت دے دی جس کو دے دی بس ٹھیک ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبولیت حاصل کرنا چاہتے ہو تو پسندیدہ زندگی کا معیار اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقوی ہے۔ یہ علاقائی تقسیم یا قوم و قبیلے کی تقسیم یہ فخر کی چیز نہیں ہے تو یہ اختلاف انسان میں پایا گیا اور مختلف تقسیمیں پائیں گئیں۔ یہ تقسیم اللہ کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہے یعنی آخرت کے اعتبار سے۔

نسبی فخر کے سلسلے میں حضرت لاہوری کا وعظ

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے بزرگوں میں سے بہت عظیم القدر شخصیت گزری ہیں لاہوری ان کو اس لیے کہتے ہیں کہ لاہور میں رہتے تھے پہلے دہلی میں ہوتے تھے وہاں سے انگریز نے پکڑ کر جلاوطن کیا تھا۔ جلاوطن کر کے لاہور بھیج دیا۔ اور یہ جلاوطنی لاہوریوں کے لیے اللہ کی رحمت بن گئی اور اس طرح سے قرآن کا نور پھیلایا کہ جب آئے تھے تو کوئی پرسان حال نہیں تھا اور جب گئے تو پورا لاہور رو رہا تھا۔ یہ کیفیت ہوگئی تھی۔ بہت سادے سادے الفاظ میں وعظ کہا کرتے تھے جوش وخروش کے ساتھ وعظ جس طرح ہمارے ہاں پنجاب کے علاقے میں رواج ہے نوجوان طبقہ جس طرح سے جوش وخروش سے وعظ کرتا ہے وہ ایسے نہیں کیا کرتے تھے ایسے جیسے عام گفتگو کرتے ہیں ایسی گفتگو ہوا کرتی تھی تو دارالعلوم کبیر والا میں میرا پہلا سال تھا تو حضرت تشریف لائے اور تقریر فرمائی تو تقریر میں یہ جملہ انہوں نے بار بار دھرایا۔

اسی مسئلے کو بیان کرنے کے لیے کہ یہ خاندان باعث فخر نہیں۔ کہتے ہیں کہ کوئی سید ہو نماز نہیں پڑھتا اس پر خدا کی لعنت لعنت اور ایک جولاہا ہے۔ اذان سنتا ہے اٹھ کے مسجد کی طرف آتا ہے نماز پڑھتا ہے اس پہ اللہ کی رحمت رحمت رحمت۔ ایک جولاہے پر اللہ کی رحمت برستی ہے جو وقت پہ اٹھ کے نماز پڑھتا ہے اور ایک سید اگر نماز کی پرواہ نہیں کرتا تو اس سید پر اللہ کی لعنت برستی ہے اللہ کے ہاں یہ کوئی بات نہیں کہ یہ سید ہے یا جولاہا ہے یہ موچی ہے یا تیلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عذاب کا تعلق کردار اور اعمال سے ہے قوم اور قبیلے سے نہیں۔ ''جو نماز نہیں پڑھتا وہ فاسق ہے فاسق کا معنی ہے بدمعاش۔ (یہ حضرت لاہوری کے الفاظ نقل کر رہا ہوں یہی انداز ہوتا تھ) کہ جو نماز نہیں پڑھتا وہ فاسق ہے فاسق کا معنی بدمعاش۔ وزیراعظم نماز نہیں پڑھتا تو وزیراعظم فاسق بدمعاش۔ وزیراعظم کی بیگم نماز نہیں پڑھتی تو وہ فاسق بدمعاش۔ اسی طرح ایک ایک کا نام لے کے انہوں نے ذکر کیا۔ کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کردار کی بات ہے۔

جو نماز پڑھے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا صالح بندہ ہے اس کی رحمت اس پر ہوگی۔ اور جو نماز نہیں پڑھتا اس کے اوپر لعنت برسے گی چاہے وہ سید ہے چاہے وہ پٹھان ہے۔ اور چاہے وہ دنیوی مرتبے کے اعتبار سے صدر مملکت ہے چاہے وزیر ہے چاہے وزیر اعظم ہے۔فرض کا تارک فاسق ہوتا ہے۔ فاسق بدمعاش کو کہتے ہیں چاہے وہ وزیر اعظم ہے تو بدمعاش ہے صدر مملکت ہے تو بدمعاش ہے۔ اس میں کون سی خفاء کی بات ہے سیدھی سیدھی بات ہے۔ تو ایسے ایسے سادے سادے جملوں کے ساتھ حضرت وعظ فرمایا کرتے تھے جس کا مقصد تھا دل میں بات اتارنا اور فائدہ بھی اسی سے ہوتا ہے۔ دل میں بات اتارنا کہ یہ قوم قبیلے اس قسم کی چیزیں جتنی بھی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل اعتبار نہیں یہ تو دنیوی نظم اور دنیوی مصلحت کے لیے ایک چیز اللہ نے بنا دی ہے اور یہ بن گئی یہ کوئی فخر و مباحات کا ذریعہ نہیں ہے۔

بنی آدم کی دوسری تقسیم ایمان و کفر کے اعتبار سے

اور ایک تقسیم بنی آدم میں ایسی ہے جو ابتدا سے چلی آرہی ہے ابتداء سے مراد ہے آدم کی اولاد پھیلنے کے بعد کیونکہ آدم اور انکی ابتدائی اولاد ساری کی ساری ایک ہی دین اور ایک ہی مسلک پر تھی ان میں کافر اور مسلم کی تقسیم نہیں تھی۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد خصوصیت سے قرآن کریم نے جس طرح سے اشارہ کیا حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں یہ تقسیم شروع ہوئی۔

کفر و شرک شروع ہوا اور کفر و شرک کے خلاف جہاد کرنے کے لیے پہلے پہلے نبی جو مامور ہوئے وہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام ہیں تو وہاں سے یہ قصہ شروع ہو گیا۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں دو حصوں میں تقسیم ہو گئے یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل اعتبار ہے کیونکہ یہ انسان کی اختیاری چیز ہے جس وقت چاہے کافر کفر چھوڑ کے مومنوں میں شامل ہو سکتا ہے اور جب چاہے مومن ایمان چھوڑ کے کافروں میں شامل ہو سکتا ہے۔ لیکن جیسے میں نے پہلے عرض کیا کہ پنجابی میں ہمت نہیں کہ سندھی

بن جائے اور سندھی میں طاقت نہیں کہ پنجابی بن جائے۔ پٹھان پنجابی نہیں بن سکتا۔ پنجابی پٹھان نہیں بن سکتا۔ یہ تو غیر اختیاری تقسیم ہے۔ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے افضلیت کے ساتھ یا اچھے برے ہونے کے ساتھ کیونکہ یہ غیر اختیاری ہے۔ البتہ یہ تقسیم اختیاری ہے کہ کافر اور مومن۔ اور پوری انسانی برادری دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے ایک طبقہ وہ ہے جو مومن کہلاتا ہے اور ایک طبقہ وہ ہے جو کافر کہلاتا ہے۔ منکم کافرو منکم مومن۔ یہ دو حصے ہو گئے یہ تقسیم قابل اعتبار ہے اور اختیاری تقسیم ہے اور قرآن کریم کو اول سے لے کے آخر تک آپ دیکھیں گے شروع سے آخر تک اس تقسیم کو قرآن کریم نے اپنی گفتگو کا مخاطب اور ایک عنوان بنایا ہے۔ مومنوں کو بھی خطاب ہے کافروں کو بھی خطاب ہے شروع شروع میں متقین کا ذکر آ گیا تو اس کے ساتھ ہی آیا (ان الذین کفروا سواء علیهم أنذر تهم ام لم تنذرهم) پہلے رکوع میں ہی اور آخری آخری سورتوں میں بھی آ گیا یا ایها لکافرون تو جہاں بھی ایک گروہ کا ذکر آیا تو دوسرے کا آ گیا اس کا ذکر کیا تو اس کا آ گیا۔ مومنین کا ذکر آ گیا تو کافروں کا آ گیا۔ کافروں کا ذکر آ گیا تو مومنین کا آ گیا پورے قرآن میں اسی رفتار کے ساتھ بات چلتی ہے کافروں کے حالات بھی بیان کیے جاتے ہیں مومنوں کے حالات بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ دونوں پارٹیوں کا ذکر اول سے لے کر آخر تک ہے۔

اس لئے پوری طرح سے دین سمجھنے کے لیے قرآن کریم کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ مومن کون ہوتا ہے کافر کون ہوتا ہے۔ یہ جانیں گے تو پھر ہمیں پتہ چلے گا کہ ہم کس گروپ میں شامل ہیں۔ کس گروپ میں شامل نہیں اس کی شناخت بہت ضروری ہے کہ مومن کسے کہتے ہیں کافر کسے کہتے ہیں۔ اور یہ جاننا صرف علمی اور مذہبی نکتہ نظر سے ہی ضروری نہیں بلکہ جس ملک میں ہم بیٹھے ہیں اس ملک میں اس کا جاننا سیاسی نکتہ نظر سے بھی ضروری ہے کیونکہ پاکستان کا وجود بنا ہی دو قومی نظریے پہ ہے۔ اب یہ بات ایک ایسی ہے تاریخی حیثیت میں۔ معلوم نہیں آپ جو تاریخ پڑھتے

ہیں اس کے اندر اس کا ذکر آیا ہے یا نہیں آیا۔

کچھ باتیں تاریخ پاکستان کے حوالے سے

تھوڑا سا آپ کو اس کا تعارف کروا دوں کیونکہ پاکستان کی عمر کوئی زیادہ نہیں ہے یہ پچاسواں سال ختم ہونے والا ہے چودہ اگست کو پچاس سال پورے ہو جائیں گے۔ تو یہ پچاس سال کا نوزائیدہ بچہ ہے۔

14 اگست کو اس کا اعلان ہوا تھا اور اس وقت 27 رمضان تھی۔ 1366 ہجری تھا اس لئے عربی مہینوں کے لحاظ سے رمضان جو گزرا ہے اس سے پچھلے رمضان میں یہ پچاس سال کا ہو گیا تھا۔ اور یہ رمضان جو گزرا ہے اس میں اکاون سال کا ہو گیا اب یہ باون سال کا ہو گا۔

کیونکہ تینتیس سال کے بعد ایک سال کا فرق پڑ جاتا ہے اور انگریزی مہینوں کے اعتبار سے یہ 14 اگست کو پچاس سال کا ہو رہا ہے۔ اسی لئے پچاس سالہ جوبلی منائی جا رہی ہے۔ اخبار میں آپ پڑھتے رہتے ہیں جشن منائیں گے کہ یہ نوزائدہ بچہ پچاس سال کا ہو گیا۔

پہلے یہ ہندوستان متحد تھا سارا اس کو متحدہ ہندوستان کہتے تھے۔ ادھر اس کی پشاور تک سرحد تھی اور ادھر بہت دور تک یہ پورے کا پورا ملک متحدہ ہندوستان کہلاتا تھا۔ مسلمانوں نے آ کے اس ملک کی حکومت سنبھالی تقریباً کچھ کم وبیش آٹھ سو سال تک مسلمان اس ملک میں حکمران رہے ہیں۔ اب اتنی طویل حکومت جو مسلمانوں نے کی اس وقت اس ملک میں مسلمان بھی آباد تھے۔ اس ملک میں ہندو بھی آباد تھے اور اس دوران میں سکھوں نے جنم لیا۔ تو سکھ بھی تھے تو سکھ، ہندو، پارسی، عیسائی، مسلمان یہ آٹھ سو سال سے اکٹھے چلے آ رہے تھے ایک ملک میں اکٹھے رہتے تھے ملک بہت خوشحال تھا اور پھر بعد میں جس وقت ایک طویل زمانہ گزر جایا کرتا ہے کسی قوم کو اقتدار میں۔ پھر اس میں کچھ کمزوریاں آ جاتی ہیں اس میں وہ جذبہ نہیں رہتا ان کمزوریوں کے

نتیجے میں پھر انقلاب آ جاتا ہے۔

تو دوسری قوم غالب آ جاتی ہے اسی طرح سے یہاں بھی جب مسلمانوں کی حکومتوں میں کمزوریاں آئیں تو یہاں انگریز جوتا جر بن کے آیا ہوا تھا اس نے آہستہ آہستہ سازشوں کے ذریعے سے مختلف علاقوں پہ قبضہ کرنا شروع کیا ان سازشوں کے ساتھ ہی آگے بڑھتے بڑھتے بہت سارے علاقے قبضے میں لے لئے آخر مسلمان بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی حکومت دہلی کے اندر محدود ہوگئی۔

تو ایک دفعہ پھر انگڑائی لی پورے ہندوستان نے بمع ہندو (یہ جنگ آزادی ہوئی تھی) اس میں ہندو بھی شامل تھا۔ جس طرح 1857ء والی جنگ آزادی مسلمانوں نے انگریز کے خلاف لڑی ہندو بھی ساتھ تھا اور بہادر شاہ ظفر سے آزادی کا اعلان کروا کر انگریز کے خلاف لڑائی لڑی گئی۔ لیکن کچھ اپنوں کی غداریاں کچھ منافقین کا وجود کچھ اللہ کی حکمت ایسی تھی کہ اس قوم کو سزا ملنی تھی یہ قوم انگریز کے مقابلے میں شکست کھ گئی تو 1857ء میں مکمل طور پہ ہندوستان پر انگریز کا قبضہ ہو گیا۔ اور 1947ء میں دوبارہ ملک آزاد ہوا تو 90 سال تک اس ملک کے اوپر انگریز کی حکومت رہی اس نوے سال میں جہاں اس نے اور بہت سارے کام کئے ان کاموں میں ایک بہت بڑا کام یہ تھا کہ اس نے ہندو مسلم اور دیگر اقوام جو اس ملک کے اندر آباد تھیں ان کے اندر نفاق کا بیج بویا پھر ایک دوسرے کے خلاف اشتعال دلا کر ان کو آپس میں لڑایا اور لڑاؤ اور حکومت کرو کے فلسفے کے تحت انگریز اتنی دیر تک ملک کے اوپر قابض رہ گیا پھر ملک کے اندر آزادی کی تحریکیں اٹھیں۔ کانگریس ایک جماعت قائم ہوئی وہ قومی جماعت تھی جس میں مسلمان بھی تھے۔ ہندو بھی تھے سکھ بھی تھے ہر قوم تھی سیاسی پلیٹ فارم تھا وہ مذہبی پلیٹ فارم نہیں تھا یہ نہیں کہ وہ ہندوؤں کی جماعت تھی ہندوؤں کی جماعت نہیں تھی وہ ایک سیاسی پلیٹ فارم تھا جس میں ہندو بھی تھے مسلمان بھی تھے صدر کبھی مسلمان ہوتا کبھی ہندو ہوتا کبھی دوسری قوم کا ہوتا تو یہ ایک جماعت بنی اس کے بعد پھر ایک مسلم لیگ

جماعت بن گئی اور پھر جس وقت کچھ آزادی کے مطالبے شروع ہو گئے اور جب انگریز نے دیکھ کہ قدم یہاں سے اکھڑ رہے ہیں اور یہ سارے کے سارے اس کے جتنے بھی ہتھکنڈے تھے وہ ناکام ہو گئے۔ عالمی جنگیں دو لڑنی پڑ گئیں جنگ عظیم پہلی اور جنگ عظیم دوسری اس کے بعد انگریز جو کمزور ہوا اور اس ملک کو آزادی دینے پر آمادہ ہوا تو پھر یہ مطالبہ شروع ہو گیا کہ ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں ایک قوم مسلمان ہے اور ایک قوم کافر ہے مسلمانوں نے مطالبہ شروع کر دیا اپنے بعض لیڈروں کے بہکانے پر کہ ہم ہندوؤں کے ساتھ کافروں کے ساتھ اکٹھے نہیں رہ سکتے ہم اپنی حکومت علیحدہ لیں گے۔ جبکہ کانگریس اور دوسرے حضرات اس بات پر تھے کہ نہیں انگریز کو نکال دو ملک متحد رہنا چاہیے ملک کو تقسیم نہیں ہونا چاہیے۔ تقسیم میں نقصان ہے یہ دو نظریے سامنے آ گئے ایک نظریے والے متحدہ قومیت والے کہلاتے تھے گویا وہ کہتے تھے کہ ہندوستانی سارے کے سارے ایک ہی قوم ہیں ملک کے باشندے ہونے کے اعتبار سے قوم ایک سیاسی لفظ ہے مذہبی لفظ نہیں تو متحدہ قومیت ان کا نعرہ تھا کہ ہم سب ایک ہی ہیں اکٹھے رہیں گے اور دوسری طرف سے نعرہ اٹھا کہ نہیں قومیں دو ہیں ایک کافر اور ایک مسلم یہ دونوں اکٹھے نہیں رہ سکتے ان کو علیحدہ علیحدہ رہنا چاہیے ہم ہندوؤں کے ساتھ مل کر نہیں رہیں گے۔ ہم تو اپنا وطن علیحدہ لیں گے۔

دو قومی نظریے کی وضاحت

مسلم لیگ نے یہ نعرہ لگایا۔ یہ تھوڑا سا آپ کو تعارف کرا رہا ہوں کہ یہ ملک پیدا کیسے ہوا اس کو کہتے ہیں دو قومی نظریہ لیکن اب دو قومی نظریہ جس کے زور سے اس ملک کو پیدا کیا گیا تھا۔ نہ اس کا ذکر کوئی سیاسی لیڈر کرتا ہے نہ اس کا ذکر کوئی مذہبی لیڈر کرتا ہے ہمیں یاد ہے اچھی طرح سے۔ اس زمانے میں مسلم لیگ کی سرپرستی میں جلسے ہوا کرتے تھے اور نعرہ یہ لگا کرتا تھا بچے بھی یہ نعرہ لگاتے پھرتے تھے لے کے رہیں گے پاکستان۔ بٹ کے رہے گا ہندوستان۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ بڑی ضربیں

لگتی تھیں۔ تو یہ جادو جو قوم کے اوپر چلایا پھر جب یہ شروع شروع میں قصہ ہوا۔

(ایسے ایک اشارہ سا کر دوں تفصیل کی تو گنجائش نہیں) یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ پاکستان کا مطلب نہیں سمجھ سکیں گے۔ جب تک آپ دو قومی نظریے کو نہیں سمجھیں گے) اور دو قومی نظریے کا مدار اس بات پر ہے کہ تم کافر و مسلم کو سمجھو کہ کافر اور مسلم کیا ہوتا ہے۔ دو قومی نظریہ تو کہتے اسے ہیں اس لئے پاکستان کا وجود اور اس کی ضرورت، پاکستان کیوں بنا؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ قوم کے ذہن میں باقی رکھا جائے کہ ایک قوم کافر ہے ایک قوم مومن ہے اور ہم نے مومن ہونے کی حیثیت سے اس ملک کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ ملک مومن ہونے کی حیثیت سے مطالبہ کے نتیجے میں ہمارے سامنے آیا ہے اس لیے پاکستان کے بچے بچے کو یہ یاد ہونا چاہیے کہ قومیں دو ہیں ایک کافر ایک مسلم اور کافر کی معاشرت کیا ہے مسلم کی معاشرت کیا ہے ورنہ اگر کافر و مسلم کے تصور کو مٹ دیا جائے تو اس کے بعد کوئی مفہوم ہی نہیں باقی رہتا۔ اگر کافر و مسلم کا تصور مٹا دیں گے تو پاکستان کی ضرورت کیا رہ گئی۔ یہ بنا کس لیے تھا۔ اس لئے تو بنا تھا کہ دو قومی نظریے نے اس کو جنم دیا اس لیے دو قومی نظریہ باقی رکھو اور دو قومی نظریہ باقی رکھو گے تو پاکستان کے رہنے والے سمجھیں گے کہ واقعی ہم نے پاکستان کیوں بنایا تھا اور ہمیں اس کے اندر کیا کرنا چاہیے کیا نہیں کرنا چاہیے تو جس وقت یہ مطالبہ ہوا تو مسلم لیگی اس مطالبے کو لے کے چلتے اور جا کے تقریر کرتے کہ جی ہم ملک علیحدہ لیں گے جس طرح سے ہمارے نواز شریف صاحب نے الیکشن کے موقع پر کہا تھا کہ ہم خلافت راشدہ کا نظام لائیں گے۔ تو یہ بھی تقریر کرتے کہ وہاں خلافت راشدہ کا نظام ہوگا۔ اسلام ہوگا۔ قرآن کا نظام ہوگا۔ تو لوگ آگے سے ان کی شکلیں دیکھتے اور دیکھ کے کہتے کہ تم خلافت راشدہ کا نظام راؤ گے تم اسلام لاؤ گے؟ جنہیں خود نہیں پتہ کہ اسلام کیا ہے جن کی شکلیں مسلمانوں جیسی نہیں تم اسلام لاؤ گے؟ جیسے کہتے ہیں۔

ہمیں ہے ان سے امید وفا
جو نہیں جانتے کہ وفاء کیا ہے

اب اسلام کی توقع ان سے رکھیں جن کو پتہ نہیں کہ اسلام کیا ہے تو یہ جگہ جگہ جب لیگیوں کے سامنے یہ رکاوٹیں پیش آئیں تو پھر ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ کچھ علماء کو ساتھ ملا کر ان کو اگلی صف میں کھڑا کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کا یہ اعتراض ختم ہو جائے تو لوگ یہ تو اعتراض نہیں کرسکیں گے۔ کہ جب تمہیں پتہ ہی نہیں اسلام کیا ہے تو نافذ کیا کرو گے۔ تو علماء کا ایک گروہ کھڑا کرلیا گیا اسی نظریے کے تحت کھڑا کیا گیا تاکہ لوگ یہ اعتراض ختم کردیں ورنہ دوسری طرف پورے علمائے دیوبند پوری کی پوری جماعت علماء دیوبند کی مفتیوں کی سب کے سب وہ قوم کو تلقین کررہی تھے کہ اکٹھے رہو متحد رہو اسی میں فائدہ ہے تقسیم نہ کراؤ اور دوسری طرف یہ تھے لوگ ان سے متاثر نہیں ہورہے تھے۔ تو پھر علماء کے گروہ کو اٹھایا گیا اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہوکر مسلمان اختلاف کا شکار ہوگئے۔

خانہ جنگی اور فسادات عذاب الٰہی ہے

اور مختلف گروہ بنا کر تمہیں آپس میں اللہ خلط ملط کردے گا یہ بھی ایک عذاب کی صورت ہے اور اس امت کے اوپر یہی زیادہ تر عذاب آتا ہے کہ مختلف گروہوں کے اندر بانٹ کے ان کو آپس میں ٹکرا دیا اور آپس کی لڑائی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی تیسری قسم ہے کہ آپس میں محبت ہونے کی بجائے آپس میں الفت ہونے کی بجائے ایک دوسرے کے ساتھ رواداری ہونے کی بجائے مختلف گروہوں کے اندر بٹ کے خون ریزی پہ اتر آئے ایک دوسرے کو مزہ چکھانے لگ گئے قرآن کریم کہتا ہے کہ اللہ کی طرف سے یہ عذاب آیا کرتا ہے اور عذاب آتا ہے برے کردار پر ہمارا برا کردار یہی ہے کہ ہم نے جس نظریے سے ملک کو لیا تھا وہ نظریہ بھلا دیا ہم اپنی نئی پیدا ہونے والی قوم کو بتاتے نہیں کہ پاکستان بنایا کیوں تھا اس کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی اگر یہ بات ہمارے سامنے رہتی کہ پاکستان کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی کیوں بنایا گیا تھا تو آپ کو کافر اور مسلم میں امتیاز رکھنا پڑتا کہ یہ کافر ہے یہ مسلمان ہے اور یہ مسلمانوں کا ملک ہے اس میں حاکم مسلمان ہوگا اس میں قانون اسلامی ہوگا اس میں عدالتیں اسلامی

ہوں گی اور کوئی کافر اس ملک کے کسی قلیدی عہدے کے اوپر نہیں آسکتا ان باتوں کی اگر تم رعایت رکھتے تو آج ہم اس خلط ملط ہونے والے عذاب میں مبتلا نہ ہوتے جو اللہ تعالیٰ نے مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے ہمیں آپس میں ٹکرا دیا اور یہ کتنا بڑا عذاب آیا ہے یہ آپ کو اندازہ نہیں ہے۔ سندھ کے اندر سندھی اور پنجابی لڑے اور کتنی جانیں ضائع ہوئیں۔ کراچی کے اندر پٹھان اور غیر پٹھان کی لڑائی ہوئی کتنی جانیں ضائع ہوئیں۔

اردو بولنے والے اور دوسرے اردو نہ بولنے والے آپس میں لڑے کتنی جانیں ضائع ہوئیں اور آج تک کتنی ہوتی چلی جا رہی ہیں۔

اور اب گھر گھر جو فساد آ گیا کہ یہ فلاں ہے اس کو مارو اس کو مارو یقین جانو کہ یہ اللہ کا عذاب ہے جو اس قوم کے اوپر مسلط ہوا ہے اور پوری کی پوری قوم مجرم ہے اور اس عذاب کے اندر مبتلا ہو گئی۔

فسادات سے جان چھڑانے کا واحد ذریعہ

آج بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر اس عذاب سے چھوٹنا ہے تو یہ پولیس کے ڈنڈے سے امن قائم ہوتا نظر نہیں آتا اگر امن قائم ہوگا تو اللہ کی طرف سے دلوں کے جوڑنے کے ساتھ قائم ہوگا اور اللہ تعالیٰ دل جوڑیں یہ اللہ کی طرف سے بہت بڑی رحمت ہوتی ہے۔ اور یہ رحمت ہوگی آپ کے اچھے کردار پر آج بھی توبہ کر لو اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ کہ پچاس سال تک تو ہم نے غلطی کر لی نہ قرآن کریم کا قانون بنایا اور نہ ہم نے کافر و مسلم کا امتیاز برقرار رکھا اور جس مقصد کے تحت یہ ملک بنایا تھا وہ مقصد ہم بھول گئے جس بنیاد پر اس کو اٹھایا گیا تھا وہ بنیاد ہم نے ڈھا دی آج بھی توبہ کر لو اور کفر اور اسلام میں فرق کرنا شروع کر دو۔ کافر و مسلم کا امتیاز کر کے دو قومی نظریہ بچے بچے کے ذہن میں بٹھا دو۔ تو یہ ہے اس ملک کی غرض و غایت تو ان شاء اللہ العزیز ہم اللہ کی رحمت سے امید رکھتے ہیں کہ توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا ابھی بھی توبہ قبول ہو جائے گی اور اللہ کی طرف سے رحمت آئے گی۔

اور اگر تم نے یہی بے وفائی رکھی کہ نعرے لگا لگا کر اور قوم کو دھوکا دے دے کر نتیجہ آخر یہ ہوا کہ پاکستان بننے کے بعد اس مقصد کو بھول گئے جس مقصد کے وعدے کر کے لیا تھا تو ہزار کوشش کرو ہمیں امن قائم ہوتا نظر نہیں آتا ایک مسئلہ چھوٹے گا دوسرا شروع ہو جائے گا۔

اب کسان غیر کسان فلانے اور فلانے، فلانے، اور فلانے کہیں سے تحریک کسی قسم کی شروع ہو رہی ہے کہیں سے کسی قسم کی شروع ہو رہی ہے خون ریزی ہو رہی ہے مر رہے ہیں سارے کے سارے کوئی ایک مذہبی مسئلہ نہیں ہے۔

فسادات کا الزام مذہبی طبقے پر اور لطیفہ

یہ تمہیں مغالطہ دیا جاتا ہے اور اپنے سر سے الزام اتارنے کے لیے مذہبی طبقے کو نشانہ بنایا جاتا ہے جیسے ایک لطیفہ ہے نا ۔ کہ پرانے زمانے میں عورتیں سڑکوں کے کنارے پر تندور لگا کے بیٹھی ہوا کرتی تھیں۔ روٹیاں بیچنے والی۔ لوگ تندور پہ جاتے تھے سستی سی روٹی لے کے کھا لیا کرتے تھے تو ایک سپاہی گیا کسی بھٹیارن کے پاس اور اس کو کہا کہ مجھے روٹی پکا دے تو روٹی پکا کے کھانے لگا اتفاق سے بھٹیارن کی ہوا نکل گئی آواز کے ساتھ ۔ اور یہ نکلتی تو ہر کسی کی ہے لیکن بسا اوقات دوسرے کے سامنے نکلتی ہے تو بندہ شرمسار ہو جاتا ہے تو اس نے اپنی شرمساری مٹانے کے لیے اس کے پاس اس کا چھوٹا بچہ بیٹھا تھا اس کے چپت ماری کہ کیا کر رہے ہو ہوا اپنی نکلی تھی چپت اس کے لگا دی۔ تا کہ وہ پاس بیٹھنے والا سپاہی سمجھے کہ ہوا اس کی نہیں نکلی اس کی نکلی ہے۔

اب اس سپاہی نے شرارت کی تھوڑی دیر کے بعد زور سے ہوا نکالتا اور اس کے چپت لگاتا کہ یہ کیا کر رہے ہو وہ پھر تھوڑی دیر کے بعد گوز مارتا اور اس کے تھپڑ لگاتا کہ یہ کیا کر رہے ہو اس کو کہتا ہے کہ بھائی اب ہوا کسی کی بھی نکلے پٹے گا تو ہی جو تیری ماں نے رواج ڈال دیا میں کہتا ہوں آج کا اخبار ہی اٹھا کے دیکھ لو چلو آگے پیچھے کی بات نہیں ہے اس میں شمار کرو کہ کتنے قتل ہوئے ہیں اور مجھے انگلی رکھ کے بتاؤ کہ مذہبی منافرت کے طور پر کتنے ہیں تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ مذہبی منافرت ہے یا خدا کی

طرف سے عذاب آیا ہوا ہے آج شمار کر لو کوئی جائیداد کا جھگڑا ہے کوئی بہن کو قتل کر رہا ہے کوئی ماں کو قتل کر رہا ہے بداخلاقی کے شبہ میں اور کوئی کسی کو قتل کر رہا ہے آج کے اخبار میں شمار کر لو تمہیں دسواں حصہ کیا دسواں حصہ بھی شاید نہ ملے مذہبی منافرت کے طور پر قتل کا یہ سارے کے سارے قتل فتنہ وفساد کے نتیجے میں ہو رہے ہیں اور ہمارے حکام جب بولتے ہیں یہی کہ مذہبی طبقہ دہشت گرد ہے جبکہ دہشت گردی تمہاری عدالتوں میں ہوتی ہے اور تمہاری پولیس کرتی ہے ورد دوسرے کرتے ہیں وہ کسی شمار میں نہیں کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہے صرف اعلان کر کے ڈھول اس طرح سے اٹھا دی کہ کرے کوئی آفت پڑے گی مدارس پر اور مذہبی طبقے پر۔

بہرحال ان بزرگوں کو قوم کے سامنے پیش کر دیا گیا کہ دیکھو یہ ہمارے ساتھ ہیں اور جب ہم پاکستان بنالیں گے تو وہاں قرآن کا قانون ہوگا اور اسلامی قانون ہوگا خلافت راشدہ ہوگی اس طرح سے کر کے قوم کو متاثر جو کیا۔

تم تو ہندو کا خدا کھا جاتے ہو

اور عام طور پر کہتے تھے کہ انگریز اگر چلا گیا اور ہم نے اپنا ملک علیحدہ نہ بنالیا تو یہ ہندو ہمیں کھا جائیگا یہ خوف عام طور لوگوں کے ذہن کے اوپر چڑھا دیا گیا ہمارے بزرگ بے چارے درویشوں کی طرح مارے مارے پھرتے تھے لوگوں کے دروازوں پر۔ تو سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا فقرہ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے۔

او! بھولے مسلمانو اس چکر میں نہ پڑو ہندو تمہیں کیا کھائے گا تم ہندو کا خدا کھا جاتے ہو وہ کیا تھا؟ گائے یعنی ہم تو گائے کی بوٹی نہیں چھوڑتے تو ہندو ہمیں کیا کھائے گا یہ آٹھ سو سال تمہارا اغلام رہا ہے ٹھیک ہے بعض معاملات کے اندر انگریز نے اس کو آگے بڑھا دیا اور ہم پیچھے چلے گئے لیکن ایسی کوئی بات نہیں انگریز کو مل کے نکال دو ہندو سے پھر ہم خود نمٹ میں گے ایسی کوئی بات نہیں ہندو ہمیں کسی صورت میں نہیں کھا سکتا

ہم تو ہندو کا خوب کھ جاتے ہیں لیکن قوم کی سمجھ میں نہیں آئی چونکہ دوقومی نظریے کے تحت ان کو شوق چڑھا ہوا تھا کہ انگریز کے زمانے میں اسلامی قانون کا مزہ نہیں دیکھا قرآن کی حکومت نہیں دیکھی مشترکہ حکومت ہو گی تو چونکہ قرآن کی حکومت نہیں آئے گی خلافت راشدہ نہیں آئے گی یہاں ہندو بھی ہوں گے یہاں سکھ بھی ہوں گے تو ہم ملک علیحدہ لیں گے وہاں خلافت راشدہ قائم کریں گے وہاں قرآن کی حکومت ہوگی اس شوق میں پورے مسلمان انہیں کی طرف چلے گئے اور دوسرے خیال کے جو لوگ تھے بڑے بڑے علماء بڑے بڑے شیخ الحدیث محدث اگر وہ کسی جگہ کھڑے بھی ہوئے یہ نعرہ لے کر کہ ملک تقسیم نہیں ہونا چاہیے انکی ضمانتیں یک دم ضبط ہو گئیں اور انکو کسی نے ووٹ نہیں دیا اس لئے آپ جانیے کہ پاکستان کا جنم دوقومی نظریے پر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قوم نے پھر اس نظریے کو یاد نہیں رکھا پاکستان میں آنے کے بعد کفر اور اسلام کا فرق اٹھا دیا اور یہ سارے کے سارے پاکستانی ایک ہی قوم بن گئے اور دوقومی نظریے کو دفن کر دیا اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک دھکے کھاتے پھرتے ہیں نہیں یاد رہا کہ پاکستان کیوں بنایا تھا۔

پاکستان کے حصول کے لیے بے مثال قربانیاں اور ان کی بے قدری

اگر یہ یاد رہتا اور دیکھتے کہ لوگوں نے خلافت راشدہ اور اسلامی حکومت کی خاطر کیا قربانیاں دیں اگر وہ قربانیاں یاد رہتیں اور نیک نیتی کے ساتھ اس ملک میں آنے کے بعد اسلام کی حکومت ہو جاتی اور اسلام کا قانون بن جاتا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ ملک پوری دنیا کے لیے ایک نمونہ ہوتا اور ہر طرح سے اسے خوشحالی نصیب ہوتی لیکن جو لوگ اقتدار پر آئے انہوں نے اس دوقومی نظریے کو دفن کر دیا اور قوم نے جو اس کے لیے قربانی دی تھی وہ بھی یاد نہ رہی۔

کیا قربانی دی تھی آپ کو کیا پتہ آپ تو بنے بنائے پاکستان میں چپ کر کے آکے بیٹھ گئے آپ لوگ بڑے سمجھدار نکلے بہت دیر سے تشریف لائے جب پاکستان

بن گیا اور سارے کا سارا کام ٹھیک ہو گیا تو پھر جناب والا تشریف لے آئے آپ نے بنا ہوا نہیں دیکھا ورنہ آپ کو پتہ ہوتا کہ اس کی کیا قیمت ادا کی ہو گی موٹا سا اندازہ یہ ہے چھ لاکھ آدمی اس انقلاب میں قتل ہوا ہے۔

اور جس وقت مسلمانوں کے خلاف سکھوں نے اور ہندووں نے یلغاریں کیں اور مسلمانوں کی لڑکیاں اٹھائیں اللہ تعالی معاف فرمائے جن لوگوں نے رپورٹیں درج کرائیں کہ ہماری بچیاں ہندوؤں سکھوں نے اٹھا لیں تقریبا 75 ہزار لڑکی کے اغواء کی رپورٹ درج کروائی گئی جن میں سے حکومت بڑی مشکل کے ساتھ 25 ہزار بچیاں واگزار کرا سکی پچاس ہزار ادھر رہ گئیں اور پاکستان بننے کے بعد جب یہ رنگ رلیاں منانے لگے اور گانے کی محفلیں ہونے لگیں کنجریوں کے ناچ ہونے لگے سینے کھل گئے تو اس وقت ہمارے حضرات جھنجوڑ جھنجوڑ کے کہتے تھے او شرم کرو تم نے اس ملک کی کتنی قیمت ادا کی ہے کچھ تو خیال کرو اور کتنی عزتیں لٹائی گئیں پچاس ہزار بہنیں تمہارے لیے سکھ بھانجے جن رہی ہیں تمہیں اتنی بھی غیرت نہیں آتی کہ تم رنگ رلیاں منا رہے ہو اور آتے ہی تم سب کچھ بھول گئے اور ایسا کرنا شروع کر دیا اسی کا عذاب آیا اللہ کی طرف سے کہ اس پاکستان کے اندر آ کے پھر مسلمان کو سکون نصیب نہیں ہوا ہم نے تو دیکھا ہے جس دن سے پاکستان کی حدود میں آئے ہیں بابر حال اگر آج بھی یہ توبہ کر لیں اور صحیح طور پر اس ملک کی غایت کو غرض کو سمجھ لیں گے کہ یہ بنایا کیوں گیا تھا۔ اسلام کے نام پہ بنایا گیا تھا اسلام کے لیے بنایا گیا تھا خلافت راشدہ کے وعدے پہ بنایا گیا تھا دو قومی نظریے پر بنایا گیا تھا اگر اس دو قومی نظریے کو باقی رکھا جاتا اور کافر مسلم میں امتیاز کیا جاتا کہ یہ مسلمانوں کا ملک ہے اس لیے قلیدی محکموں کے اوپر مسلمانوں کو آنا چاہیے قانون اسلامی ہونا چاہیے یہ پہلے دن سے کر لیتے تو اس سے زیادہ خوشحال ملک کوئی نہ ہوتا۔

آج بھی توبہ کر لو خوشحال ہو جاؤ گے

اور اگر آج بھی توبہ کر کے اس نظریے کو اپنا لیتے ہیں تو ہمیں اللہ کی رحمت سے

امید ہے کہ توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا آج بھی توبہ کرلو اللہ سے معافی مانگ لو کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے اور اس اسلام کو سینے سے لگا جس کے نام پر ملک کو حاصل کیا تھا تو انشاء اللہ العزیز امن قائم ہو جائے گا اور ملک بھی خوشحال ہو جائے گا اور آپس کی لڑائیاں بھی ختم ہو جائیں گی ورنہ جب تم نے اتنے بڑے بڑے مجمعوں میں وعدے کر کے دو قومی نظریے کا پرچار کر کے تم مکر گئے اور اس کا پاس نہیں رکھا پھر قرآن کریم کہتا ہے کہ تین قسم کے عذاب آیا کرتے ہیں ایک عذاب ہوتا ہے آسمان کی طرف سے اترا پتھر برسے بارش اتنی کثرت کے ساتھ ہوئی کہ غرق کر کے رکھ دیا اور ایک عذاب زمین کی طرف سے آتا ہے نیچے سے زلزلہ آتا ہے زمین پھٹ جاتی ہے اور آفت آتی ہیں یہ دو اور تیسرا عذاب ہے کہ دلوں میں اختلاف پیدا کر کے آپس میں اللہ لڑا دیتے ہیں يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ تمہاری مختلف پارٹیاں بنا کر کہ سارا کا سارا تمہاری وجہ سے ہی ہے ہوا کسی کی نکلے پٹیں گے یہ کوئی سوچنے کی کوشش نہیں کرتا کہ یہ (گوز) کون مار رہا ہے اور ہاتھ کس پہ اٹھایا جا رہا ہے۔

اگر اس بات کو دیکھ لیا جائے تو آج بھی عقل آجائے کہ یہ اللہ کی طرف سے عذاب ہے اور اس عذاب سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کے سامنے صحیح طور پر توبہ کر کے آئندہ کے لیے اپنے آپ کو صحیح کرلو قرآن کی اور ایمان کی بات کرو اسلام کی بات کرو تو انشاء اللہ العزیز ملک میں امن قائم ہو جائے گا۔

ورنہ اللہ کا یہ عذاب ٹلے گا نہیں تو یہ جو میں نے بتایا ہے کہ اس ملک کی بنیاد ہی دو قومی نظریہ پر ہے اس لیے دو قومی نظریہ کا سمجھانا ضروری ہے تاکہ پتہ چلے کہ یہ پاکستان بنایا کیوں گیا تھا اس لیے میں بتانا چاہتا ہوں کہ کافر کیا ہوتا ہے اور مسلم کیا ہوتا ہے ان شاء اللہ العزیز اس کی کچھ تفصیل اگلے بیان میں ہوگی اللہ کی توفیق سے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اصولِ تکفیر (حصہ دوم)

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ: ۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ بمطابق ۷ اگست ۱۹۹۷ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

((ھُوَالَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ))

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

((ھُوَالَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ))

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

مؤمن اور کافر کی تقسیم

گزشتہ بیان میں آپ حضرات کو یاد ہوگا اس بات کی تفصیل کی گئی تھی کہ آدم کی اولاد بہت سارے طبقات میں بٹی ہوئی ہے جو قوم اور قبیلوں کی وجہ سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت میں ثواب وعذاب کے اعتبار سے اس تقسیم کا کوئی اعتبار نہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس تقسیم کا اعتبار ہے وہ کافر اور مومن کی تقسیم ہے آدم کی اولاد ان دو فرقوں میں بٹی ہوئی ہے ایک کافر اور ایک مومن یہی وہ نظریہ ہے کافر اور مومن والا جس نظریے پر پاکستان کی بنیاد اٹھائی گئی تھی جس کو دو قومی نظریئے کے ساتھ ہم نے پچھلے بیان میں تعبیر کیا تھا۔

اول سے لے کر آخر تک قرآن کریم انہی دو لفظوں کو اہمیت دیتا ہے مؤمن اور کافر کو۔ یا دوسرے الفاظ میں کہہ لیجئے ایمان اور کفر کو۔ مؤمنین کا ذکر ہے اور کافرین کا ذکر ہے ایمان کا ذکر ہے اور کفر کا ذکر ہے ان کے انجام کا ذکر ہے اول سے آخر تک قرآن کریم کو انہی دو لفظوں کی تشریح کہہ لیجئے۔

قرآن پاک کی ابتداء سے یہ قصہ شروع ہوتا ہے:

((ھدًی للمتقین' ان الذین کفروا سواء علیھم))

اور آخر کے قریب جا کے بھی

((یا ایھا الکافرون' تبت یدا ابی لھب و تب))

آخر میں جا کے بھی اسی بات کا ذکر آیا تو عملی طور پر یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ کافر کون ہوتا ہے مؤمن کون ہوتا ہے یہ بنیادی بات ہے تبھی جا کے یہ دو طبقے سمجھ آئیں گے اور ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم کس طبقے میں شامل ہیں اس ضرورت کے تحت ان دو لفظوں کی تشریح شروع کی جا رہی ہے تو ((مکم کافرو مکم مؤمن)) یہ دو گروہ جو قرآن کریم نے بتائے ہیں آخر ان کا لب لباب کیا ہے کافر کون ہوتا ہے اور مؤمن کون ہوتا

ہے اور یہ تقسیم کس طرح سے ہوگئی اس کو طاب عمانہ سب ولہجہ میں کوشش کرونگا ہلکا پھلکا کرکے سمجھانے کی آپ توجہ رکھیئے گا۔

مولوی کافر بتاتے ہیں بناتے نہیں

پہلی بات تو آپ یہ ذہن میں رکھیں کہ عام طور پر لوگوں کو آپ نے یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ یہ مولوی وگ ایک دوسرے کوکافر بناتے رہتے ہیں ان کا تو مشغلہ ہے کافر سازی' کافر بنانا۔ یہ لفظ عام طور پر آپ نے سنا ہوگا لیکن یاد رکھیئے مولوی کافر بنایا نہیں کرتے کافر بتایا کرتے ہیں دونوں باتوں میں فرق سمجھتے ہو؟ اور یہ مولوی کا فرض منصبی ہے کہ بتائے مؤمن کون ہے اور کافر کون ہے۔ بتانا مولوی کا کام ہے بنانا مولوی کا کام نہیں۔ بنتا انسان خود ہے آج کل جس ڈاکٹر صاحب کے پاس کوئی مریض چلا جائے ڈاکٹر کہتا ہے تجھے بلڈ پریشر ہے یا زبان پر ایک عام لفظ آگیا کہ تجھے شوگر ہے اب کوئی ڈاکٹروں کو برا بھلا کہنا شروع کردے کہ جس کو دیکھتے ہیں بلڈ پریشر والا بنا دیتے ہیں تو یہ کہنے والے کی بیوقوفی ہے ڈاکٹر کا کام کسی کو بلڈ پریشر کا مریض بنانا نہیں کیا ڈاکٹر بنایا کرتا ہے مریض؟ ڈاکٹر کا کام کسی کو شوگر کا مریض بنانا نہیں ہے بلکہ بتانا ہے۔

بلڈ پریشر کا مریض بنتا ہے وہ اپنے داخلی حالات کے تحت۔ ڈاکٹر کا فرض منصبی ہے کہ وہ بتا دے کہ تجھے بلڈ پریشر ہے اب اس میں ڈاکٹر کا کیا قصور ہے؟ شوگر آپ کو ہوگئی ہے آپ کی بے احتیاطی کی وجہ سے آپ شوگر کے مریض ہوگئے اب اگر آپ ڈاکٹر کے پاس جائیں اور ڈاکٹر کہے کہ نہیں آپ تو بہت تندرست ہیں یہ تو ہلاکت میں دھکا دینے والی بات ہے۔

مریض کو اس کا مرض نہ بتایا جائے۔ مریض کے سامنے ظاہر نہ کیا جائے کہ یہ مرض تجھے لگ گیا ہے وہ علاج کیسے کرے گا؟

تو ڈاکٹر کا فرض منصبی ہے کہ مریض کو بتائے کہ تجھے یہ مرض لاحق ہوگیا ہے تو

ڈاکٹر مریض بتایا کرتا ہے۔ مریض بنانا اس کا کام نہیں۔

اسی طرح سے علماء کا کام کافر بنانا نہیں ہے کافر بتانا کام ہے ایک آدمی اپنی جہالت کے ساتھ بیوقوفی کے ساتھ کفر میں مبتلا ہوگیا تو ایک عالم کا فرض منصبی ہے کہ اس کو بتائے کہ بھائی تیرے اندر کفر کے جراثیم آگئے۔ تم اس کو ٹھیک کرلو اور اگر کفر کے جراثیم آنے کے باوجود کہتا رہے نہیں تو تو مؤمن ہے تو وہ اپنے کفر میں ترقی کرتا چلا جائے گا۔ آخر جہنم میں جا گرے گا انبیاء علیہم السلام نے آکے اس تقسیم کو شروع کیا اور یہ تقسیم ایک حقیقت مسلمہ ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کافر بنانا جرم ہے۔ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ تلقین کی جائے کہ تم یہ کفریہ عقیدہ اختیار کرو جو کفر کے عقیدے سکھائے وہ کافر بناتا ہے اور جو کفر کے عقیدے سکھاتا نہیں ہے بلکہ عقائد اور نظریات جو لوگ اختیار کرتے ہیں اپنے اسباب کے تحت۔ تو جو قرآن وحدیث کا صحیح عالم ہوگا نبی کا صحیح وارث ہوگا تو اس کا فرض ہے کہ لوگوں کو متنبہ کرے کہ یہ نظریات جو تم اختیار کر رہے ہو یہ ایمان نہیں یہ کفر ہے۔ اگر اللہ کی رضا چاہتے ہو اور آخرت کی نجات چاہتے ہو تو ان نظریات سے باز آجاؤ۔ بچ جاؤ۔ یہی کام انبیاء علیہم السلام کا تھا کہ وہ صرف کافر اور مؤمن میں امتیاز کرتے تھے اسی طرح سے جو ورثۃ الانبیاء ہیں ان کا فرض منصبی ہے کہ مخلوق کے سامنے اس بات کو واضح کریں کہ کفر کیا ہے اور ایمان کیا ہے اگر کوئی اپنی جہالت کے ساتھ غلط عقیدہ اختیار کر بیٹھا تو اس کو بتایا جائے کہ یہ ایمان نہیں یہ کفر ہے یہ علماء کا فرض منصبی ہے کوئی جرم نہیں کہ جس کے اندر کفر موجود ہو اس کو یہ کہہ دینا کہ تو کافر ہوگیا تو مؤمن نہیں رہا یہ کوئی جرم نہیں ہے۔

پاکستان کی پارلیمنٹ نے بھی کفر کا فتویٰ لگایا

اگر یہ جرم ہے تو یہ جرم تو پاکستان کی مکمل کی مکمل پارلیمنٹ ۱۹۷۴ء میں کیے بیٹھی

ہے پوری پارلیمنٹ نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ یاد ہے آپ کو؟

جب یہ مسئلہ زیر بحث آیا تھا کہ مرزائی مسلمان ہیں یا کافر۔ علماء کہتے تھے کافر ہیں۔ مرزائی اپنے آپ کو کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں جھگڑا شروع ہوگیا آخر یہ مسئلہ پارلیمنٹ میں پیش ہوگیا بھٹو صاحب نے ساری کی ساری پارلیمنٹ کو اختیار دے دیا کہ تم یہ فیصلہ کرو کہ مرزائی کافر ہیں یا مسلمان ہیں۔

تو آپ کو یاد ہوگا کہ بالاتفاق پارلیمنٹ نے یہ پاس کیا کہ مرزائی کافر ہیں اس لیے ان کو غیر مسلم قرار دیا گیا اور غیر مسلم اقلیت قرار دے کر مسلمانوں کی جماعت سے ان کو علیحدہ کر دیا گیا اگر کافر کو کافر بتلانا جرم ہے تو یہ جرم تو تمہاری پارلیمنٹ بھی ایک دفعہ کر چکی ہے۔

در پاکستان کے آئین میں آ گیا اگر کافر اور مسلمان کی یہ تقسیم جرم ہے تو تم نے پاکستان کیوں بنایا تھا؟ پاکستان نتیجہ ہی اسی تقسیم کا ہے۔ اگر انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم نہ کرتے تو پاکستان کی بنیاد کس بات پر رکھی گئی۔ اس بات کی تفصیل پچھلے بیان میں آپ کے سامنے کر دی تھی اب یہ بات میں نے آپ کے ذہن میں ڈالی ہے۔ آپ کبھی بھی اس مغالطے میں نہ رہیں کہ علماء کافر بنایا نہیں کرتے بتایا کرتے ہیں اور یہ علماء کا فرض منصبی ہے۔

یہ غلط الزام ہے جو کہتے ہیں کہ جس مولوی کو دیکھو کافر بنا رہا ہے ان کا کام ہی کافر سازی ہے۔ جس کو دیکھا کافر بنا دیا۔ یہ تو ڈاکٹر کا منصب ہے کہ وہ مریض کو مرض بتاتا ہے ڈاکٹر کا کام یہ نہیں کہ مرض پیدا کرتا ہے بیماری پیدا ہو چکی ہے احتیاطی کے طور پر وہ بیمار ہو چکا ڈاکٹر اپنے فن کے ساتھ اپنے فرض منصبی کے ساتھ نشاندہی کرتا ہے کہ تجھے ٹی بی ہوگئی تجھے شوگر ہوگئی تو بلڈ پریشر کا مریض ہوگیا یہ ڈاکٹر کا فرض منصبی ہے۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی؟ اب دوسری بات سمجھ لیجئے۔

کلمہ اسلام کے دو جزء

سرور کائنات ﷺ کے اعلان نبوت پہ یہ دو جز سامنے آئے جن کے اوپر ایمان کی بنیاد رکھی گئی یہ وہ دو جز ہیں کہ جس وقت بچہ اپنی توتلی سی زبان کے ساتھ بولنا شروع کرتا ہے تو مسلمانوں کے گھروں میں اس کو کہلواتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں کے ساتھ ماں کی خواہش ہوتی ہے بچہ کلمہ یاد کرے اگر اس کو ٹوٹا پھوٹا یاد ہوگیا ہر آنے والے کو خوشی کے ساتھ بتاتے ہیں کہ دیکھوں بچہ کلمہ پڑھتا ہے کلمہ سناتا ہے تو یہ بنیاد بنی اس وقت جب سرور کائنات ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا آ کے یہ کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں اور پیغام کیا لایا ہوں لا الہ الّا اللّٰہ دو جز بن گئے لا الہ الّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ آپ جانتے ہیں یہی ایمان کی بنیاد ہے اور کسی کو مؤمن کیا جاتا ہے تو یہ کلمہ پڑھایا جاتا ہے لا الہ الا اللّٰہ۔

پہلے جزء کی وجہ سے جو طبقے ایمان سے خارج ہوئے

یہ پہلا جز ہے دنیا کے ایک خاص طبقے کو اس نے انکار کی بناء پر ایمان کے دائرے سے باہر کر دیا وہ دوسرا فریق ہوگیا جو لاالہ إلا اللہ کے قائل نہیں تھے مشرکین مکہ نے لا الہ الا اللّٰہ کو قبول نہیں کیا تو یہ مومن نہ ہوئے کافر ہوئے اور آج ہندو لا الہ الا اللّٰہ نہیں پڑھتا تو یہ کافر ہے بات کو سمجھتے جائیں سکھ لا الہ الا اللّٰہ نہیں پڑھتا کافر ہے اور جتنے یہ روسی تہذیب والے چینی تہذیب والے خدا فراموش تہذیبیں جتنی بھی ہیں یہ سارے کے سارے مسلمان نہیں ہیں آپ سے کوئی پوچھے کہ کیوں مسلمان نہیں تو آپ کہیں گے اس لیے کہ لا الہ الااللہ نہیں پڑھتے آدھی دنیا کو تو اس نے کاٹ دیا مسلمانوں سے علیحدہ کر دیا جو لا الہ الا اللہ نہیں پڑھتے وہ دوسرے دائرہ کے لوگ ہیں اچھا پھر بعضے لوگ ہیں ان کو محمد رسول اللہ نے آ کے کاٹ دیا عیسائی پڑھتے ہیں

لا اله الا الله یہودیوں کا کلمہ لا الا اله الا الله موسیٰ کلیم الله اور عیسائیوں کا کلمہ ہے لا اله الله عیسی روح الله تو لا اله الله دونوں پڑھتے ہیں پھری ہماری برادری سے کیسے کٹ گئے اس لیے کہ یہ دوسرے جز کے قائل نہیں ہیں عیسائی لا اله الله کے منکر نہیں یہودی بھی اس کے منکر نہیں جو بھی دین سماوی کی طرف سے منسوب ہوگا وہ لا اله الا الله کا منکر نہیں ہوگا۔

کیونکہ دین سماوی کی تو بنیاد ہی لا اله الا الله پر ہے اب یہ ہم سے جدا کیسے ہوگئے یہ محمد رسول الله سے جدا ہوگئے کہ یہ محمد رسول الله نہیں کہتے تو آدھی دنیا محمد رسول الله کی وجہ سے کٹ گئی اب رہ گئے دونوں جز لا اله الا الله محمد رسول الله جس شخص نے یہ پڑھ لیا تو وہ سمجھتا ہے کہ میں کلمہ گو مسلمان ہوں اب یہاں معاملہ آگے پیچیدہ ہو جاتا ہے کہ کیا ان کلمہ گو مسلمانوں کے اندر بھی کفر کے جراثیم آ جاتے ہیں۔

اور کلمہ پڑھنے کے باوجود بھی یہ کافر ہو سکتے ہیں یا نہیں لا اله الا الله پڑھ کے یہ مشرکوں سے بھی جدا ہو گئے اور خدا کے منکروں سے بھی جدا ہو گئے اور محمد رسول الله کہہ کر یہ عیسائیوں سے جدا ہو گئے اور یہودیوں سے بھی جدا ہو گئے۔

کلمہ گو بھی کافر ہو سکتا ہے

تو یہ امت مسلمہ کہلائی جو لا اله الا الله محمد رسول الله کہتے ہیں تو یہ ایک جماعت بن گئی تو کیا اس کے بعد بھی احتمال ہے کہ کوئی شخص کلمہ پڑھنے کے باوجود مومن نہ ہو کلمہ پڑھنے کے باوجود آخرت کے احکام کے اعتبار سے وہ کافر ہو کلمہ پڑھنے کے باوجود وہ جہنم میں جائے ایسا ممکن ہے؟ اب یہ سوال پیچیدہ ہے۔

مثال نمبر ا منافقین کا طبقہ

پہلا جواب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے ایسا ہو سکتا ہے قرآن کریم میں ہے کہ ایسا ہو سکتا

ہے حدیث میں ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے اور ایک یہ واضح حقیقت بھی ہے آپ نے سن ہوگا کہ جس وقت سرور کائنات ﷺ کے اس دین کو لے آنے کے بعد دنیا دو حصوں میں بٹ گئی تو ایک تیسرا فریق بھی تھا وہ کون؟ (منافق) وہ لا اله الا الله پڑھتے تھے یا نہیں؟ (پڑھتے تھے) محمد رسول الله کہتے تھے کہ نہیں؟ (کہتے تھے) قرآن گواہی دیتا ہے۔

((اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰه))

منافق آپ کے پاس آتے ہیں آ کے کہتے ہیں نشهد انك لرسول الله اور جو انك لرسول الله کہے گا وہ لا اله الا الله تو لازماً کہے گا ورنہ محمد رسول الله کہنے کیا مطلب؟ تو منافق بھی پڑھتے تھے لا اله الا الله الا محمد رسول اللهلیکن ان کے اس پڑھنے کے باوجود اللہ فرماتے ہیں۔

الله يعلم انك لرسوله

بات بالکل سچی کہتے ہیں اللہ بھی جانتا ہے کہ تو اللہ کا رسول ہے بات غلط نہیں کہتے۔

((والله يشهد ان المنافقين لكا ذبون))

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹ بول رہے ہیں یہ جھوٹے ہیں۔

لا اله الا الله محمد رسول الله پڑھنے میں جھوٹے ہیں کیا مطلب؟ کہ ان کی زبان پہ ہے۔ اور ان کے دل میں نہیں۔ ان کی زبان ان کے دل کی ترجمانی نہیں کرتی تو ان کا کلمہ پڑھنا جھوٹ ہے یہ کلمہ صدق دل سے نہیں پڑھ رہے تو معلوم ہوا کہ کبھی کبھی زبان سے لا اله الا الله محمد رسول الله پڑھنے والے بھی جھوٹے ہوتے ہیں اور وہ کلمہ جھوٹ کے طور پر پڑھتے ہیں صدق دل سے نہیں پڑھتے جو کلمہ پڑھنے سے اثر ہونا چاہیے وہ ان میں نہیں ہے۔اس لیے قرآن کریم نے ان کے

بارے میں صاف صاف الفاظ بیان فرما دیئے۔

((اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ))

''یہ جہنم کے نچلے درجے میں ہوں گے''

یعنی حکم کے لحاظ سے جو منافق ہیں اگرچہ اس وقت ان کے ساتھ برتاؤ مسلمانوں والا کیا جاتا تھا ان کو اپنے سے علیحدہ نہیں کیا گیا لیکن حکم کے لحاظ سے مسئلہ متفق علیہ ہے کہ کلمہ پڑھنے والا شخص جو دل سے کلمہ نہیں پڑھتا اور اس کلمے کو اپناتا نہیں یہ کافر کے مقابلے میں بدتر ہے یہ کافر سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ کافر کھلا دشمن ہے اور منافق چھپا ہوا دشمن ہے اور چھپا ہوا دشمن زیادہ خطرناک ہوا کرتا ہے کھلے دشمن کے مقابلے میں۔

آستین کا سانپ

اس کو اردو کے محاورے میں کہا کرتے ہیں آستین کا سانپ یہ زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں اس لیے قرآن کریم کا ایک بیشتر حصہ منافقین کے بارے میں ہے جس میں تفصیل کی گئی ہے کہ ان سے بچ کے رہنے کی ضرورت ہے اور یہ انجام کے لحاظ سے کافروں میں شامل ہیں چاہے دنیا کے اندر مصلحتاً ان لوگوں کو جماعت کے اندر رکھا گیا ہے تو اس سے معلوم ہوگیا کہ صرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ کچھ اور بھی کرنا پڑتا ہے اگر صرف اس کو پڑھ لینا کافی ہوتا اور اس کو ہم صحیح طور مسلمان سمجھ کے مسلمانوں کی جماعت میں مانتے تو پھر منافقوں والا تیسرا گروہ کہاں سے پیدا ہوگیا معلوم ہوا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لینا یہ ایمان کی ضمانت نہیں ہے قرآن کہتا ہے لا الہ الا اللہ پڑھنے والے بھی ایسے ہوتے ہیں جو مومنوں میں شامل نہیں یہ آستین کے سانپ ہیں اور آخرت میں کفر کے مقابلہ میں ان کا انجام زیادہ بدتر ہوگا۔

ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار' یاایها النبی جاهد الکفار

والمنافقین واغلظ علیھم

اے نبی تیرا جہاد کافروں کے خلاف بھی ہے تیرا جہاد منافقوں کے خلاف بھی ہے دونوں سے جہاد کیجئے اور ان کے اوپر سختی کیجئے۔

مثال نمبر۲۔مرزائی طبقہ

تو روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ کلمہ پڑھنے والا مومن ہو یہ کوئی ضابطہ کلیہ نہیں کلمہ پڑھنے والا بھی کافر ہوسکتا ہے یہ میں کوئی ایسی بات نہیں کہہ رہا ہوں کہ آپ کہیں کہ یہ جرم کا ارتکاب کررہا ہے اسی جرم کا ارتکاب ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی اسمبلی نے کیا مرزائی لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں پڑھتے تھے؟۔(پڑھتے تھے)۔اس کے باوجود ساری اسمبلی نے انگوٹھ لگادیے اور قانون بنادیا پاکستان کے آئین میں لکھا ہوا ہے کہ یہ غیر مسلم ہیں یہ مسلمانوں میں شامل نہیں جب یہ پاکستان کے آئین میں لکھا ہوا ہے اور پاکستان کی اسمبلی نے فیصلہ کیا ہے تو یہ متفق علیہ فیصلہ ہوا ہے اور آج قانون میں یہ بات درج ہے تو پھر کون کہتا ہے کہ یہ بات کہہ دی جائے کہ جو لا الہ الا اللہ پڑھے وہ مسلمان ہے یہ تو پاکستان کے آئین کے خلاف ہے پاکستان کے آئین نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ ہر لا الہ الا اللہ پڑھنے والا مسلمان نہیں ہوتا ورنہ مرزائیوں کو کس دلیل سے آپ کافر کہتے ہیں اس لیے یہ مسئلہ زیادہ پچیدہ ہوگیا کہ ہم کیا کریں ایک آدمی لا الہ الا اللہ بھی پڑھ رہا ہے محمد رسول اللہ بھی پڑھ رہا ہے اس کے باوجود اطمینان نہیں کہ مسلمان ہے اس کے باوجود بھی وہ تیسرا گروہ بن سکتا ہے یہ بات اور زیادہ پیچیدہ ہوگئی۔

اس لیے بات سمجھئے کہ:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ اجمالا پورے کے پورے دین کو قبول کرنے کا عنوان ہے اس کلمے کو پڑھ کر ایک آدمی کہتا ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ اللہ کا رسول لے کر آیا ہے میں نے اس کو مان لیا۔ یہ ایک عنوان ہے اب اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کی

طرف سے ایک آئی ہوئی بات کونہیں مانتا تو لا الہ الا اللہ اس کا منافقوں والا ہے کہ زبان سے کہہ دیا دل میں نہیں ہے (درجہ بدرجہ بات کو سمجھتے جایئے)۔

انگریزی قانون وراثت قبول کرنے والے کافر

ایک یہ ہے کہ مانتا ہے لیکن عملاً کوتاہی کرتا ہے ایک ہے مانتا نہیں دونوں باتوں میں فرق کرنا ہے جب مانتا نہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اللہ سے جھوٹا وعدہ کرتا ہے اس کے وعدے کا کوئی اعتبار نہیں یہ منافقانہ کلمہ ہے آپ حضرات کو یاد نہیں انگریزوں نے یہاں قابض ہونے کے بعد مسلمانوں سے پوچھا تھا کہ تمہاری وراثت کا جو آئین ہے کیا تم اس کی تقسیم شریعت کے مطابق چاہتے ہو یا انگریزی قانون کے مطابق چاہتے ہو انگریزی قانون میں لڑکی وارث نہیں ہوتی لڑکا وارث ہوتا ہے تو بہت سارے جاگیر دار جن کی تفصیل اب کتابوں میں آئی ہوئی ہے انہوں نے حکومت کے نام باقاعدہ لکھ کر درخواست دی تھی کہ ہم انگریزی قانون چاہتے ہیں ہماری جائیداد انگریزی قانون کے مطابق تقسیم ہو۔

ہم شریعت کے مطابق وراثت کے تقسیم نہیں چاہتے کیونکہ لڑکیوں کو حصہ دینا ان کو ہاں گوارہ نہیں تھا وہ کہتے تھے کہ جائیداد گھر میں رہے اور لڑکوں کے پاس رہے لڑکیوں کہ نہ ملے اور آپ کو یاد ہے کہ آج تک یہ مزاج چل رہا ہے لڑکیوں کو حصہ دینا بڑا ناگوار گزرتا ہے پاکستان میں یہ آئین بنا تو ہے لیکن مختلف حیلوں کے ساتھ بہانوں کے ساتھ بہنوں سے بیان دلا کر جو کچھ بھی ہے ان کو آج بھی محروم کرتے ہیں خوش دلی کے ساتھ بہن کو حصہ نہیں دیتے۔ اس وقت ہمارے اکابر نے اس بات کو واشگاف الفاظ میں کہا کہ جنہوں نے یہ درخواست دی ہے ہم انگریزی قانون وراثت قبول کرتے ہیں اور ہمیں وراثت شریعت کے مطابق نہیں چاہیے یہ کلمہ گو منافقین ہیں یہ منافقوں کا ٹولہ ہے وہ اس مغالطے میں نہ رہیں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں جنہوں نے قانون وراثت کا انکار کیا ہے کہ ہم شریعت کے مطابق تقسیم نہیں چاہتے یہ

لوگ کلمہ گو منافقین ہیں یہ چاہے کلمہ پڑھتے ہیں لیکن دل سے مومن نہیں ہیں۔ شریعت کے انکار کرنے کی بناء پر یہ لوگ مسلمانوں کے دائرے سے نکل کے تیسری طرف چلے گئے ہم ان کو کھلے کافر اس لیے نہیں کہتے کہ یہ کلمہ پڑھتے ہیں لیکن کلمہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ جب ان کا دل اللہ کے دین کو قبول نہیں کرتا اللہ کے بھیجے ہوئے قانون کو قبول نہیں کرتا تو ان کے لیے یہی عنوان ہے کہ یہ کلمہ گو منافق ہیں۔

کلمہ کے عنوان کو سمجھنے کے لیے آسان مثال

ہمارے اکابر نے باقاعدہ فتوے دیے اور یہ بات بالکل واضح ہے یہ کلمہ کا عنوان دین کے لیے ایسے ہے میں آپ کو ایک مثال سے سمجھا دوں تاکہ بات آپ کے ذہن نشین ہو جائے کہ آپ دیکھتے رہتے ہیں یہ نکاح جو ہوتا ہے اس میں کیا ہوتا ہے نکحت قبلت میں نے نکاح کرلیا میں نے قبول کرلیا اتنا تو ہوتا ہے یا کچھ اور بھی ہوتا ہے؟ بیوی کو لے آیا گھر اب بیوی کہتی ہے کہ مجھے روٹی دو۔ وہ کہتا ہے میں نے کب وعدہ کیا تھا بھرے مجمع کے اندر میں نے تجھے قبول کیا ہے میں نے کہا تھا کہ تجھے روٹی دیا کروں گا؟

بیگم صاحبہ کپڑا مانگتی ہے یہ کہتا ہے میں نے کب وعدہ کیا تھا کوئی نکاح کی مجلس میں وعدہ کیا کرتا ہے کہ میں کپڑے بھی دوں گا؟ وہ رہائش کے لیے مکان مانگتی ہے وہ کہتا ہے میں نے تو رہائش دینے کا وعدہ نہیں کیا تو کیا ایسے شخص کے متعلق آپ سمجھیں گے کہ یہ نکاح کا مفہوم سمجھتا ہے یا یہ پاگل ہے اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب اس کو قبول کرلیا تو اس کا مطلب ہے اس کا کھانا بھی قبول کرلیا اس کا کپڑا بھی قبول کرلیا اس کی رہائش بھی قبول کرلی روٹی کپڑا مکان تیرے ذمے ہے اب جتنا دھندا نکاح کے بعد بیوی کے حقوق کا ہے وہ سارا قبلت میں آگیا لفظ ایک ہی ہے قبلت۔

تو جیسے قبلت کے پیٹ میں بیوی کے سارے حقوق آگئے اسی طرح لا الہ الا اللہ کے دائرے کے اندر سارے احکام شرعی آگئے کہ آپ نے اللہ کے دین کو جو اللہ کا رسول لایا ہے اس کو آپ نے قبول کرلیا۔

اب اگر آپ اس میں سے کسی ایک حکم کا انکار کریں گے تو یوں سمجھو کہ لا الہ الا اللہ کا جو تلفظ تھا جو تکلم کیا ہے یہ آپ نے جھوٹ بولا ہے اور یہ ایسا ہی جھوٹ ہے جس طرح سے منافق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جھوٹ کے طور پر پڑھتے تھے اور اس میں حقیقت نہیں تھی اس لیے پورے دین کو قبول کرنا یہ ہے لا الہ الا اللہ اور اگر کسی ایک حکم کا بھی انکار کر دیا جائے تو یہ کفر ہے ایمان سے نکل جائیں گے۔

دوسری مثال

اس کو میں ایک اور مثال سے آپ کو سمجھا دوں ابلیس اور شیطان کو جانتے ہو اس سے تو اچھی خاصی واقفیت ہے واسطہ پڑتا رہتا ہے نا؟ یہ بھی لا الہ الا اللہ پڑھتا تھا اور اللہ کی عبادت کرتا تھا اور عملاً فرشتوں میں شامل تھا نیک پارسا تھا اصل میں جن تھا کان من الجن قرآن میں صراحتاً آیا ہوا ہے کہ جن ہے فرشتہ نہیں ہے اور یہ جو کہا کرتے ہیں کہ فرشتوں کا استاذ تھا ملائکہ کا استاذ تھا یہ بھی ایسے واعظانہ جھوٹ ہے یہ فرشتوں کا استاذ نہیں تھا فرشتے مدرسے میں پڑھنے نہیں جاتے تھے کہ وہاں شیطان مدرس بن کے بیٹھا ہو اور فرشتے کو سبق نہ آئے تو شیطان کہے کان پکڑ لو یہ شیطان ایسا نہیں ہے یہ استاذ ملائکہ ایسے مشہور کی ہوئی بات ہے فرشتے کسی کے شاگرد نہیں بہر حال وہ ساتھ رہتا تھا وہ جنت کا قائل تھا دوزخ کا قائل تھا خدا کی توحید کا قائل تھا فرشتوں کے وجود کا قائل تھا۔

جتنے عقائد حقہ ہیں وہ سب کو مانتا تھا لیکن اللہ نے حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ وہ اکڑ گیا تو کیا اس نے توحید کا انکار کر دیا تھا؟ کہ اللہ ایک نہیں دوزخ کا انکار کر دیا تھا؟ کہ دوزخ نہیں ہے جنت کا انکار کیا تھا؟ کس بات کا انکار کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے کافر ہو گیا کان من الکافرین اس نے کس عقیدے کا انکار کیا آدم کو سجدہ کرنا اللہ کا ایک حکم تھا لیکن وہ آگے سے کہتا ہے انا خیر منہ میں تو اس سے اچھا ہوں خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ اس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے اور مجھے تو نے آگ سے بنایا اور آگ

روشن ہے مٹی ظلماتی ہے تو آگ بہتر ہے مٹی کے مقابلے میں تو میں اس سے اچھا ہوں تو اچھے کو حکم کیوں دیا جارہا ہے سجدہ کرنے کا سجدہ تو وہ کرے جو اچھا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کو خلاف مصلحت قرار دے کر اکڑ گیا حکم نہیں مانا ابی واستکبر تو کافر ہو گیا۔

اب بتاؤ کہ کسی ایک حکم کا انکار کرنے سے آدمی کافر ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا اگر نہیں ہوتا تو ابلیس کا قصور بتاؤ کیا ہے اس کو جو مردود بنا کے نکال دیا فاخرج انک رجیم اللہ میاں نے ٹھکرا دیا کہ نکل جا مردود یہاں سے اور قیامت تک لعنت مسلط ہو گئی کہ تو میرے حکم کو خلاف مصلحت سمجھتا ہے کہ میں جو حکم دے رہا ہوں یہ مصلحت کے مطابق نہیں اور تیری رائے اس کے مقابلے میں اچھی ہے تو ایک حکم تھا کہ آدم کو سجدہ کرنا ہے اور ابلیس نے انکار کیا اور حکم کو خلاف مصلحت سمجھا تو ٹھکرایا گیا قیامت تک کے لیے لعنتی ہو گیا مردود ہو گیا رجیم ہو گیا کان من الکافرین کافروں میں سے ہو گیا ایک حکم کا انکار کرنے کی وجہ سے۔ اس کو خلاف مصلحت قرار دینے کی وجہ سے اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کافر ہونے کے لیے ساری باتوں کا انکار ضروری نہیں بلکہ ساری باتیں مان لو پھر اللہ کا ایک حکم آئے اور تم نے کہا یہ مصلحت کے خلاف ہے یہ حکمت کے مطابق نہیں یہ دانشمندی کا تقاضا نہیں تو قیامت تک لعنت برسے گی اور اللہ کے دربار سے ٹھکرائے جاؤ گے اور جیسے اللہ نے فتویٰ دیا کان من الکافرین تو یہ کہنے والا بھی اللہ کے فتوے کے تحت کان من الکافرین قرار پا گیا۔

حدود شرعیہ کو وحشی سزا کہنا کفر ہے

اب اللہ تعالیٰ کہے کہ چور کا ہاتھ کاٹو۔ تو کہا جائے وحشی سزا ہے اگر ہاتھ کاٹنا شروع کر دیا تو سارے پاکستان والے ٹنڈے ہو جائیں تو ٹھیک ہے بستے جو سارے چور ہیں تو سارے ٹنڈے نہیں ہو جائیں گے تو اور کیا ہوں گے تو یہ وحشی سزا ہے اب کیا یہ ابلیس ملعون سے کم ہے؟ اس نے آدم کو سجدہ نہیں کیا تھا تو قیامت تک کے لیے ملعون ہو گیا مردود ہو گیا کان من الکافرین کا فتویٰ لگ گیا اب اللہ تعالیٰ کہے چور کا

ہاتھ کاٹو اور تم کہو یہ حکمت کے خلاف ہے یہ تو تہذیب کے خلاف ہے یہ غیر مہذب سزا ہے بڑی غیر مہذب سزا ہے فعل اتنا مہذب اور سزا اتنی غیر مہذب (ہنسی) ہاں یہ مہذب فعل ہے؟ نا اس کی سزا تو یہ ہونی چاہیے کہ اس کو پنکھے لگا کر دو ائیر کنڈیشنر لگا کے دو صبح شام کھانا دو تا کہ جب دوسری دفعہ آئے تو چور کی بجائے ڈاکو بن کے آئے باقی اس مہذب آدمی کو غیر مہذب سزا نہیں دینی چاہیے۔

اب اس سزا کو غیر مہذب کہنے والوں نے سارے ملک کو چور بنایا اب سزا دیتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ اگر ہاتھ کاٹیں گے تو سارے ٹنڈے ہو جائیں گے یہ سارے ٹنڈے ہونے کا مطلب یہی ہے کہ سارے چور ہیں یاد رکھو اس بات کو کہ اس کو وحشی سزا کہنے والا یا اس کو مصلحت کے خلاف کہنے والا یا اس کو غیر مہذب کہنے والا یا یہ ابلیس کی نسل ہے ابلیس کا ہم مرتبہ ہمیشہ کے لیے ملعون اور مردود، اور کان من الکافرین۔ کیا یہ کسی اصول کے خلاف کہہ رہا ہوں؟ (نہیں) صاف صاف بات ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ زانی کو سو کوڑے لگنے چاہیے اگر شادی شدہ ہیں تو رجم کر دینا چاہیے۔ اب یہ بات سن کر ہی پھٹ پڑتے ہیں کہ اتنی بڑی سزا؟ اتنی غیر مہذب سزا؟ کہ انسان کو پتھر مار مار کے مار دیں مگر ان بے غیرتوں کو پتہ نہیں کہ پتھر مار مار کے مارنے کی سزا اس لیے ہے کہ اس کا بال بال گنہگار ہے اور اس نے اللہ کے ضابطوں کو توڑا ہے اس کے بال بال نے لطف لیا ہے اور اس فعل کے اندر اس کا باں بال ملوث ہے اگر تم انسان ہو اور انسان کی سب سے بڑی شرافت یہ ہے کہ اس کا نسب پاک ہو اس کو پتہ ہو کہ میرا باپ کون ہے میرے باپ کا باپ کون ہے اگر تم نے اپنے نسب کو محفوظ رکھنا ہے تو تمہیں زنا کرنے والوں کو اڑانا پڑے گا اور ان کو مٹانا پڑے گا تب جا کے تمہارا نسب محفوظ رہے گا ورنہ تم کہنا چھوڑ دو گے کہ ہم فلاں کے بیٹے ہیں تمہیں کیا پتہ کہ تم کس کے بیٹے ہو تم اپنا نسب باقی رکھنا چاہتے ہو فلاں کے بیٹے بننا چاہتے ہو تو تمہیں اس دروازے کو سختی سے بند کرنا پڑے گا کہ کوئی غیر آدمی اس رستے سے نہ آئے

اور اگر اس طرح سے عورتوں کو شاملات بنا دیا تو یہ آوارہ گردی کی نسل جو پیدا ہوگی اس کو کس کی طرف منسوب کرو گے کیا حق پہنچے گا تمہیں کہ تم یہ کہو کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے یورپ سارا اسی لیے تو اس شرف سے محروم ہو گیا اور وہ خودنہیں جانتے کہ کون باپ ہے کون بیٹا ہے آج کل امریکہ نے ایک گالی دی ہے نہ پاکستان کو اور اس کے جواب میں پاکستانی اب مضمون لکھ رہے ہیں وہ یہی تو بتا رہے ہیں کہ جن کی ۔ ئیں بازاروں میں ننگی پھرتی ہیں جو اپنی ماؤں کو ننگا دکھاتے پھرتے ہیں جن کی ماں یہ بتا نہیں سکتی کہ تیرا باپ کون ہے وہ پاکستانیوں کو گالی دیتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ماں بھی ننگی بیٹی بھی ننگی بہن بھی ننگی اور ماں نہیں بتا سکتی اپنے بچوں کہ کہ تیرا باپ کون ہے وہ کیا جانے کہ ماں کی قدر کیا ہوتی ہے تو اگر انہوں نے یہ کہہ دیا کہ پاکستانی اپنی ماں کو چند ڈالروں کے عوض بیچ دیتے ہیں تو انہوں نے اپنے اوپر قیاس کیا ہے ان کے ہاں ماں کی قدر ہی کوئی نہیں اس لیے بکواس ماردی۔

تو جو شخص اس سزا کو غیر مہذب کہے باقی اللہ کا حکم دکھانا ہمارے ذمہ ہے پھر اس کو کوئی کہے یہ وحشیانہ سزا ہے مصلحت کے خلاف ہے یہ آج کے دور میں نہیں دی جاسکتی آج کا دور بڑا مہذب ہے اور یہ سزا وحشیانہ ہے جاہلیت کے دور کی نشانی ہے اگر کوئی اس قسم کا لفظ بولے کہ یہ سزا وحشیانہ ہے جاہلیت کے دور کی نشانی ہے اگر کوئی اس قسم کے لفظ بولتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ شیطان سے بدتر ہے شیطان سے بھی زیادہ گندے نطفے کی پیداوار ہے کیا غلط کہہ رہا ہوں؟ (نہیں)

اس نے کیا قصور کیا تھا اس نے تو بھی ایک ہی حکم کے بارے میں کہا تھا کہ خلاف مصلحت ہے کہ میں اچھا ہوں اور اچھے کو گھٹیا کے سامنے جھکایا جا رہا ہے یہ خلاف مصلحت ہے تو ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت برسے گی۔ مردود ہو جائیں گے کافر ہو جائیں گے یہ کس نتیجے میں ہوا ایک حکم کا انکار کرنے کی وجہ سے جس سے معلوم ہو گیا کہ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ سب احکام کو مانو اور اگر ان میں سے ایک کو بھی خلاف مصلحت قرار

دیں گے دل تمہارا قبول نہیں کرتا دل تمہارا مانتا نہیں اس لیے تم کلمہ تو پڑھتے ہو لیکن جب اللہ کا حکم سامنے آتا ہے تو دل نہیں مانتا تو یہ وہ منافقانہ کلمہ ہے کہ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** بھی مومن نہیں بنائے گا بلکہ اللہ کہے گا **واللہ یعلم انھم لکاذبون** یہ جھوٹ بولتے ہیں یہ حقیقت میں **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** نہیں پڑھتے اس لیے ایک حکم کے انکار کرنے کی بناء پر بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔

ننانوے وجوہ کفر ایک وجہ ایمان والے محاورے کا مطلب

اس کے ساتھ ایک علمی اصول میں آپ کے سامنے ذکر کر دوں ایک فقرہ عام طور پر آپ مجلسوں میں سنیں گے کہ جی ہم نے سنا ہے کہ اگر کسی میں سو میں سے ننانوے وجوہ کفر پائی جاتی ہوں اور ایک وجہ ایمان پائی جائے تو اس کو مومن کہنا چاہیے کافر نہیں کہنا چاہیے یہ سنتے ہو؟ لیکن یہ بہت غلط بات ہے اور ایک صحیح بات کا حلیہ بگاڑ کے یہ بات آپ کے سامنے نقل کی جاتی ہے اور اچھے بھلے لوگ بھی اس مغالطے میں آجاتے ہیں میں تمہاری اسمبلی کی بات ہی پوچھتا ہوں کہ کیا مرزائیوں کے اندر وجوہ ایمان موجود نہیں تھے؟ کیا وہ اللہ کی توحید کو نہیں مانتے تھے **لا الٰہ الا اللہ** نہیں پڑھتے **محمد رسول اللہ** نہیں پڑھتے کیا وہ جنت کے قائل نہیں دوزخ کے قائل نہیں قرآن نہیں پڑھتے اللہ کی کتابوں کو نہیں مانتے؟ ان کے اندر تو ننانوے وجہ ایمان موجود ہیں ایک ختم نبوت کا انکار تھا تمہاری اسمبلی نے کہا کافر ہیں تو یہ رسم تو تم نے ڈال دی اور پاکستان کے آئین میں آ گئی۔

تو پھر یہ کیسے کہا جائے کہ ننانوے وجوہ کفر موجود ہوں ایک وجہ ایمان موجود ہو تو بھی کافر نہ کہو تو پہلے اپنا آئین تو پڑھ لو کہ تمہارا آئین کیا کہتا ہے اس لیے یہ بات غلط ہے آج بھی میرے پاس ایک رسالہ آیا پڑا ہے اچھا بھلا رسالہ اور اس میں ہمارے ایک اچھے بھلے آدمی کا مضمون ہے یا تو تحریر میں غلطی ہوئی ہے یا ممکن ہے ان کی تعبیر

میں غلطی ہوئی ہے اس میں بھی یہ بات آئی ہوئی ہے بیثاق میں ڈاکٹر اسرار الحق صاحب کا رسالہ ہے اس میں مضمون ہے ایک عالم کا۔ اس میں یہ بات انہیں الفاظ کے ساتھ آئی ہوئی ہے کہ ننانوے وجہ کفر اگر موجود ہوں اور ایک وجہ ایمان موجود ہو تو اس کو کافر قرار نہیں دینا چاہیے۔ میں کہتا ہوں اس ضابطے سے دنیا کے کسی بدتر سے بدتر کافر کو بھی آپ کافر نہیں کہہ سکتے۔ کون کافر ایسا ہے کہ جس کہ اندر بعض باتیں ایمان کی نہیں پائی جاتیں سکھوں سے پوچھ لو ان کے بھی بعضے عقیدے ایسے ہوں گے جو ایمان والے ہیں ہندوؤں سے پوچھ لو ان کے بعض عقیدے ایسے ہوں گے جو ایمان والے ہیں کون شخص ایسا رہے گا جس کے اندر سو کی سو وجوہ کفر کی پائی جائیں تو اس کو کافر قرار دیں۔ اور اگر کوئی ایک وجہ بھی ایمان کی ہو تو اس کو کافر نہ قرار دیں تو دنیا میں کوئی کافر رہے گا یہی ہی کوئی اللہ کے وجود کا قائل ہے یہ بھی وجہ ایمان ہے کوئی رسول اللہ ﷺ کا قائل ہے یہ بھی وجہ ایمان ہے کس کو کافر کہو گے اس لیے یہ بات غلط ہے یہ بات محققہ نہیں محقق دو قسم کے ہوا کرتے ہیں ایک محقق ہوتا ہے جو حق کی تحقیق کرتا ہے اور ایک محقق ہوتا ہے جو حقہ بہت پیتا ہے آخر حقے والا بھی تو محقق ہو سکتا ہے حقہ اور حق میں کیا فرق ہے ایک یہی تو فرق ہے آخر میں ایک ۃ لگی ہوئی ہے تو حقہ والوں کا عقیدہ تو یہ ہو سکتا ہے اہل حق کا عقیدہ یہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن پھر اس بات کا مطلب کیا ہوا یہ جو کہا جاتا ہے ننانوے وجوہ کفر ہوں اور ایک وجہ ایمان ہو تو بھی کافر نہ کہو اس کا پھر مطلب کیا ہوا تو یہ بالکل صحیح جملہ ہے اس کا ایک بالکل صحیح مطلب بھی ہے لیکن سمجھنے اور سمجھانے میں غلطی ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی کا ایک۔

قول آپ کے سامنے آیا جس قول کے سو مطلب ہو سکتے ہیں لیکن ان میں ننانوے مطلب ایسے ہیں کہ اگر وہ مراد لیں تو کفر ہے ایک مطلب ایسا بن سکتا ہے کہ یہ مراد لیا جائے تو کفر نہیں یہ آدمی کافر نہیں مومن رہ سکتا ہے تو جب تک ہم اس سے پوچھ نہ لیں کہ تیری مراد کیا ہے اس وقت تک اس کلام کی بنا پر ہم اس کو کافر نہیں کہیں گے اگر

وہ مراد ایسی بیان کر دے جو ایمان والی ہے تو پھر کفر کا فتویٰ نہیں لگے گا اور اگر وہ خود تعین کر دے کہ میری مراد یہ ہے تو پھر ہم اس پر کفر کا فتوی لگا دیں گے جب تک یہ احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے اس کی مراد یہ ہو چاہے ننانوے احتمال ایسے ہیں جو کفر کی طرف چلے جاتے ہیں لیکن ایک مطلب اس کا ایسا نکل سکتا ہے جو ایمان ہے کفر نہیں تو ہم اس جملے پر کفر کا فتوی نہیں لگائیں گے یہ معنی ہے اس کلام کا یہ معنی نہیں کہ جس میں ننانوے وجہ کفر موجود ہوں اور ایک وجہ ایمان کی آجائے تو مومن ہے یہ بات غلط ہے اگر اس ضابطے کو لے لیا جائے تو دنیا میں کوئی کافر ہی نہیں رہے گا۔

کیا کوئی کافر جہنم میں نہیں جائے گا؟

اس کی مثال یوں سمجھئے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک شخص کا ایک قول آیا کہ کوئی کافر جہنم میں نہیں جائے گا اور آپ جانتے ہیں کہ یہ کہنا قرآن کریم کی سینکڑوں آیات کا انکار ہے قرآن کریم تو بھرا پڑا ہے کہ کافر جہنم میں جائیں گے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ چونکہ مجلس میں مسائل طے کیا کرتے تھے انہوں نے شاگردوں کی مجلس میں فتویٰ رکھ دیا کہ بتاؤ اس شخص کے متعلق کیا فتوی ہے تو ہر کوئی کہے کہ کافر ہے یہ قرآن کریم کی بیسیوں آیتوں کا منکر ہے یہ مومن کیسے ہوسکتا لیکن ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جلدی نہ کرو کیوں کہ ہوسکتا ہے اس شخص کی مراد یہ ہو کہ جہنم میں داخل ہوتے وقت کوئی کافر کافر رہے گا نہیں سارے مان جائیں گے اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو دنیا میں کافر ہے وہ آخرت میں جہنم میں نہیں جائیں گے بلکہ اس کی مراد یہ ہوسکتی ہے کہ جہنم میں داخل ہوتے وقت کوئی کافر کافر رہے گا نہیں سارے مان جائیں گے۔ چاہے ماننا فائدہ نہ دے لیکن مان تو جائیں گے تو اس کلام میں یہ احتمال نکل سکتا ہے تو آپ اس وقت تک فتویٰ نہ دیں جب تک اس سے پوچھ نہ لیں کہ تیری مراد کیا ہے اگر وہ یہ کہے کہ میری مراد یہی ہے کہ جہنم میں داخل ہوتے وقت کافر کافر نہیں رہے گا ہم اس کو کافر نہیں کہیں گے بات ٹھیک ہے لیکن اگر وہ کہے نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کافر ہے وہ

آخرت میں جہنم میں نہیں جائے گا یہ قرآن کریم کا منکر ہے کافر ہے خلاصہ کلام یہ کہ ایک کلام کے مختلف مطلب نکل سکتے ہیں ان میں زیادہ مطلب وہ ہیں جو کفر کی طرف کو جاتے ہیں اور ایک آدھا مطلب ایسا نکل سکتا ہے جو ایمان والا ہے تو ہم اس وقت تک کفر کا فتویٰ نہیں لگائیں گے جس وقت تک ہم اس سے پوچھ نہ لیں کہ تیری مراد کیا ہے۔

کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی

اس تاویل کی طرف اشارہ ایک روایت سے نکلتا ہے آپ نے سنا ہوگا کہ حدیث شریف کی کتابوں میں ایک باب المزاح بھی ہے کہ حضور ﷺ خوش طبعی بھی فرما لیا کرتے تھے جس پر صحابہ ؓ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ آپ بھی ہم سے خوش طبعی کرتے ہیں جتنا بڑا آدمی ہوا کرتا ہے اس کا ہلکی مذاق کرنا ذرہ مناسب نہیں معلوم ہوتا آپ نے فرمایا میں خوش طبعی کرتا ہوں لیکن یاد رکھو خوش طبعی میں بات صحیح کہتا ہوں غلط بات کبھی نہیں کہتا ان خوش طبعی کے واقعات میں سے ایک واقعہ حدیث میں آتا ہے اور آپ سنتے رہتے ہیں ایک دفعہ ایک بڑھیا رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئی آپ نے اس سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی وہ بے چاری رونے لگ گئی مطلب اس کا یہ تھا کہ میں بوڑھی ہوگئی اس میں میرا قصور کیا ہے کہ اگر پتہ ہوتا کہ بڑھیا عورت جنت میں نہیں جائے گی تو جوانی میں مرجاتے یہ کوئی ہمارے اختیار میں ہے تو وہ بے چاری رونے لگ گئی کہ بوڑھی جنت میں نہیں جائے گی تو آپ نے فرمایا کہ تو نے قرآن میں پڑھا نہیں **انا انشانا ھن انشاء فجعلنا ھن ابکارا** کہ ہم ان کو جب جنت میں لے جائیں گے تو کنواری لڑکیوں کی شکل میں لے کے جائیں گے بوڑھی کہاں رہی (مشکوۃ ص ۱/۴۱۶) یہ مطلب تھا لیکن سمجھنے والے نے سمجھا کہ شاید جو دنیا میں بوڑھا ہوگیا وہ آخرت میں جنت میں نہیں جائے گا تو تھوڑی دیر کے لیے شغل بن گیا پھر آپ نے فرمایا کہ میرا مطلب یہ تھا کہ جنت میں داخل ہوتے وقت کوئی بڑھیا بڑھیا نہیں رہے گی اسی طرح سے ہوسکتا ہے کہنے والے کی مراد کچھ ہو اور ہم کچھ اور سمجھ

پس جب تک ہم اس سے پوچھ نہ لیں کہ تو نے یہ جو کہا کہ کافر جہنم میں نہیں جائے گا اس سے تیری کیا مراد ہے اگر وہ کہے میری مراد یہ ہے کہ جو دنیا میں کافر ہے وہ جہنم میں نہیں جائے گا تو پھر خود کافر ہے اور یہ یقیناً جہنم میں جائے گا کیونکہ یہ قرآن کریم کی بیسیوں نہیں سینکڑوں آیتوں کا منکر ہے لیکن اگر وہ کہے کہ میری مراد یہ تھی کہ جہنم میں جاتے وقت کوئی کافر کافر نہیں رہے گا تو کافر نہیں ہے۔

تو یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اس کا مطلب ہے کہ ایک کلام میں ایک جملے میں۔ ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ ایمان کی ہو۔ اس کو کافر نہ کہو اور اس کا یوں پروپیگنڈہ کرنا کہ شریعت میں تو کسی کو کافر کہنا جائز ہی نہیں کیونکہ جس میں ننانوے وجوہ کفر ہوں اس کو بھی کافر نہیں کہہ سکتے ایک وجہ ایمان ہو تو بھی کافی ہے تو میں کہتا ہوں کہ مجھے بتا دو دنیا میں کون سا کافر ایسا ہے۔ جس میں ایک وجہ بھی ایمان کی نہیں پائی جاتی یہ تو فلسفہ ہی سارا کا سارا ختم ہو جائے گا۔

اس لیے یہ مسئلہ یوں ہوا کہ کلمہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ میں نے پورے دین کو قبول کر لیا اس دین کو قبول کرنے کے بعد پھر کسی حکم کا انکار کرنا اور دل سے اس کو تسلیم نہ کرنا یہ گویا کہ اس کلمہ کو منافقانہ کلمہ بنا دیتا ہے پھر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھنے کا کوئی اعتبار نہیں رہتا اس لیے یہ کوئی حقیقت نہیں کہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھنے والا کافر نہیں ہو سکتا بلکہ کافر ہو سکتا ہے البتہ کافر ہوگا منافقانہ انداز میں ہم اس کو کہیں گے یہ کلمہ گو منافق ہے کہ کلمہ تو پڑھتا ہے لیکن اللہ کے حکم کو قبول نہیں کرتا یہ تھا انکار کا مسئلہ۔

عملی کوتاہی کفر نہیں

ایک ہے اقرار تو کر لیا کہ میں مانتا ہوں لیکن عملی کوتاہی کرتا ہے تو عملی کوتاہی سے انسان کافر نہیں ہوا کرتا یہ بات یاد رکھئے عملی کوتاہی کی بنا پر کسی کو کافر کہنا یہ اہلسنت

والجماعت کا مسلک نہیں ہے یہ مسلک خارجیوں اور معتزیوں کا ہے وہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے کہ تارک فرض کافر ہے یہ ان کا عقیدہ ہے یہ اہلسنّت والجماعت کا عقیدہ نہیں ہے اہلسنّت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ مان لو تسلیم کرلو اس کے بعد اگر عمل کے اندر کوتاہی ہو جائے تو یہ فسق ہے نافرمانی ہے جس پر آخرت میں سزا ہوسکتی ہے لیکن انسان ایمان کے دائرے سے نہیں نکلتا کفر میں نہیں جاتا کسی حکم کا ترک عمل یہ فسق ہے کفر نہیں ہے اور اس کا انکار کفر ہے جس کی مثال میں نے آپ کے سامنے دے دی۔

عملی کوتاہی کرنے والوں کے لیے سفارش

یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اس لیے ہے کہ حدیث شریف میں بہت ساری روایات ہیں جن کو حدیث شفاعت کیساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور وہاں سرور کائنات ﷺ نے جو حالات بیان کیے سفارش کے ان میں یہ بھی ہے کہ جو لوگ اپنی بدعملی کی وجہ سے جہنم میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ سفارش کی اجازت دے گا فرشتے بھی سفارش کریں گے انبیاء بھی سفارش کریں گے حضور ﷺ بار بار اللہ کے دربار میں آئیں گے آکر سفارش کریں گے حفاظ سفارش کریں گے علماء سفارش کریں گے شہداء سفارش کریں گے انبیاء بھی سفارش کریں گے اور اپنی اپنی واقفیت کے طور پر ان گنہگاروں کو نکال کے لے آئیں گے اور وہاں تھوڑی تھوڑی واقفیت بھی کام آئے گی حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس وقت اللہ کی طرف سے اجازت ہوگی جنتیوں کو کہ جاؤ جا کے اپنے جاننے والوں کو نکال کے لے آؤ جہنم سے اور جہنم میں اعلان ہو جائے گا کہ جنتی آرہے ہیں تو جہنمی صفیں باندھ کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جائیں گے کہ شاید کوئی جاننے والا آجائے لیکن یہ وہ ہوں گے جن کے پلے ایمان ہے تو ایک آدمی جا رہا ہوگا اور وہ جہنمی جو صف میں کھڑا ہوگا اس کو بلائے گا یا عبد اللہ او اللہ کے بندے یوں کہہ کے اپنی طرف متوجہ کرے گا تو وہ کہے گا کیا بات ہے۔ کہے گا الا تعرفنی مجھے پہچانا نہیں، وہ

کہے گا نہیں، وہ کہے گا یاد کر فلانے وقت تجھے وضو کے لیے پانی کی ضرورت تھی میں نے تجھے لوٹا بھر کے دیا تھا۔ جب اتنی بات یاد آ جائے گی اس کا بازو پکڑے گا پکڑ کے ساتھ لے آئے گا۔ (مشکوۃ ص ۴۹۴ ا۔ الکامل لابن عدی ۲۰۲ ۵) اتنا سا تعلق بھی کام آ جائے گا کوئی کہے گا تو پیاسا تھا میں نے تجھے پانی پلایا تھا۔ اتنی سی واقفیت بھی کام آ جائیگی تو جہنم میں جانے کے بعد جہنمیوں کا سفارشوں کے ساتھ نکلنا یہ اس بات کی علامت ہے کہ ترک عمل کفر نہیں۔ اگر ان لوگوں نے عمل چھوڑا نہ ہوتا تو جہنم میں کیوں جاتے۔ اور عمل چھوٹنے کے بعد پھر جہنم سے نکل آنا علامت اس بات کی ہے کہ یہ مومن ہیں کیونکہ کافر کی نجات نہیں ہوگی۔

اب ارحم الراحمین کی باری ہے

حتیٰ کہ یہاں تک آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ اللہ کو جا کے جواب دے دیں گے۔ کہ جتنے ایمان والے تھے ہم نے نکال لیے۔ اب جہنم میں کوئی ایسا فرد نہیں رہا جس میں خیر ہو جب حضور ﷺ بھی فیصلہ سنا دیں گے۔ تو پھر حدیث میں آتا ہے کہ اللہ فرمائیں گے کہ سب نے سفارش کر لی اور ارحم الراحمین باقی رہ گیا۔ اور ارحم الراحمین پھر ایسے لوگوں کو نکالے گا جو جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں گے اور لم یعملو خیر اقط۔ انہوں نے زندگی میں کوئی نیک کام کیا ہی نہیں ہوگا اور ان کا ایمان اتنا کمزور ہوگا کہ نبی بھی نہیں پہچان سکے گا کہ یہ مومن ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو نکالے گا جو جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں گے۔ تو یہ نکالا جانا اس بات کی علامت ہے کہ ان کا عقیدہ صحیح تھا کیونکہ یہ نصوص قطعیہ میں ہے کہ جس کا عقیدہ صحیح نہ ہو وہ کافر ہے اور جہنم سے نہیں نکلے گا تو جن کو آخر آخر میں نجات ملے گی عقیدہ توحید کا ان کا صحیح تھا۔ لیکن زندگی بھر میں نیک کام نہیں کیا۔ آخر میں یہ جلے سڑے ہوئے حلیہ بگڑا ہوا یہ سب کچھ ہوگا پھر ارحم الراحمین اپنی رحمت سے ان کو نکالے گا (مسلم ص ۱/۹۸) آگے حدیث شریف میں آتا ہے نہر حیات میں

ان کو غسل کروایا جائے گا۔ آہستہ آہستہ اس طرح پھولیں پھلیں گے جس طرح جنگلی دانہ پھولتا ہے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے بڑھ جاتا ہے اسی طرح یہ بڑھ جائیں گے۔ اور ان کو جب جنت میں داخل کیا جائے گا تو ان کی گردنوں میں یہ مہر لگی ہوئی ہوگی۔ ھولاء عتقاء الرحمن۔ یہ رحمٰن کے آزاد کیے ہوئے ہیں بلکہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جنتی ان کو جہنمی کہیں گے عام جنتیوں سے یہ ممتاز ہوں گے (بخاری ص ۲/۱۱۰۷) وہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنتی جو ان کو جہنمی کہیں گے تو ان کو تکلیف نہیں ہوگی؟ تو تکلیف نہیں ہوگی بلکہ الٹا خوشی محسوس کریں گے۔ وہ پھر آپ جیسے صوفیوں سے آنکھیں لڑائیں گے۔ کہیں گے تم نے جنت لی سردیوں کی نمازیں پڑھ کے گرمیوں کے روزے رکھ کے اور پتہ نہیں کیا کیا مصیبتیں کیا کیا تکلیفیں تم نے اٹھائیں تو تم جنت میں آئے اور یاروں نے کیا کچھ بھی نہیں جنت میں آ گئے۔

واخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

✿✿✿✿✿

اصول تکفیر (حصہ سوم)

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ: ۷ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۴ اگست ۱۹۹۷ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِینُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ○﴾

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِينُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۝﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

ایمان مجمل اور مفصل کی وضاحت

قرآن کریم کی جو آیت آپ کے سامنے پڑھی گئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کا ایک معیار قائم کیا ہے اور کفر چونکہ ایمان کی ضد ہے' وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ۔ تو ایمان سمجھ میں آجائے تو اس کے مقابلے میں کفر بھی سمجھ میں آسکتا ہے آپ حضرات ایمان مجمل اور ایمان مفصل یہ دونوں پڑھتے رہتے ہیں اور بچوں کو بھی یاد کروایا جاتا ہے' اور آپ حضرات کو بھی یاد ہوگا۔ ایمان مجمل میں یہ بات آتی ہے ((امنت باللہ کما ھو باسمائہ وصفاتہ وقبلت جمیع احکامہ اقرارًا باللسان و تصدیقًا بالقلب)) اللہ اپنے اسماء وصفات کے ساتھ جیسے ہے میں اس پر ایمان لایا (وقبلت جمیع احکامہ) اور میں نے اس کے سارے احکام قبول کیے۔ (اقرارا باللسان)' زبان سے اقرار کرتے ہوئے (و تصدیق بالقلب) اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے یہ اجمالی ایمان ہے۔ جس کے ساتھ انسان مومن ہو جاتا ہے' اور ایمان مفصل یہ ہے کہ (امنت باللہ وملٰئکتہ و کتبہ ورسلہ والیوم الاخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت) ایمان مفصل جس کے ذریعے انسان ذرا تفصیل کے ساتھ ایمانیات کو سمجھ لیتا ہے اور مومن بن جاتا ہے تو قرآن کریم کی جو آیت میں نے آپ کے ساتھ پڑھی اس میں بھی یہی مفہوم ہے۔ (امن الرسول بما انزل الیہ) رسول بھی ایمان لے آیا اس بات پر جو اتاری گئی والمؤمنون اور مومن بھی ایمان لے آئے۔ ما انزل الیہ پر رسول بھی ایمان لے آیا مومن بھی ایمان لائے یہ اجمال ہے تو گویا ما انزل اللہ مان لینا یہ ایمان ہے' یعنی جو کچھ اللہ نے اتارا اس کو مان لینا۔ اور آگے اس کی کچھ تفصیل ذکر کر دی کل امن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لانفرق بین احد من رسلہ) میں اللہ پر فرشتوں پر کتابوں پر رسولوں پر ایمان لانے کا ذکر آگیا اور یہ کہ ہم کوئی فرق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں۔ یہ اس میں کچھ تفصیل ہوگئی اس لیے ایمان کا عنوان ہے ما انزل اللہ کو مان لینا دل سے ماننا زبان سے اقرار کرنا یہ

ایمان ہے اور کفر اس کی ضد ہے۔ جب کفر اس کی ضد ہو گی تو ما انزل اللہ کا انکار جو ہو گا وہ کفر کہلائے گا۔ جو چیز اللہ نے اتاری اس کو نہ ماننا یہ کفر ہے اور جو اللہ نے اتاری اس کو مان لینا ایمان ہے۔

شریعت کے سارے احکام ایک درجے کے نہیں

لیکن جو کچھ اللہ نے اتارا اور جو اس کا مجموعہ احکام ہیں جس کو قبلت جمیع احکامه سے ذکر کرتے ہیں کہ میں نے سارے احکام کو مان لیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے جا کے کچھ درجات بن جاتے ہیں۔ درجات بنتے ہیں۔ ان کے ثبوت اور عدم ثبوت کے اعتبار سے کہ بعض چیزیں قطعیات میں سے ہیں اور بعض قطعیات میں سے نہیں یہ ایک بہت پیچیدہ سا مسئلہ ہے۔ صرف عنوان قائم کرتا ہوں تفصیل ان شاء اللہ پھر سہی ما انزل اللہ یہ مجموعہ دین ہے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا اس کو مان لو لیکن ہمارے تک ما انزل اللّٰہ کے پہنچتے ہوئے اس کے مختلف درجات بن جاتے ہیں ہر حکم جو ہم تک پہنچا ہے وہ ایک درجے کا نہیں۔

سمجھانے کے لیے مثال

ذرا سمجھانے کے لیے آپ کو مثال دے دوں ہم انسان ہیں اور کامل انسان وہ ہے جو سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک اس کا ہر عضو صحیح سالم ہو ظاہراً باطناً وہ صحت مند ہو وہ کامل انسان ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ انسان کے ظاہراً و باطناً جتنے اعضاء ہیں وہ ایک درجے کے نہیں ہیں بعض اعضاء تو ہمارے ایسے ہیں کہ ان میں سے کسی کو ختم کر دیا جائے تو ہماری زندگی ختم ہو جاتی ہے جن کو ہم اعضائے رئیسہ کہتے ہیں۔ ہمارا قلب ختم ہو جائے تو ہم مر جاتے ہیں ہمارے گردے ختم ہو جائیں تو ہم مر جاتے ہیں ہمارا جگر ختم ہو جائے ہم مر جاتے ہیں' ہمارا بھیجا نکال دیا جائے تو ہم مر جاتے ہیں۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ اگر ٹانگ کاٹ دی جائے تو انسان زندہ رہ سکتا ہے بازو کاٹ دیا جائے تو زندہ رہ سکتا ہے سر کے بال اتار دیئے جائیں تو زندہ رہ سکتا

ہے یہ بڑھے ہوئے کان کاٹ دیے جائیں تو زندہ رہ سکتا ہے ناک کی کونپل کاٹ دی جائے زندہ رہ سکتا ہے ابرو مونڈ دیے جائیں آنکھ کے بال مونڈ دیے جائیں تو انسان زندہ رہ سکتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے انسان تو مکمل تب ہے جس وقت اس کے سارے اعضاء سالم ہوں۔ لیکن سارے اعضاء کی حیثیت ایک جیسی نہیں۔ ان میں بعضے اعضاء ایسے ہیں جن کے ختم ہونے کے ساتھ انسان ختم ہو جاتا ہے اور ان میں بعض ایسے ہیں جن کے ختم ہونے سے انسان ناقص ہو جاتا ہے اور بعضے اعضاء ایسے ہیں جن کے کاٹ دینے سے انسان کی خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے باقی انسان رہتا انسان ہی ہے زندہ بھی رہتا ہے کام بھی کرتا ہے خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے۔

یا دوسری مثال آپ لیجئے کہ درخت ہے۔ درخت یہ مجموعہ ہے جڑ کا' تنے کا' پتوں کا' پھولوں کا' پھلوں کا شاخوں کا یہ سارا مجموعہ ہے کامل درخت وہ ہوتا ہے جس کی جڑ بھی ٹھیک ٹھاک ہو اور اس کا تنا بھی ٹھیک ہو شاخیں بھی ٹھیک ہوں اور پتے بھی ٹھیک ہوں ساری چیزیں مکمل ہوں تب درخت سایہ دار ہو گا اور پورا کامل مکمل کہلائے گا لیکن اس کے سارے اجزاء ایک جیسے نہیں اگر اس کے پتے جھڑ جائیں تو بھی وہ درخت باقی رہتا ہے کوئی چھوٹی سی شاخ ٹوٹ جائے' تو بھی وہ درخت باقی رہتا ہے اور بڑی شاخ ٹوٹ جائے تو نقص معلوم ہو گا لیکن درخت باقی ہے لیکن ایک جز ایسا ہے جیسے جڑ کہ وہ اگر کاٹ دی جائے تو درخت ختم ہو جاتا ہے تو درخت کے باقی رہنے کے لیے اور بننے کے لیے کامل درخت تو تب ہی ہو گا جب وہ شاخوں پتوں تک محفوظ ہو لیکن اس کے ختم ہونے کے لیے کسی شاخ کا کسی ٹہنی کا ٹوٹ جانا کافی نہیں بلکہ ختم تب ہو جاتا ہے جب اس کی جڑ کو کاٹ دیا جائے۔ اسی طرح سے ایمانیات جتنی بھی ہیں۔ ایمان مجموعہ ہے احکام کا' لیکن ہر حکم ایک درجے میں نہیں ہوتا بعضے احکام ایسے ہیں جن کے انکار کرنے کے ساتھ انسان کافر ہو جاتا ہے اور ایمان ختم ہو جاتا ہے سرے سے باقی نہیں رہتا اور بعضے احکام ایسے ہیں جن کے انکار سے انسان کافر نہیں ہوتا البتہ عملاً ان کے ترک

کرنے کے ساتھ ایک نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن انسان مومن رہتا ہے تو یہ ہے احکام کے اندر تقسیم جو اللہ کی طرف سے ہمیں احکام دیے گئے جو دین ہمیں دیا گیا اس کے اندر یہ تقسیم ہے۔

ضروریات دن کا انکار کفر ہے

اس کے بعض حصے ایسے ہیں جن کا انکار کرنے سے کافر ہو جاتا ہے اور بعض حصے ایسے ہیں جن کا انکار کرنے سے انسان کافر نہیں ہوتا وہ کون سے حصے ہیں جن کا انکار کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے اس کے لیے عام طور پر لفظ بولا جاتا ہے ضروریت دین کا۔ ضروریات دین ایسی چیزیں ہیں جن کا انکار بھی کفر اور اس کے اندر کسی قسم کی تاویل بھی کفر اس کو اسی انداز میں جاننا ضروری ہے جس انداز میں وہ امت کے اندر مانی ہوئی چلی آرہی ہے' اس کے اندر تاویل کی بھی گنجائش نہیں اور انکار کی بھی گنجائش نہیں۔ تاویل بھی غیر مقبول ہے تاویل کر کے کوئی انسان اس کو مانے تو وہ بھی کافر اور اگر انکار کرتا ہے تو بھی کافر۔ تو پھر ضروریات دین کونسی ہوتی ہیں۔ یہ مسئلہ بہت طویل ہے۔

ضروریات دین کا مطلب

ضروریات دین کا معنی یہ ہوتا ہے کہ دین کی ایسی باتیں جن کو عالم جاہل عام طور پر مسلمان سمجھتا ہے کہ یہ دین کی بات ہے اور اس کا ماننا ضروری ہے یعنی قطعیات سے بھی اس کا ایک درجہ اوپر ہوا کرتا ہے۔ قطعیات کا مطلب ہے اس کا ثبوت ایسا ہو جس میں کوئی شک شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ جیسے کوئی چیز متواترات سے ثابت ہو۔ تواتر کے ساتھ ثابت ہو وہ قطعیات میں سے ہوتی ہے اور تواتر کے پھر چار درجے ہیں یہ بہت علمی بحث ہے جو چھوٹے بچوں کے سمجھنے کی چیز نہیں ہے۔ ایک تواتر اسناد ہوتا ہے ایک تواتر عمل ہوتا ہے ایک تواتر طبقہ ہوتا ہے ایک تواتر قدر مشترک ہوتا ہے۔ اس سے جو احکام ثابت ہوں گے وہ سارے قطعیات میں سے ہیں لیکن قطعیات میں سے پھر ایک اور درجہ ضروریت کا ہے جس کو بدیہات کہا جاتا ہے۔ بدیہات وہ ہوا کرتی ہیں کہ ہر

کسی کو پتہ ہے کہ یہ مسئلہ دین کا ہے اور اس کا ماننا ضروری ہے اس میں کوئی زیادہ نظر استدلال کی بات نہیں ہوا کرتی جس طرح سے اللہ کا وجودُ اللہ کی توحید۔ انبیاء کا وجودُ انبیاء کی رسالتُ اللہ کی طرف سے کتابوں کا آنا پانچ وقت کی نمازوں کا فرض ہونا' روزے کا فرض ہونا حج کا فرض ہونا سود کا حرام ہونا زنا کا حرام ہونا۔ یہ بڑے بڑے احکام اس قسم کے جس کو عام جاہل جانتا ہے کہ یہ دین کا مسئلہ ہے اس کو ضروریات دین کہتے ہیں۔ ان ضروریت دین کا کوئی انکار کرے گا تو انسان کافر ہو جاتا ہے اور بعض دوسرے احکام ایسے ہیں جن کو ہم ما انزل اللہ جانتے ہیں لیکن ان کے ما انزل اللہ کا ثبوت ہمارے سامنے قطعی نہیں بلکہ حدیث ظنی کے ساتھ ہے یا قیاس اجتہاد کے ساتھ ہے اس کا ثبوت قطعی نہیں تو اس کا درجہ ایسے ہوتا ہے جیسے انسان کے ظاہری اعضاء جن کا تعلق خوبصورتی سے ہے کمال سے ہے لیکن ان میں سے کسی کے کاٹ دینے کے ساتھ انسان ختم نہیں ہوتا۔ اسی طرح ان میں سے بھی کسی کے انکار یا چھوڑ دینے سے انسان کافر نہیں ہوتا موٹا سا عنوان اس بارے میں یہ ہے۔

لیکن کون شخص منکر ہے کون شخص منکر نہیں اور اس کو کس طرح سے ماننا ہے جیسے اللہ کی ذات وصفات اب یہ بھی ضروریات دین میں سے ہیں کہ اللہ میں کوئی عیب نہیں کوئی نقص نہیں صفات کمال ساری اس میں پائی جاتی ہیں لیکن یہاں پھر وہی کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو اللہ کی ذات وصفات میں جن کی تعبیر ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہوتی اور اتنی باریک بات کو ہر کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

تکلیف کے درجات عقل کے مطابق ہوتے ہیں اور واقعہ نمبر ا

اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہر شخص کے ساتھ اس کی عقل کے مطابق ہوگا' بیوقوف اور پاگل کے ساتھ اور معاملہ ہے عقل مند اور سمجھدار کے ساتھ اور معاملہ ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے مولانا رومیؒ کہتے ہیں ایک بکریوں کا' بھیڑوں کا چرواہا جس کو اردو زبان میں گڈریا کہتے ہیں وہ بیٹھا ہوا ہے جاہل آدمی بالکل عقل کا موٹا

جانوروں کے ساتھ وقت گزارنے والا وہ بیٹھا اللہ کو یاد کر رہا ہے اللہ کو یاد اس طرح سے کر رہا ہے کہتا ہے کہ اے اللہ اے زمین و آسمان کو پیدا کرنے والے اے مجھے پیدا کرنے والے تو اگر مجھے کہیں مل جائے تو میں تیری خدمت کروں گا بکریوں کا تازہ تازہ دودھ نکال کے تجھے پلاؤں گا میں تیرے کپڑے دھوؤں گا میں تیری مالش کروں گا۔ اپنے خیال کے مطابق وہ محبت کا اظہار کر رہا ہے ور اس طرح سے بیٹھ اللہ کو یاد کر رہا ہے مگن بیٹھا ہوا ہے مست بیٹھا ہوا ہے اللہ سے باتیں کر رہا ہے کہ اگر ملاقات ہو جائے تو میں تیرے ساتھ یوں کردوں۔ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ادھر سے گزر ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ تو کس سے باتیں کر رہا ہے وہ کہنے لگا کہ میں اس سے باتیں کر رہا ہوں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تو موسیٰ علیہ السلام یہ بات سن کے کانپنے لگے اور فرمایا۔

تو مسلمان نہ شدی کافر شدی

تو کیا مسلمان ہوا تو تو کافر ہے۔ اللہ دودھ پیتا ہے؟ اللہ کے کپڑے میلے ہوتے ہیں؟ جو تو نے دھونے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو بدن دبوانے کی ضرورت ہے؟ جو تو یہ باتیں کر رہا ہے تو تیرا ایمان تو خراب ہو گیا۔ کہتے ہیں جب یہ بات اس نے موسیٰ علیہ السلام سے سنی تو بہت پریشان ہو گیا وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اللہ کو یاد کر رہا ہوں اور محبت کا اظہار کر رہا ہوں معاملہ الٹا ہو گیا تو مولانا رومی کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئی۔

کہ وحی آمد سوئے موسیٰ علیہ السلام از خدا
کہ بندہء ماراز ما کر دی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ موسیٰ علیہ السلام تو نے میرا بندہ میرے سے جدا کر دیا وہ تو میرے سے دل لگائے بیٹھا تھا اور تو نے ایسی بات کی کہ تو نے اس کا میرے سے تعلق

توڑ دیا۔ میں نے تجھے اس لیے بھیجا تھا کہ تو بچھڑے ہوؤں کو میرے ساتھ ملائے۔ اس لیے تو نہیں بھیجا تھا کہ ملے ہوؤں کو بچھاڑ دے اور آگے پھر یہی مضمون مولانا نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا موسیٰ علیہ السلام! ہر کسی کے آداب علیحدہ علیحدہ ہیں۔ داناؤں کی بات اور ہوتی ہے نادانوں کی بات اور ہوتی ہے تو بھولے بھالے لوگوں کی بات اور ہوا کرتی ہے ہر ایک کا معیار ایک نہیں ہوا کرتا اس لیے جلدی سے اس بات پر کہ فلاں نے یوں کہا ہے دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کہنے والا کتنا عقل مند سمجھدار کتنی سمجھ کا مالک ہے، ہوسکتا ہے ایک آدمی اپنی نادانی اور بیوقوفی سے ایک صحیح بات کو کسی غلط انداز میں کہدے۔ اس لیے جلدی سے فتوے کی زد میں اس کو نہیں لانا چاہیے۔

واقعہ نمبر۲

لیکن یہ صرف مولانا رومی کی بات نہیں بلکہ حدیث صحیح سے اس بات کی تائید ہوتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا بخاری کی روایت ہے۔ صحاح ستہ میں موجود ہے مشکوۃ میں بھی ہے بنی اسرائیل کے واقعات میں۔ کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک اسرائیلی تھا اور وہ کفن چرایا کرتا تھا ساری زندگی اس نے یہی کام کیا جس کو نباش کہتے ہیں ایک روایت میں کَانَ نَبَّاشًا۔ (ابن حبان ص ۳۲۱ ج ۲) وہ کفن چرایا کرتا تھا۔ جب وہ مرنے کے قریب آیا تو اس نے اپنی اولاد کو جمع کیا جمع کرنے کے بعد پوچھتا ہے کہ میں تمہارے لیے کیسا باپ تھا انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے لیے بہت اچھے باپ تھے وہ کہتا ہے اچھا میں ایک وصیت کرتا ہوں تم اس کے اوپر عمل کرنا اور وہ وصیت یہ ہے کہ جس وقت میں مر جاؤں تو مجھے جلا جلا کے مجھے کوئلہ کر لین کوئلہ کرنے کے بعد پھر اس کو پیسنا پیس کے باریک ذرات اس کے بنا دینا اور بعد میں کسی ہوا والے دن کا انتظار کرنا جس دن کوئی تیز ہوا چلے تو میری وہ پسی ہوئی راکھ آدھی تو ریگستان میں اڑا دینا اور آدھی سمندر میں اڑا دینا یہ وصیت کی اس نباش نے اپنی اولاد کو۔ وہ کہنے لگے جی ایسا کیوں؟ وہ شخص بولا کہ میں نے زندگی میں کوئی نیکی

نہیں کی اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے جمع کرلیا اور زندہ کرلیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا جو اس نے کسی کو عذاب نہیں دیا ہوگا تو کہتے ہیں جب وہ مرگیا اس کی اولاد نے ایسا ہی کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ صحرا سے بھی ذرات اکٹھے ہوگئے اور سمندر سے بھی ذرات اکٹھے ہوگئے۔ اکٹھا کرنے کے بعد اس کو زندہ کرکے سامنے کھڑا کردیا اور کہا تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟ وہ کہتا ہے یا اللہ آپ سے ڈر کے۔ تو اللہ نے کہا اے بندے تو جب مجھ سے ڈر گیا تو میں نے تجھے معاف کردیا۔ (بخاری ص ۴۹۵ ا) یہ تو صحیح حدیث میں بھی موجود ہے لیکن اس پر سوال یہ ہے کہ اس کو اللہ کی قدرت میں شک تھا کہ اگر اللہ نے مجھے جمع کرلیا اور تدبیر اس نے یہ اختیار کی گویا کہ اللہ اس کو اکٹھا نہیں کرسکے گا آدھے ذرات ریگستان میں اڑادیئے اور آدھے ذرات سمندر میں اڑا دیئے تدبیر اس نے اس لیے کی تھی کہ اللہ اس کو جمع نہیں کرسکے گا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ کردیا تو مجھے عذاب دے گا یہ تو اللہ کی قدرت میں شک ہے۔ اور اللہ کی قدرت میں شک کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ مسلمان ہوتا ہی نہیں جب وہ کافر ہوا تو آخرت میں بخشا کیسے گیا یہ اس روایت کے اوپر ایک سوال ہے جو اس کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کی قدرت میں شک تھا اور حدیث میں آتا ہے کہ وہ بخشا گیا وہاں پھر علماء لکھتے ہیں کہ اس بیچارے کو اتنا پتہ تھا کہ اللہ قادر ہے مارنے کے بعد وہ دوبارہ اٹھاتا ہے لیکن اللہ کی قدرت کی یہ باریکیاں وہ نہیں سمجھتا تھا اس نے اپنی عقل کے طور پر جتنا سمجھا اس کے مطابق ایمان لایا اور اتنی باریکیاں اس میں سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی جس کی بناء پر وہ معذور قرار پایا جس طرح سے پورا پاگل انسان ہر بات کا انکار کردے تو اس کے اوپر کوئی گرفت نہیں ہے۔ اس طرح جس کی عقل کمزور ہے۔ وہ اپنی کمزور عقل کی بناء پر اگر بات کی تعبیر غلط کرگیا تو قابل معافی تھا اس لیے قدرت کا احاطہ اتنی باریکی کے ساتھ لیکن جو اس کی عقل میں نہیں آیا تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ بھی معذور قرار دے دیتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوگیا کہ ہر آدمی کی بات اس کے معیار پر دیکھی جایا کرتی ہے۔ کہ یہ

بات کرنے والا سمجھداری سے بات کر رہا ہے۔ عقل مند ہے پاگل تو نہیں ہے۔ اور یہ بات موٹی سی ہے کوئی اتنی باریک تو نہیں جو کسی کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔ یہ ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ جس کی بناء پر جلدی سے کسی کی سنی ہوئی بات پر فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس میں یہ پیچیدگی آ گئی روایت سے اس کی تائید ہوگی اور مولانا رومی کا واقعہ اس کے قریب قریب ہے۔ جس کا حاصل یہی ہے۔ کہ ہر آدمی اپنی عقل کے مطابق مکلّف ہے۔ پاگلوں کا معیار اور ہے۔ عقلمندوں کا معیار اور ہے۔ پھر دین کی موٹی موٹی باتوں کا مسئلہ اور ہے۔

تاویل اور اس کی باریکیوں کو سمجھنا اور پوری طرح سے اس کا احاطہ کر لینا اس کا معیار اور ہے اس لیے عالم کی بات کی تاویل ہم اور کریں گے جاہل کی بات کو کسی اور انداز میں لیں گے ہر ایک کو ایک ڈنڈے کے ساتھ ہانکا نہیں جا سکتا۔

الزام کفر اور التزام کفر

ایک تو یہ بات دیکھنی پڑتی ہے کسی کو کافر قرار دینے کے لیے کہ بات کیسی ہے۔ کتنی موٹی ہے اور کرنے والا کس قسم کا ہے ہر آدمی کو ایک ڈنڈے سے ہانکا نہیں جا سکتا۔ دوسری بات۔ ایک ہوتا ہے الزام اور ایک ہوتا ہے التزام۔ ان دونوں میں بھی فرق ہے اس کو ایک بات سے سمجھئے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک کی مختصر روئیداد

پاکستان کی اسمبلی میں جس وقت یہ مسئلہ پیش ہوا کہ مرزائی کافر ہیں یا مسلمان؟ یہ ۱۹۷۴ء کی بات ہے جب بھٹو کے دور میں ختم نبوت کی بات چلی تھی مسلمان قرار دیں یا کافر قرار دیں۔ یہ آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ نتیجتاً اسمبلی نے مرزائیوں کو بالاتفاق کافر قرار دے دیا تھا۔ اور پاکستان کے آئین میں مرزائی غیر مسلم ہیں کافر ہیں مسلمان نہیں اور یہ فیصلہ ہوا تھا ۷۴ء میں اب یہ جو مرزائی تھے نہ لا الہ الا اللہ کے منکر تھے نہ محمد رسول اللہ کے منکر تھے اور نہ یہ آخرت کے منکر نہ یہ قرآن کے منکر تھے۔ یہ

ایک مسئلے کے منکر تھے جس کو ہم ضروریات دین میں سے سمجھتے ہیں کہ جس وقت سرور کائنات ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ اب آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ یہ تھا عقیدہ جو مسلمانوں میں چلا آرہا تھا آپ حضرات کو معلوم ہے نا؟ (جی) یہ لفظ جو میں نے بولا کہ نیا نبی نہیں آئے گا۔ یہ نیا کا لفظ اس لیے بولا ہے کہ پرانا نبی اگر لوٹ کے حضور ﷺ کے زمانے میں آجائے تو ختم نبوت کے منافی نہیں جیسے عیسی علیہ السلام تشریف لائیں گے لیکن وہ پہلے کے نبی بنے ہوئے ہیں آپ کے نبی بننے کے بعد ان کو نبوت دنیا میں نہیں ملی۔ اس لیے اگر پہلا نبی لوٹ کے آپ کے دور کے اندر آجائے تو یہ ختم نبوت کے منافی نہیں نئی نبوت کسی کو نہیں ملے گی اور آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا عیسی علیہ السلام پہلے کے نبی ہیں اور اللہ تعالی نے ان کو زندہ اٹھایا ہوا ہے اور زندہ اٹھانے کے بعد حدیث شریف میں ثابت ہے قطعیات میں سے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اتریں گے آئیں گے لیکن حضور ﷺ کی شریعت کے متبع ہوں گے اپنی شریعت نہیں چلائیں گے لیکن رہیں گے منصب نبوت پر یہ نہیں کہ ان کی نبوت کا منصب ختم ہو جائے گا یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے ہے کہ حضور ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی۔ اور آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں بنایا جائے گا یہ ہے ضروریت دین میں سے۔

پہلا اجماع ختم نبوت کے مسئلے پر

اس عقیدے کا انکار سب سے پہلے مسیلمہ کذاب نے کیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلا اجماع اس مسئلے پر ہوا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پہلا غزوہ مسیلمہ کذاب کے خلاف ہوا جس میں بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور پھر مسیلمہ کذاب کو قتل کر کے اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔

اور مدعی نبوت کو برداشت نہیں کیا گیا تو پہلا اجماع اسی ختم نبوت کے مسئلے پر ہوا مسیلمہ کذاب نے یہی دعویٰ کیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالاتفاق اس کے خلاف جہاد کیا اور اس کو ختم کر دیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ سرور کائنات ﷺ کے بعد کسی طرف سے

نبوت کا دعویٰ قابل برداشت نہیں اور یہ ضروریت دین کے ایک مسئلے کا انکار ہے تو مسئلہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے تھا جیسا کہ آجکل آپ نے پڑھا ہوگا ایک دن ہمارے مفتی صاحب کا بھی فتوی آیہ ہوا تھا یوسف کذاب کے متعلق کہ یہاں بھی ایک شخص نے نبوت کا دعوی کیا ہوا تھا آج کل وہ گرفتار ہے اور اس نے بھی اپنے آپ کو نبی بنایا ہوا ہے اور جیسے مرزا قادیانی کے خلاف فتویٰ لگا اس کے خلاف بھی اسی قسم کے فتوے لگ رہے ہیں اور وہ عدالت میں پیش ہوا ہے کیس ہوا ہے اور اس کا مدعی جو ہے اللہ کے فضل وکرم سے ہمارے ہی فارغ التحصیل فاضل مولانا محمد اسماعیل صاحب شجاع آبادی ابو بکر کے والد ہیں اور عدالت میں کیس کیا ہوا ہے۔ انشاء اللہ العزیز فیصلہ یہی ہوگا کہ یہ کذاب ہے۔ جھوٹا ہے اس کی سزا وہی ہونی چاہیے جو مسیلمہ کذاب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سزا دی یعنی قتل۔ مدعی نبوت کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

اسمبلی میں فریقین کی دلچسپ بحث

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ جب قومی اسمبلی کے اندر یہ مسئلہ زیر بحث آیا تو حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ اسی اسمبلی میں تھے مولانا غلام غوث ہزاروی تھے مولانا عبد الحق صاحب اکوڑہ خٹک والے تھے یہ بڑے بڑے اساطین علم اس وقت اسمبلی میں تھے جب یہ بات چل رہی تھی اور باقی اکثریت ان لوگوں کی تھی جو بالکل دین سے جاہل تھے اور جاگیردار قسم کے لوگ سرمایہ دار قسم کے لوگ لیکن اتنا وہ سمجھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ختم نبوت والی باقی رکھنی ضروری ہے عقیدہ ان کا ٹھیک تھا تو حضرت مفتی محمود سے یہ بات میں نے براہ راست سنی تھی۔ آپ کو ایک مسئلہ سمجھانے کے لیے واقعہ بیان کر رہا ہوں فرمانے لگے کہ اسمبلی کی طرف سے مرزا ناصر کو طلب کر لیا گیا جو اس زمانے میں جانشین تھا قادیانیوں کا جو خلیفہ تھا اور ناصر اس کا نام تھا پہلا پہلا خیفہ ہوا ہے حکیم نوالدین بھیروی اور دوسرا تھا بشیر ادین محمود یہ مرزا قادیانی کا بیٹا تھا اور تیسرا یہ ناصر تھا یہ بشیر الدین محمود کا بیٹا اب یہ چوتھا طاہر جو یہاں پاکستان سے بھاگ کے اب انگلینڈ میں بیٹھا ہے یہ چوتھا

خلیفہ ہے مرزا قادیانی کا۔ تو یہ ناصر خلیفہ مرزا قادیانی کا تھا۔ تو اس کو بلایا گیا جو اس وقت خلیفہ تھا کہتے ہیں کہ بڑی اس کی شاندار داڑھی بڑا اس کا صاف ستھرا رنگ پگڑی اس نے سر پے باندھی ہوئی تھی اور اسمبلی میں پیش ہوگیا جب وہ اسمبلی میں پیش ہوا تو اس نے ایک ایسا کھیل کھیلا کہ وہ اتنے سارے فتوے ساتھ لایا اور اس نے تقریر کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ جی دیکھو مسلمانوں کے مختلف فرقے ہیں بریلوی دیو بندیوں کو کافر کہتے ہیں اور دیو بندی بریلویوں کو مشرک کہتے ہیں اور غیر مقلدین مقلدوں کو مشرک کہتے ہیں اور مقلد غیر مقلدوں کو کافر کہتے ہیں اور فلاں فرقہ فلانے کو کافر کہتا ہے فلانا فلانے کو کافر کہتا ہے۔ اگر یہ کفر کے فتوے لگنے کے باوجود مسلمان ہیں کافر نہیں تو اگر ہم پر کفر کے فتوے لگ گئے تو کیا ہوا؟ تو اس نے اس قسم کے سارے حوالے پیش کر دیے اور کہا کہ جب ان کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کہ ان کو اقلیت قرار دیا جائے اس طرح ہمارا بھی ایک فرقہ ہے جب ہمارا بھی فرقہ ہے تو ہمیں اگر کوئی کافر کہے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا جیسے بریلویوں کو مشرک کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا دیو بندیوں کو کافر کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا مقلدوں کو مشرک کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا غیر مقلدوں کو کافر کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اسی طرح سے اگر ہم بھی ایک فرقہ ہوں تو ہمیں بھی یہ لوگ کافر کہیں تو اس میں کیا حرج ہے اقلیت قرار دینا ہے تو سب کو اقلیت قرار دے دو ورنہ پھر جس طرح باقی اقلیت نہیں ہمیں بھی اقلیت قرار نہ دو اور جب اس نے تقریر میں فتوے پڑھ کے سنائے تو حضرت مفتی رحمۃ اللہ صاحب کہتے ہیں کہ میں تو بہت پریشان ہو گیا میں دیکھ رہا تھا کہ اسمبلی کے ممبر جتنے سرمایہ دار اور جاگیر دار اور اس قسم کے تھے سب کے چہروں کے رنگ ہی بدل گئے۔ کہ بات تو ٹھیک ہے یہ تو سارے ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہیں پھر اگر مرزائیوں کو کافر کہہ دیا تو کیا فرق پڑتا ہے تو یہ تقریر اس نے اس انداز میں کی کہ اسمبلی کا ماحول سارے کا سارا متاثر ہوگیا تو مفتی صاحب (کیونکہ وہاں بحث وکیل کرتا تھ) تو انہوں نے نے وکیل کو یہ نکتہ پڑھایا جو میں آپ کو سمجھانے

کے لیے سن رہا ہوں مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے اس مسئلے کی وضاحت یوں کی کہ بریلوی دیو بندیوں کو کافر کہتے ہیں۔فتوی دیتے ہیں ان کا فتوی صحیح ہے لیکن اس کے باوجود دیو بندی مسلمان ہیں۔اور دیو بندی بریلوی کو مشرک کہتے ہیں فتوی صحیح ہے لیکن اس کے باوجود بریلوی مسلمان ہیں اور وہ مشرک نہیں ہیں؟ کیوں؟ اس لیے کہ دیو بندی بریلویوں کو اس لیے مشرک کہتے ہیں کہ تم اولیاء اللہ کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو تو بریلویوں کے سامنے جب یہ فتوی جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ فتوی بالکل صحیح ہے جو اولیاء اللہ کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ مشرک ہیں لیکن ہم اولیاء اللہ کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے ہم لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں ہم اللہ کا شریک کیسے ٹھہرا سکتے ہیں تو فتویٰ اپنی جگہ صحیح ہونے کے باوجود ان پہ فٹ نہیں آیا بریلوی کہتے ہیں کہ دیو بندی کافر ہیں کیوں کہ تم اللہ کے نبی کی توہین کرتے ہو۔جس وقت فتوی دیو بندیوں کے پاس آتا ہے وہ کہتے ہیں فتوی صحیح ہے کہ جو اللہ کے نبی کی توہین کرے وہ کافر ہے ہم بھی کہتے ہیں کافر ہے لیکن ہم توہین نہیں کرتے۔یعنی جو بناء فتویٰ ہے اس کو دوسرا آدمی تسلیم نہیں کرتا اس کو کہتے ہیں الزام دینا دوسرے کو بریلوں کو ہم کہتے ہیں تم مشرک ہو تم اللہ کے ساتھ غیر کو شریک کرتے ہو وہ کہتے ہیں ہم تو شریک نہیں کرتے ہم تو وحدہ لاشریک کہتے ہیں ہم مشرک کیسے ہو گئے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ مشرک ہوتا ہے فتوی صحیح ہے اور ہمیں کافر کیوں کہا کہ دیو بندی کہتے ہیں اللہ جھوٹ بولتا ہے اور نبی کا درجہ بھائی کے برابر ہے یا مولانا قاسم نانوتوی نے ختم نبوت کا انکار کیا ہے یا حضرت تھانوی نے نبی کے علم کی توہین کی ہے۔کہ پاگلوں کو بھی ایسا علم ہوتا ہے جیسا نبی کے پاس ہوتا ہے۔ہم کہتے ہیں فتوے سارے صحیح ہیں جو یہ بات کہتے ہیں ان کو ہم بھی کافر کہتے ہیں۔لیکن حاشا وکلا ہم یہ بات نہیں کہتے نہ ہم نے یہ بات کی ہے اور فتویٰ صحیح ہے ہم بھی کہتے ہیں جو ایسا کہے وہ کافر ہے۔یعنی اگر کسی بریلوی سے آپ پوچھیں گے کہ جو ولی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ مشرک ہے کہ نہیں وہ کہے گا بالکل مشرک ہے پھر ہم پوچھیں گے تم شریک

ٹھہراتے ہو یا نہیں وہ کہے گا نہیں ہم تو شریک نہیں ٹھہراتے ہم تو اللہ کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں جس کا کوئی شریک نہیں تو فتویٰ کیسے صادق آیا پھر ہم کہتے ہیں کہ تم (مرزائی) کافر ہو تم پوچھو کہ کیوں؟ ہم کہتے ہیں تم اس لیے کافر ہو کہ تم حضور ﷺ کے بعد مرزا قادیانی کو نبی مانتے ہو وہ کہیں گے ہاں مانتے ہیں تو اب جس وقت وہ کہتے ہیں کہ ہاں بالکل ہم مانتے ہیں تو فتویٰ بھی صحیح ہوا فٹ بھی آ گیا۔۔ مکہ کے مشرک مشرک تھے کیوں مشرک تھے واقعتاً مشرک تھے اور س بات کا التزام بھی کرتے تھے کہ الٰہ اخری بھی ہیں الہ واحد نہیں ہے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا کیا اس نے سارے خداؤں کو ایک ہی خدا بنا دیا ہے اتنا بڑا کاروبار اکیلے کیسے چلائے گا تو وہ اپنے معبودوں کو الہ کہتے تھے اور اس لیے وہ الہ کا لفظ استعمال کرتے تھے نعبد کا لفظ عبادت کا لفظ استعمال کرتے تھے تو وہ اقراری مشرک تھے انہوں نے اقرار کیا یہ ان کا التزام ہے کہ انسان اس بات کو مان لے جو بناء کفر ہے جس وقت وہ بناء کفر کو مان لے گا تو یہ التزام ہو گیا کہ وہ حقیقت کے اعتبار سے کافر بھی ہو گیا مشرک بھی ہو گیا لیکن اگر وہ کہے میں تو یہ نہیں کہتا میرے اوپر الزام لگاتے ہو جیسے ہم کہتے ہیں کہ تم دیو بندیوں پہ الزام لگاتے ہو کہ ہم نبی کی توہین کرتے ہیں نبی کی توہین کرنے والے کو دیو بندی بھی کافر کہتے ہیں وہ کہتے ہیں تم اس لیے کافر ہو کہ تم نبی کی شان کو ڈھاتے ہو اور بھائی کے برابر کر دیتے ہو ہم کہتے ہیں جو بھائی کے برابر کہتا ہے کافر ہے اور تم ہم پر الزام لگاتے ہو ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں اس کو کہتے ہیں الزام لگانا کہ کوئی دوسرا آدمی انکار کرے اور تم کہو کہ نہیں ایسی بات ہے تو یہ ہو گا الزام اور جو مان لے کہ ہاں ایسی بات ہے یہ ہو گا التزام تو جہاں التزام ہو وہاں حقیقتاً انسان کافر ہو جاتا ہے جہاں الزام کی بات ہو اور دوسرا آدمی انکاری ہو وہاں فتویٰ صحیح ہونے کے باوجود دوسرا آدمی کافر نہیں ہوتا جب وہ وجہ کفر کو تسلیم نہیں کرتا تو پھر وہ کافر کیسے ہوا فیصلہ پھر اللہ کے ہاں جا کے ہو گا کہ ہم نے ان کے خیالات سے جو بات سمجھی ہے ہماری سمجھی ہوئی ٹھیک ہے یا نہیں اور جو ہم کہتے ہیں کہ تمہارا یہ عقیدہ ہے ہمارا

یہ سمجھا ہوا ٹھیک ہے یا نہیں بہر حال اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے اس فتوے کی زد میں آ کے وہ کافر نہیں ہوتے جب تک وہ بناء کفر کو تسیم نہ کریں اور اگر بناء کفر کو تسلیم کر لیں تو التزام ہو جاتا ہے اور التزام کے بعد پھر وہ فتویٰ صحیح طور پر صادق آ جاتا ہے اس لیے مزائیوں کو کافر قرار دیا گیا تو اس لیے کافر قرار دیا گیا کہ حضور ﷺ کی ختم نبوت کے منکر تھے وہ کہتے تھے نبوت جاری ہے اور آپ کے بعد کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور مزرا غلام احمد قادیانی یہ نیا نبی آ گیا اور اس کے اوپر ایمان لانا ضروری ہے یہ ایسے ہی تھا جس طرح مشرکین مکہ اپنے بتوں کو الٰہ کہتے تھے تو وہ اقراری مشرک تھے تو یہ اقراری کافر ٹھہرائے۔ اور جہاں دوسرے کو الزام دیا جائے لیکن دوسرا اس کو تسلیم نہ کرے تو وہاں فتویٰ صحیح ہونے کے باوجود دوسرے کا کافر ہونا ضروری نہیں۔

اس لیے وہاں جب اس بات کی وضاحت کی گئی تو سب ہاؤس والے مطمئن ہو گئے کہ یہ بات ٹھیک ہے کہ یہ جماعتوں کے فتوے جو ایک دوسرے پر ہیں وہ لوگ تسلیم نہیں کرتے۔ فتوے کو صحیح سمجھتے ہیں اور یہ لوگ جب فتویٰ ان کے اوپر لگایا گیا ہے یہ اس فتوے کو صحیح سمجھتے ہیں اور مبنی کفر کا اقرار کرتے ہیں جب مبنی کفر کا اقرار کرتے ہیں تو ان کا کافر ہونا صحیح طور پر ثابت ہو گیا اور یہ فرقے جو ایک دوسرے کو اس قسم کی باتیں کہتے ہیں یہ الزام ہے یہ التزام نہیں اس لیے ضروری نہیں کہ اس فتوے کے صحیح ہونے کے باوجود جس کے متعلق فتویٰ دیا گیا ہے۔ وہ بھی کافر قرار پایا جائے یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔

اس لیے اس کا بھی فرق کرنا ہوتا ہے کہ یہ بات جو ہم کسی کے متعلق کہہ رہے ہیں کیا یہ الزام ہے یا دوسرے فرقے کی طرف سے التزام بھی ہے۔

اگر التزام ہو گیا تو فتویٰ صحیح ثابت ہو گیا اور وہ کافر بھی قرار پا جائے گا۔

اور اگر التزام نہیں بلکہ الزام ہے کہ ہم ان پر الزام لگاتے ہیں اور وہ ہم پر الزام لگاتے ہیں لیکن اس مبنی کو نہ وہ تسلیم کرتے ہیں نہ ہم تسلیم کرتے ہیں۔

اس لیے فتویٰ صحیح ہونے کے باوجود دوسرے کا کافر ہونا لازم نہیں آئے گا یہ فرق

سمجھ گئے ہو (جی) اس لیے الزام اور التزام کے اعتبار سے بھی فرق کرنا پڑتا ہے۔

ملائکہ اور جنوں کا انکار کفر ہے

اب مثال کے طور پر ضروریات دین میں ملائکہ کا وجود ہے اور ایک آدمی انکار کرتا ہے کہ ملائکہ کا کوئی قصہ نہیں جیسے منکرین حدیث میں سے بعض کا قول تھا کہ یہ ملائکہ اور جن یہ جراثیموں کے نام ہیں جو صحت کے لیے مفید جراثیم ہیں وہ ملائکہ اور صحت کو نقصان پہنچانے والے جراثیم ہیں وہ جن ہیں وہ شیاطین ہیں اگر کوئی اس قسم کی تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خارجی طور پر نہ جنوں کا وجود ہے نہ ملائکہ کا وجود ہے اگر اس طرح سے کہتا ہے تو یہ انکار ہوگا اور کفر کا التزام ہوگا اور اس کو کافر قرار دیں گے۔

تحریف قرآن کا عقیدہ کفریہ ہے

اور اسی طرح سے قرآن کریم جو اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے یہ ضروریات دین میں سے ہے کہ ہم اس قرآن کو سمجھیں کہ یہی قرآن ہے جو منزل من اللہ ہے اور اس کا ایک ایک لفظ قطعیات میں سے ہے اور بدیہیات وضروریات میں سے ہے ضروری کا لفظ جو بول رہا ہوں اس موقع پر بولا جاتا ہے یہ ضروری کا لفظ بدیہی کے معنی ہے جس کو آپ منطق میں پڑھتے ہیں علم ضروری اور علم بدیہی دونوں کا مطلب یہ ہوتا ہے جو غور وفکر کے بغیر حاصل ہو اس میں نظر وفکر کی ضرورت نہ ہو اس کو ضروری اور بدیہی کہتے ہیں اب ایک آدمی کہتا ہے کہ میں قرآن کریم کو تو مانتا ہوں کہ آسمان سے یہ کتاب اتری ہے لیکن یہ کتاب جو تمہارے ہاتھ میں ہے یہ وہ قرآن نہیں تو وہ ضروریات کا منکر ہے۔

یا اس قرآن کی بعض آیت کے متعلق کہتا ہے منزل من اللہ نہیں بلکہ کسی اور نے درمیان میں گھڑ دیں جس کو تحریف کا قول کہا جاتا ہے اگر کوئی شخص اس قسم کی تحریف کا قول کرتا ہے تو وہ بھی ضروریات کا منکر ہے جب ضروریات کا منکر ہے تو وہ بھی کافر ٹھہرے گا۔

قرآن کریم کو اسی شکل اور ہیئت کے ساتھ انہی الفاظ اور انہی آیت کے ساتھ ماننا یہ ضروریت دین میں سے ہے ایک آدمی اس کو تسلیم نہیں کرتا وہ کہتا ہے کہ نہیں قرآن کریم تو ٹھیک اترا ہے اللہ کی طرف سے لیکن یہ وہ نہیں ہے بلکہ وہ قرآن تو غائب ہوگیا یہ قرآن تو بعض لوگوں نے مل جل کے بنایا اس میں سے بہت ساری باتیں نکال دیں اور بہت ساری باتیں اپنی شامل کر دیں قرآن ٹھیک ہے لیکن یہ وہ قرآن نہیں ہے جو تمہارے ہاتھ میں ہے اگر کوئی اس قسم کی بات کہتا ہے تو اس کے کفر کے بارے میں کوئی شک نہیں کیونکہ یہ ضروریات دین میں سے ہے اور اس کے ایک ایک لفظ کو منجانب اللہ ماننا ضروری ہے تحریف سے مبرا ماننا ضروری ہے جو اس کتاب کے اندر تحریف کا قول کرے جو بھی قول کرے تو اس کا کفر بالکل التزامی کفر ہوگا اور اس کے کفر میں کوئی کسی قسم کا شک شبہ نہیں۔

شیعہ کا تصورِ امامت کفریہ ہے

یا جیسے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مبشرات میں ایک روایت لکھی ہوئی ہے پچھلے دنوں میں خمینی کے انقلاب کے بعد جب یہ شیعوں کا کفر زیر بحث آیا پوری دنیا میں صرف پاکستان میں نہیں پوری دنیا میں اور اس بارے میں کتابیں چھپیں رسالے چھپے تو دیو بند میں بھی دیو بند کی شوریٰ کے اندر یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ اس بارے میں فتویٰ جاری کیا جائے اور اس کی بنیاد کس بات پہ رکھی جائے دیو بند سے جو فتوی آیا دارالعلوم دیو بند رسالہ میں شائع ہوا اس کا دارومدار اس بات پر رکھا گیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے روحانی طور پر روحانی فیضان حاصل کرتے ہوئے خواب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی جب زیارت ہوئی تو میں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ شیعہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں ان کے دین کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو آپ نے فرمایا کہ ان کا دین باطل ہے اور ان کے دین کا بطلان لفظ امام سے واضح ہے یہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خواب میں اتنی بات ہوئی تو

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بیدار ہونے کے بعد اس میں غور کیا کہ یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے دین کا بطلان لفظ امام میں ہے اس کا کیا مطلب؟ جب میں نے امام کے متعلق ان کے عقیدے کی تفصیل پڑھی کہ وہ امام کو معصوم مانتے ہیں اور مفترض الطاعات مانتے ہیں کہ اس کی طاعت فرض ہے اس کو تحلیل وتحریم کا اختیار دیتے ہیں کہ جس چیز کو چاہے وہ حلال کردے جس چیز کو چاہے وہ حرام کردے اور اس کو موحیٰ الیہ مانتے ہیں کہ ان کی طرف وحی بھی آتی ہے تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سمجھا کہ یہ تو ساری صفات نبی کی ہیں جو انہوں نے مان لیں۔

اگرچہ انہوں نے نبی کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن امام کو فائز کرلیا نبوت پر۔ اس لیے ان کے کفر کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ جو فرمایا تو گویا کہ اس سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے اور ایسی شخصیات کو نبوت کے منصب پہ چڑھا دیا گیا اگرچہ نبی کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا لیکن لوازمات سارے کے سارے وہی آگئے تو میں سمجھا کہ یہی بناء ہے ان کے کفر کی دیوبند سے جو دارالعلوم کے اندر فتویٰ شائع ہوا انہوں نے بناء اسی پہ رکھی۔

کہ ان کا یہی عقیدہ ان کے کفر کے سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ مسلمان جو اہل السنت و الجماعت کہلاتے ہیں ان سے یہ علیحدہ ہیں کہ یہ مسلم ہیں وہ مسلم نہیں اس فتوے کا دارومدار دارلعلوم رسالہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اسی بات پہ رکھا گیا اور پھر قابل غور بات یہ ہے کہ باتیں تو بہت ساری تھیں جو کفریات پہ دلالت کرتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق افک کا قول ان کے متعلق ان کی عصمت کے خلاف قول کی نسبت یہ بھی کفر ہے کیونکہ دو رکوع قرآن کریم میں موجود ہیں جو ازواج مطہرات کے پاک صاف ہونے کا انکار کرے گا تو گویا کہ دو رکوعات کا منکر ہے اور اسی طرح قرآن کریم کی تحریف کا قول اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی طرف بعض ایسی باتیں منسوب کرنا جو اللہ کے اوپر عیب لگانا ہے بداوغیرہ کی نسبت جو کرتے ہیں یہ ساری

باتیں تھیں لیکن سردار کائنات ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کیوں کیا اس کی کیا وجہ ہے تو کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیدہ جو بھی آپ ان کی طرف منسوب کریں وہ کہہ سکتے ہیں کہ تم ہمیں الزام دیتے ہو ان کو بات واضح کر کے دکھائیں۔ کہیں گے یہ بات ان کی ہو گی جنہوں نے لکھی ہے ہم اس بات کو نہیں مانتے ہمارا عقیدہ نہیں ہے ہم قرآن کو مانتے ہیں غیر محرف مانتے ہیں اور ہم افک عائشہؓ کے قائل نہیں ہم صحابہ کی تکفیر کے قائل نہیں ان سب باتوں کا وہ انکار کر سکتے ہیں لیکن ائمہ کے معصوم ہونے کا وہ انکار نہیں کر سکتے اور ائمہ کے متعلق جو ان کا عقیدہ ہے اس کا وہ انکار نہیں کر سکتے تو بناء ایسی چیز پر رکھی گئی جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔

جب آپ پوچھیں گے تو کہیں گے بارہواں امام معصوم اور امام کے متعلق ان کا عقیدہ جس سے چاہو پوچھ لو وہ یہی کہیں گے اور یہی سب کو بیان کریں گے تو ایسی چیز کے اوپر بناء رکھدی گئی جس کے انکار کی گنجائش نہیں جیسے کے مرزائیوں کے کفر کی بناء جو ہے۔

وہ ختم نبوت کے عقیدے کے انکار پر رکھی گئی جس کا وہ اقرار کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد نبوت جاری ہے تو ضروریات دین کا انکار یہ کفر بن جاتا ہے پھر جب انسان لتزام بھی کرے تو اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی اس لیے حضرت مولانا بوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ نے ان ہی دنوں میں ایک چھوٹا رسالہ لکھا تھا اور اس رسالے میں انہوں نے عنوان رکھا تھا تصویر کے دو رخ یہ رسالہ عام ملتا ہے تصویر کے دو رخ کا مطلب یہ تھا کہ ایک ہے وہ اسدم جو اہسنّت والجماعت پیش کرتے ہیں اور ایک ہے وہ اسلام جس کو دوسرا طبقہ پیش کرتا ہے اور یہ دونوں دو رخ ہیں تصویر کے اگر یہ مومن ہیں تو یہ لازماً کافر اور اگر یہ مومن ہیں تو یہ لازماً کافر دونوں مومن نہیں ہو سکتے دونوں کافر نہیں ہو سکتے اس طرح سے دونوں تصویروں کے درمیان میں تضاد ہے کہ یہ عقیدہ اسلام کا ہے یہ عقیدہ دوسرا ہے تو جس وقت یہ دونوں باتیں سامنے آ جائیں گی تو سامنے

آ جانے کے بعد یہ بات سمجھنی آسان ہو جاتی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کفر ہے اور ایک اسلام ہے۔

دوسرے کو کافر کہنے کے احکام

اب یہ ایک علمی بحث ہے کہ جس وقت ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے عقائد یہ ہیں اور ان عقائد کی بناء پر دوسرا آدمی ہمیں کافر کہتا ہے تو لازمی بات ہے کہ اگر ہم مسمان ہیں تو پھر دوسرا کافر یہ جو بات آیا کرتی ہے کہ اگر کسی کو کافر کہا جائے تو جس کو کہا جائے اگر وہ کافر نہ ہو تو پھر کہنے والا کافر ہو جاتا ہے یہ بات بھی آپ نے سنی ہو گی۔

جب یہ حدیث شریف میں بحث آتی ہے تو پھر ہم تفصیل بتایا کرتے ہیں کہ ایک ہے کسی کو کافر کہنا بطور گالی کے جیسے کسی کو کہا جائے یہودی چوڑھا بے ایمان بطور گالی کے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں کوئی تفصیل سامنے نہیں ہوتی تو یہ ایک گالی کے درجے کی بات ہے جس میں کفر و ایمان کی بحث نہیں چلتی اس میں ہوتا ہے تشبیہاً کہنا کہ تیرے اخلاق ایسے ہیں جیسے کافروں کے ہوتے ہیں تیرے اخلاق ایسے ہیں جیسے چوڑھوں کے ہوتے ہیں اس لیے کہ دیا چوڑھا' چمار یہ انسان دوسرے کو گالی دیتے ہوئے کہہ دیتا ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تیرا اخلاق اور کردار ایسا ہے کہ تجھے یہودی کہا جائے تیرا اخلاق اور کردار عیسائیوں جیسا ہے مسلمانوں جیسا نہیں ہے۔ یہ بطور گالی کے ہوتا ہے جب یہ بطور گالی کے ہوتا ہے تو اس میں کفر کی بحث نہیں ہوتی اور ایک ہوتا ہے یہ تفصیل جاننے کے بعد ایک عقیدے کو بنیاد بنا کے کہ چونکہ تیرا یہ عقیدہ ہے اس لیے تو کافر ہے۔ تو یہ لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کم از کم کہنے والے کا وہ عقیدہ نہیں ہے اگر وہ عقیدہ اسلام ہے تو کہنے والا اس عقیدے سے خالی ہے وہ خود کافر ہو جائے گا دوسرا مسلمان اور یہ کافر۔ اب مثال کے طور پر ایک آدمی کہتا ہے کہ تو کافر ہے کیونکہ تو قرآن کریم کو اللہ کی کتاب مانتا ہے۔ اب آپ جانتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی کتاب ماننے کی بناء پر کافر کہا گیا تو لازمی بات ہے کہ جو کہنے والا ہے وہ قرآن کریم کو اللہ کی

کتاب نہیں مانتا۔ جب اللہ کی کتاب نہیں مانتا تو ماننے والا مسلمان ہے اور یہ کہنے والا کافر ہے اگر وہ کافر ہے تو یہ کہنے والا مسلمان ہے کیونکہ اس فتوے کا مطلب یہ ہے کہ تیرا یہ عقیدہ ہے میرا عقیدہ نہیں جب اس تفصیل کو جاننے کے بعد کسی کو کافر کہا جائے تو پھر بات لوٹ کے آتی ہے کہ اگر دوسرے کا عقیدہ اسلام کا ہے تو اس کہنے والے نے چونکہ اس عقیدے کا انکار کیا۔ کیونکہ اس کو جو کافر کہا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ خود اس عقیدے کا قائل نہیں ہے تو جب یہ اس عقیدے کا قائل نہیں ہے اگر وہ مسلمان ہے تو یہ لوٹ کے کافر ہو جائے گا۔

جیسے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا سورۃ سباء کے آخری رکوع میں جس طرح سے ہے کہ میں یا تم ہدایت پر ہیں یا گمراہی پر ہیں آپ نے اس طرح سے بات کی کہ بات ذرا غور سے سنو تو سہی جس وقت تمہارے سامنے بات آ گئی تھی کہ تم گمراہی پر ہو تو میں ہدایت پر ہوں اور تم ہدایت پر ہو تو میں گمراہی پر ہوں دونوں گمراہ نہیں دونوں ہدایت پر نہیں بسا اوقات گفتگو کا انداز اس قسم کا ہوا کرتا ہے کہ دونوں باتوں کا تضاد ذکر کر دیا جاتا ہے کہ تو کافر ہے تو میں مسلمان ہوں میں کافر ہوں تو تو مسلمان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ساتھ ہمارے عقیدے کا اتحاد ہے جو عقیدہ ابو بکر کا وہی ہمارا جو عقیدہ عمر کا وہی ہمارا جو عقیدہ عثمان کا وہی ہمارا۔ تو ہمارے عقائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد کے مطابق ہیں اور ہم ان کے کردار کو ایک اچھا کردار سمجھتے ہیں اور عین اسلام سمجھتے ہیں ایمان کا معیار سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر کیا منافقوں کے بارے میں (اذا قیل لھم اٰمنو کما اٰمن الناس) الناس سے وہاں صحابہ مراد ہیں جو اس وقت موجود تھے۔ یعنی ایمان ویسے لاؤ جیسے یہ لوگ ایمان لائے ہیں۔ (قالوا نؤمن کما اٰمن السفھاء) وہ کہتے تھے ہم ایسے ایمان لائیں جیسے سفہاء اور نادان قسم کے لوگ ایمان لائے ہیں؟ تو گویا صحابہ کے ایمان کو انہوں نے نادانوں کا ایمان کہا اور اللہ کہتا ہے ایمان ایسے لاؤ جس طرح سے یہ لوگ ایمان لائے تو الناس کا ایمان یہ صحیح ایمان

کے لیے معیار بن گیا اور ہمارا عقیدہ بھی وہی ہے جو عقیدہ ابو بکر کا جو عقیدہ عمر کا وہی ہمارا عقیدہ۔ جو عثمان کا وہی ہمارا عقیدہ جو علی کا عقیدہ وہی ہمارا عقیدہ تو ہم ایمان لائے اس طرح سے جس طرح سے یہ لوگ ایمان لائے تھے اور جو شخص ان کو کہے کہ ان کے عقائد اور کردار یہ ہے اور اس کردار کی بناء پر وہ منافق یا کافر ہیں تو ہم بھی منافق یا کافر ہوئے' کیونکہ ہمارا ان کے ساتھ اتحاد ہے۔ جس کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم کافر اس کے نزدیک ہم بھی کافر۔ تو جو شخص صحابہ کو کافر کہتا ہے وہ ہمیں کافر کہتا ہے تو جس وقت عام طور پر بات سامنے آتی ہے کہ صحابہ کی تکفیر ہوگئی تو گویا ہماری تکفیر ہوگئی تو ہماری تکفیر پر شور نہ ہو جب ہم یہ کہیں کہ بھائی صحابہ بھی مومن ہیں تو ہم بھی مومن ہیں اور جن کا عقیدہ ان کے عقیدے کے مطابق نہیں وہ مومن نہیں بلکہ دوسرے فریق میں چلا گیا جو ان کو سفہاء اور نادان کہتا ہے ان کے عقیدے کے مطابق وہ عقیدہ نہیں رکھتا۔ تو یہ تو ایک واضح بازگشت ہے جیسی کہو ویسی سنو۔

فرمان الٰہی لاتسبوا کا صحیح مفہوم

تو بسا اوقات جب یہ بات ہوتی تھی تو بعض بعض لوگ کہتے تھے کہ بھائی قرآن کریم میں آتا ہے (لا تسبوا الذین یدعون من دون اللّٰہ) کہ یہ مشرک جو اللہ کے علاوہ دوسری چیزوں کو پکارتے ہیں ان کو گالی نہ دو وہ مقابلے میں آ کے تمہارے اللہ کو گالی دیں گے۔ اس لیے اس فرقے کے متعلق ایسے لفظ استعمال کرنا اس آیت کے خلاف ہے۔ ایسے نہیں کرنا چاہیے' یہ بات کئی دفعہ دوست پوچھ لیا کرتے تھے تو میں انہیں یہ کہا کرتا تھا کہ بھائی بات سنو اگر تو ابتداء ہوئی ہے اہلسنّت کی طرف سے تو پھر تو یہ آیت اہلسنّت کو پڑھ کے سناؤ اور اگر یہ ابتداء ہوئی ہے دوسرے فریق کی طرف سے تو یہ اہلسنّت کو پڑھ کر نہ سناؤ دوسرے فریق کو پڑھ کر سناؤ ابتداء ان کی طرف سے ہوئی ادھر سے آواز بازگشت کے طور پر اگر کوئی بات آئی تو الزام ان کے اوپر آتا ہے۔ ان پہ نہیں آتا وہ کہنا چھوڑ دیں تو اس طرف سے یہ کہنا چھوڑ دیں گے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر

کہنا چھوڑ دیں تو پھر بات زیر بحث نہیں آئے گی' صحابہ مومن ہیں ان کے مطابق عقیدہ رکھو تم مومن ہو اس لیے عیسائی کافر ضروریات دین کا انکار کرنے کی بنا پر یہودی کافر ضروریات دین کا انکار کرنے کی بناء پر رسالت کا انکار کرتے ہیں محمد رسول اللہ کا انکار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والوں میں سے مرزائی کافر کیونکہ یہ ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں اسی طرح سے اور بھی بہت سے فرقے ایسے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں لیکن ہمیشہ اہل حق نے ان کو کافر ٹھہرایا۔

فرقہ باطنیہ کا تعارف

جیسے ایک باطنیہ فرقہ تھا اب بھی موجود ہے یہ درویشی اور ملنگوں کے رنگ میں ہمیشہ موجود رہے ہیں آج بھی ہیں۔ جو کہتے ہیں شریعت کے ظاہر کی پابندی کوئی ضروری نہیں بلکہ جب انسان طریقت میں چلا جاتا ہے تو شریعت چھوٹ جاتی ہے۔ شریعت پہلی سیڑھی ہے جب انسان حقیقت تک پہنچتا ہے تو اس کو شریعت کی ضرورت نہیں رہتی جب آدمی مڈل میں چلا جائے تو پرائمری میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہائی میں چلا جائے تو مڈل کی ضرورت نہیں اسی طرح سے جب ایک آدمی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو ایسے وقت میں نہ نماز کی ضرورت رہتی ہے نہ روزے کی ضرورت رہتی ہے۔ وہ حقیقت میں آگے پہنچ گیا اور شریعت یہ تو پہلی سیڑھی ہے اور یہ ملا لوگ پہلی سیڑھی پہ کھڑے رہتے ہیں آگے بڑھتے ہی نہیں اور ہم آگے بڑھ گئے اس لیے ہمیں پہلی سیڑھی کی کوئی ضرورت نہیں یہ کیا ضروری ہے کہ آخری ڈنڈے پر بھی پاؤں رکھا ہوا ہو اور پہلے پر بھی پاؤں رکھا ہوا ہو۔ یہ کوئی ضروری نہیں جب آپ آخری ڈنڈے پر پہنچ گئے تو پہلے ڈنڈے سے پیر اٹھ جایا کرتا ہے تو جب آپ حقیقت تک پہنچ گئے تو شریعت کی پابندی ساقط ہوگئی۔ یہ فرقہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے ہی پیدا ہوا ہے اور اہل فتویٰ نے ہمیشہ ان کو شریعت کے انکار کی بناء پر کافر ٹھہرایا چاہے وہ اپنے آپ کو ولی کہلاتے ہیں اولیاء کہلاتے ہیں واصل باللہ کہلاتے ہیں لیکن کبھی بھی ان کو مومن نہیں

سمجھ گیا کیونکہ وہ ظاہری شریعت کا انکار کرتے ہیں حضرت جنید بغدادی کے سامنے بات ہوئی کہ ایک فرقہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جو کہتے ہیں کہ (نَحْنُ وَصَلْنَ فَلَا حَاجَةَ لَنَا اِلَى الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ) ہم تو واصل ہوگئے ہیں یعنی ملنے والے اس لیے ہمیں نماز روزے کی کوئی ضرورت نہیں۔حضرت جنید بغدادی کہنے لگے صدقوفی الوصول یہ وصول کے بارے میں تو سچے ہیں کہ واصل ہوگئے ہیں' وَلٰكِنْ اِلَى السَّقَرْ' لیکن جہنم واصل ہوگئے ہیں چونکہ جہنمی ہوگئے اس لیے اب ان کو ضرورت ہی نہیں رہی۔آگے کہنے لگے (لَوْعِشْتُ اَلْفَ عَامٍ اگر میں ہزار سال بھی زندہ رہوں (مَاتَرَكْتُ مِنْ اَوْرَادِى شَيْئًا اِلَّابِعُذْرٍ شَرْعِيٍّ) میں تو یہ اپنے وظائف جونفل کے درجے کے ہیں ان کو بھی نہیں چھوڑوں گا مگر کسی عذر شرعی کے ساتھ عذر شرعی کے بغیر میں اپنا کوئی وظیفہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اللہ کے فرائض تو کیا چھوڑنے ہیں تو یہ لوگ دل میں نمازیں پڑھنے والے یہ طبقہ آج بھی موجود ہے اور اپنے آپ کو ولیاء اللہ کہلاتا ہے اور اہل طریقت اور اہل معرفت کہلاتے ہیں وہ بالکل کافر ہیں کیونکہ ظاہر شریعت کا انکار کرتے ہیں جو ظاہر شریعت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

خلاصہ بیان

تو علمی طور پر اس مسئلے کا سمجھنا ضروری ہے۔

سب سے زیادہ اہم ضروریات دین کی تفصیل ہے لیکن چونکہ یہ مسئلہ پیچیدہ ہے۔ آپ کے سامنے ایک مجلس کے اندر اس کی تفصیل نہیں کی جا سکتی ضروریت دین اصل میں ان حکام کو کہا جاتا ہے جن کا اللہ کا حکم ہونا اتنا واضح ہو کہ بدیہی ہو جاہل آدمی بھی جانتا ہے کہ اللہ کا حکم ہے عام آدمی بھی جانتا ہے اللہ کا حکم ہے۔

اس قسم کے عقائد کو ایمان کا مدار بنایا ہوا ہے ان میں تاویل بھی نہیں سنی جا سکتی ان میں تاویل بھی کفر ہے صراحتاً اس کا انکار بھی کفر ہے۔ جنت'دوزخ یہ صرف بدیہیات میں سے نہیں بلکہ اجلی بدیہیات میں سے ہیں سارے مسلمان جانتے ہیں کہ

مرنے کے بعد نہیں گے جنت بھی آئے گی دوزخ بھی آئے گی۔ ایک آدمی کہتا ہے میں جنت کو بھی مانتا ہوں اور دوزخ کو بھی مانتا ہوں لیکن جنت کیا چیز ہے مستقبل کا بربا دہو جانا تمہیں یہ کہا جاتا ہے تم اچھی عادتیں اپناؤ تمہارا مستقبل روشن ہو جائے گا یہ جنت ہے اور مرنے کے بعد جنت اور وہاں حور وقصور یہ کوئی چیز نہیں اور بری عادتیں اپناؤ گے تمہارا مستقبل تباہ ہو جائے گا یہ جہنم ہے اور جنت و دزخ کا قول کرتا ہے لیکن اس تاویل کے ساتھ اس کا مطلب بیان کرتا ہے تو یہ جنت اور دوزخ کا انکار ہی ہے اقرار نہیں تو ضروریت دین کے اندر تاویل بھی مسموع نہیں اور ضروریات دین کے انکار سے انسان کافر ہوتا ہے باقی احکام جتنے بھی ہیں ان میں درجات ہیں بعض قطعیات ہیں جب قطعیات کو سمجھا دیا جائے پھر انکار کفر ہے اور بعض ظنیات ہیں جن کا انکار کفر نہیں ہے۔

تزکیہ (حصہ اول)

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ: ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۸ ستمبر ۱۹۹۷ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِينُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ○ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ○ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ○﴾ وقال الله فی مقام آخر ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ

آیات کا ترجمہ:

جو آیات آپ کے سامنے پڑھی گئیں ان کا ترجمہ یہ ہے۔ **قدافلح من تزکی۔** فلاح پا گیا وہ شخص جو صاف ستھرا ہوا اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی۔ **بل توثرون الحیوۃ الدنیا** تم لوگ دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہوں۔ **والاخرۃ خیر وابقی۔** حالانکہ آخرت بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔ **ان ھذا لفی الصحف الاولی۔** یہ بات پہلی کتابوں میں بھی ہے۔ **صحف ابراھیم وموسیٰ۔** یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام کی کتابوں میں اور دوسری آیت جو پڑھی گئی اس میں بھی یہی مفہوم ہے۔ **قد افلح من زکاھا۔** جو اپنے نفس کو صاف ستھرا کر لے وہ فلاح پا گیا۔ **وقد خاب من دساھا۔** جس نے اپنے نفس کو خاک میں ملا دیا مٹی آلود کر دیا وہ نامراد رہ گیا۔

تزکیہ کا معنیٰ:

آیات کے ترجمے سے آپ کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان میں تزکیہ کی تاکید کی گئی ہے۔ تزکیہ کا معنیٰ ہے صاف ستھرا کرنا۔ جو اپنے آپ کو صاف ستھرا کر لے وہ فلاح پا گیا۔ دونوں آیتوں میں یہی چیز ذکر کی گئی ہے۔ اور اٹھارہویں پارے کی ابتداء میں بھی یہی بات آئی۔ **قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون۔** وہ مومن فلاح پا گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔

تزکیہ کیا چیز ہے اور یہ کس طرح ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل ذکر کرنے سے پہلے اس کی اہمیت کے طور پر تاکہ ذہن میں تزکیہ کی اہمیت آ جائے کہ تزکیہ کتنا ضروری ہے اور اہمیت نمایاں کرنے کے لیے فلاح کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے کہ فلاح کسے کہتے ہیں ۔ جو صاف ستھرا ہو جائے فلاح پا گیا۔ جس نے اپنے نفس کو صاف ستھرا کر لیا وہ فلاح پا گیا۔ یہ فلاح کیا چیز ہے۔ کسی کام کا نتیجہ جو بھی ہو جب تک نتیجے کی اہمیت ذہن میں نہ ہو انسان کام شوق سے نہیں کیا کرتا۔

اور جس کام کے نتیجے کی اہمیت ذہن میں ہو تو انسان شوق سے کام کرتا ہے اور محنت کرتا ہے تاکہ وہ نتیجہ حاصل کر لے۔ یہ دنیا کا دستور ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ

ہمیں تزکیہ کی تاکید کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو صاف ستھرا کرو جو اپنے آپ کو صاف ستھرا کرے گا وہ فلاح پا جائے گا۔قرآن میں جو ہے کہ جو صاف ستھرا ہو گیا وہ فلاح پا جائے گا۔ یہ فلاح گویا تزکیہ کا نتیجہ ہے تو تزکیہ کی اہمیت تب آپ کے ذہن میں آئے گی کہ پہلے فلاح کی اہمیت تو آ جائے۔

اگر فلاح کی اہمیت ذہن میں بیٹھ گئی تو پھر آپ تزکیہ بھی شوق سے کریں گے۔ عمل بھی شوق سے کریں گے۔اور اگر فلاح کی اہمیت آپ کے ذہن میں نہیں ہے تو تزکیہ کی بھی اہمیت نہیں آئے گی۔

کامیاب کا معنیٰ:

اس لئے سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ فلاح کیا چیز ہے فلاح کا ترجمہ عام طور پر کر دیا جاتا ہے کامیابی۔کامیاب کسے کہتے ہیں۔کامیاب یہ فارسی زبان کا لفظ ہے کام کہتے ہیں مقصد کو اور یاب یہ امر کا صیغہ ہے یافتن سے۔یافتن بمعنی پالینا۔تو اسم اور امر مل کر یہ اسم فاعل کا معنیٰ ادا کرتا ہے۔مقصد کو پالینے والا۔کامیاب اسے کہتے ہیں جو اپنے مقصد کو پالے۔

جس کا معنی یہ ہوا کہ جو شخص تزکیہ کرے اپنے آپ کو صاف ستھرا کر لے اس نے مقصد پا لیا۔اب مقصد کیا ہے جس کو پانے کی ترغیب دی گئی تاکہ تم اپنے مقصد کو پالو۔ تو بات بھی سمجھ میں آئے گی کہ مقصد کا بھی پتہ ہو کہ مقصد کیا ہے۔جس کو پالینے کے لیے تزکیے کی ضرورت ہے۔مقصد اگر سمجھ آ جائے تو تزکیہ کا حصول آسان ہو جائے گا۔ تو سارا مسئلہ حل ہو گیا۔کہ مقصد کیا ہے۔تزکیہ کے نتیجے میں جو ہم مقصد پالیں گے مقصد پانے والے بن جائیں گے وہ مقصد کیا ہے۔اس لیے اب ہم غور کرتے ہیں کہ آخر انسان کا مقصد کیا ہے؟

انسانی دنیا میں مقاصد کا شدید ختلاف

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انسان اپنی جدوجہد اپنی کوشش، اپنی محنت کے لیے

ایک نصب العین رکھتا ہے۔ ایک مقصد اس کے سامنے ہے جو اس نے متعین کیا ہوا ہے۔ جس کا اس نے قصد کیا ہوا ہے۔

❀ ایک میڈیکل کا طالب علم اس نے مقصود ٹھہرایا ہوا ہے کہ ڈاکٹر بننا ہے۔

❀ ایک سائنس کا طالب اس نے مقصود ٹھہرایا ہوا ہے کہ سائنسدان بننا ہے۔

❀ کاشت کار محنت کرتا ہے اس نے مقصود ٹھہرایا ہوا ہے غلہ حاصل کرنا ہے۔

❀ صنعت کار محنت کرتا ہے اس نے مقصود ٹھہرایا ہے دولت اکٹھی کرنی ہے۔

انسانی دنیا کے اندر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہر انسان کا کوئی نہ کوئی علیحدہ مقصد نظر آتا ہے۔ اور بے انتہا اختلاف ہے انسانی دنیا میں کہ انسان کا مقصد کیا ہے۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ مقصد پانے کا اور کامیاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مربع بنالو زیادہ سے زیادہ جائیداد بنالو کہتے ہیں بڑا کامیاب شخص ہے کتنی جائیداد بنالی۔

ایک آدمی کہتا ہے۔ کہ مربعوں میں کیا رکھا ہے کامیاب تو وہ ہے جس نے کارخانہ لگالیا۔ فیکٹری لگالی اور ایک آدمی کہتا ہے کہ فیکٹری کیا لگائی ہے اس میں بھی نفع نقصان ہوتا رہتا ہے۔ کامیاب تو وہ ہے جو پاکستان کا وزیر بن گیا۔

یا پاکستان کا ایس پی اور ڈی ایس پی بن گیا۔ دولت سمیٹنے کا وقت مل گیا۔ ''نہ ہنگ لگے نہ پھٹکڑی'' دولت ایسے آتی ہے جیسے دریا بہتا ہوا آتا ہے۔ تو مقصد میں اختلاف ہی اختلاف ہے۔

❀ کوئی زمیندار بننے کو سمجھتا ہے۔ مقصد حاصل ہوگا۔

❀ کوئی صنعت کار بننے کو سمجھتا ہے کہ مقصد حاصل ہوگیا۔

❀ کوئی افسر بننے کو کہتا ہے مقصد حاصل ہوگیا۔

❀ کوئی وزیر بننے کو کہتا ہے کہ مقصد حاصل ہوگیا۔

جان توڑ رہے ہیں محنت کر رہے ہیں اپنے اس مقصد کے لیے جو سامنے ٹھہرایا ہوا ہے تو جب ہم اس اختلاف کو دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی دولت کو مقصود ٹھہرائے ہوئے ہے۔ دوسرا دولت سے نفرت کرتا ہے۔ ایک آدمی اولاد کے لیے مارا مارا پھرتا

ہے۔ اس نے اولاد کو مقصود بنالیا۔ دوسرا اولاد سے نفرت کرتا ہے ایک وزارت کے پیچھے مرتا پھرتا ہے۔

دوسرا کہتا ہے احمق ہے وزارت بھی کوئی تلاش کرنے کی چیز ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصد میں اختلاف ہی اختلاف ہے کسی نکتے پر سب انسانوں کی نیت جمع نظر نہیں آتی جس کو ہم کہیں کہ واقعی انسان کا مقصد یہ ہے کہ جس کے اوپر ساری دنیا متفق ہے کیا آپ کو نظر آتا ہے' کچھ بھی نہیں ایک کچھ تلاش کر رہا ہے دوسرا کچھ تلاش کر رہا ہے ایک یہ چاہ رہا ہے دوسرا اس سے نفرت کر رہا ہے۔

انسانیت کے بعض متفقہ مقاصد

تو ان سب چیزوں میں غور کرنے کے بعد جتنا انسان کی جدوجہد میں اختلاف ہے جتنا انسان کے سامنے مقاصد میں اختلاف ہے ان چیزوں میں غور کرنے کے بعد چند ایک چیز واقعتاً ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ جس پر سب کے سب انسان متفق ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فطری طور پر انسان کا مقصود وہ ہے اس میں کافر و مسلم کی بحث نہیں عالم و جاہل کی بحث نہیں مرد و عورت کی بحث نہیں انسان ہو اور عقل سلیم رکھتا ہو پاگل نہ ہو تو ہم دیکھتے ہیں چند ایک چیزیں ایسی ہی جن کے حاصل کرنے کے لیے پوری انسانیت متحد ہے چاہے عنوان بظاہر انہوں نے کوئی بنا رکھا ہو وہ کیا مقاصد ہیں (ان باتوں کو ذہن میں بٹھائیں کیونکہ یہ باتیں عمل کے لیے بنیاد بنتی ہیں)۔

پہلا متفقہ مقصد

ان میں ایک مقصد جو ہر انسان کا مقصود ہے، ہر انسان کا مطلوب ہے کوئی بھی اس میں اختلاف نہیں کرتا وہ یہ ہے کہ انسان تندرستی اور صحت چاہتا ہے۔

بیمار ہونا کوئی نہیں چاہتا سارے انسان اس پر متفق ہیں یا نہیں یا کوئی ایسا بھی ہے جو بیماری مانگتا ہو وہ کہے کہ بہت ہی اچھی بات ہے مجھے کینسر ہو جائے بہت اچھی بات ہے کہ میرے سر میں درد رہا کرے ہے کوئی ایسا؟

سارے کے سارے انسان جاہل ہوں یا عالم ہوں، مرد ہوں یا عورتیں ہوں، کالے ہوں گورے ہوں کہیں کے رہنے والے ہوں کوئی زبان بولتے ہوں ہر انسان اپنی طبیعت اور فطرت کے تقاضے سے صحت کا متمنی ہے بیاری سے بچنا چاہتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ صحت سب سے بڑی نعمت اور دولت ہے اور اردو کا محاورہ بھی ہے کہ تندرستی ہزار نعمت ہے ہزار کا لفظ بطور مبالغے کے بولا جاتا ہے کوئی ہزار کی گنتی نہیں مقصود ہوا کرتی۔ جیسے شعر ہے۔

تم زندہ رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

تو ہزار کا لفظ بطور مبالغے کے بولا جاتا ہے ورنہ لاکھوں نعمتوں کے برابر ہے یہ تندرستی والی نعمت جس کا ایک سادہ مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ سے ہزاروں نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ تندرستی ہے جب انسان اس سے محروم ہو جاتا ہے تو پتہ نہیں اللہ کی کتنی نعمتوں سے اس کو محروم ہونا پڑتا ہے۔ ایک شوگر کے مریض سے پوچھ لو وہ کتنی نعمتوں سے محروم ہے۔ بلڈ پریشر کے مریض سے پوچھ لو کتنی نعمتوں سے محروم ہے۔ جس کا معدہ خراب رہتا ہو کچھ ہضم نہ کر سکتا ہو پوچھ لو کتنی نعمتوں سے محروم ہے تو تندرستی اللہ کی ہزار ہا نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ ہے اس لئے ہر انسان طبعاً تندرستی چاہتا ہے۔ ایک تو یہ مقصود ہے۔

اور حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جس وقت حساب و کتاب شروع کریں گے تو سب سے پہلی نعمت جو اللہ جتائے گا انسان کے سامنے مشکوۃ کتاب الرقاق کی ابتدا میں یہ روایت موجود ہے اَلَمْ نُصِحَّ جِسْمَكَ کیا ہم نے تجھ کو بدنی صحت نہیں دی تھی (ترمذی ۲/۱۷۳) یہ اللہ تعالیٰ جتائیں گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدنی صحت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ تو ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ صحت ہو بیاری نہ ہو یہ سب ہل چل اس لیے ہو رہی ہے اس لیے ہسپتال صحت حاصل کرنے کے لیے ہیں طبیب صحت حاصل کرنے کے لیے ہیں طب کی دکانیں تعویذ گنڈے ساری کی ساری رونق صحت کے حصول

کے لیے ہے بیماری سے بچنے کے لیے ہیں اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ کوئی عقلمند آدمی بیماری نہیں چاہتا وہ پاگل ہی ہوگا جو چاہے گا عقلمند نہیں چاہتا۔

دائمی تندرستی کے حصول میں انسان ناکام

لیکن ساتھ کے ساتھ یہ پوچھ لو کہ روئے زمین پر بسنے والے کسی انسان کو یہ مقصد حاصل ہے؟ کہ آدمی ہمیشہ تندرست رہے کبھی بیمار نہ ہو۔ فطرت کی ایک آواز ہے کہ ہمیں ہیشہ تندرست رہنا چاہیے لیکن پورے روئے زمین پر ہسپتالوں کے باوجود، ڈاکٹروں کے باوجود، طبیبوں کے باوجود، معالجوں کے باوجود، پھونکا پھانکی کرنے والوں کے باوجود پھر بھی انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ تو انسان یہ مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔ امریکہ کا صدر بھی بیمار ہو جاتا ہے۔ پچھلے دنوں پھسل کر گر گیا تھا۔ ہڈی ٹوٹ گئی۔ ٹانگیں باندھے پھرتا ہے تو کون تندرست رہ سکتا ہے۔ تو سارے بیمار ہوتے ہیں نیک لوگ بھی ہوتے ہیں، برے لوگ بھی ہوتے، عالم بھی بیمار ہوتے ہیں۔ جاہل بھی بیمار ہوتے ہیں امیر بھی بیمار ہوتے ہیں فقیر بھی بیمار ہوتے ہیں اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا ایک تو یہ مقصد ہے انسان کا لیکن س مقصد کے جان لینے کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ انسان اس کے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہے۔ اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے یہ مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔

دوسرا متفقہ مقصد

اس کے ساتھ ساتھ ایک اور حقیقت ہے جس کے اوپر سارے انسان متفق ہیں ہر انسان چاہتا ہے کہ مجھے یہ حاصل ہو۔ وہ یہ ہے کہ جوان رہنا چاہتا ہے کہ جوانی ہمیشہ رہے بڑھاپا نہ آئے۔ بڑھاپے سے ہر کوئی ڈرتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جوانی ایک بہار ہے اور بڑھاپا ایک خزں کا موسم ہے۔ جب انسان بڈھا ہو جاتا ہے تو اس کے سارے کے سارے مزے کر کرے ہو جاتے ہیں۔ نہ آنکھ کام دے۔ نہ کان کام دیں۔ نہ گھٹنے کام دیں۔ جس طرح سے بچہ اپاہج ہوتا ہے بڈھا بھی ایسے ہی ہوتا ہے۔ لیکن بچے میں

طاقت نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود لوگ اس سے پیار کرتے ہیں۔ بڈھا بیچارہ جب نکما ہو جاتا ہے تو اس سے پیار کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ اب سوائے اس کے کہ گھر میں بھینس کی رکھوالی کرے۔ یا فصلوں کے کوے اڑائے اس کا باقی کیا کام رہ جاتا ہے۔ بڑھاپے کے بعد ساری نعمتیں کرکری ہو جاتی ہیں۔ اور یہ مجموعہ امراض ہے اس لئے انسان اس سے بہت ڈرتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بڈھا چلا گیا ایک طبیب کے پاس کہتا ہے کہ کہ جی مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔ تو طبیب کہتا ہے بابا بڑھاپے کی وجہ سے نہیں آتی۔ پھر کہنے لگا۔ بھوک نہیں لگتی۔ اس نے کہا بڑھاپے کیوجہ سے پھر کہنے لگا گھٹنوں میں درد ہے۔ کہا بڑھاپے کی وجہ سے پھر کہنے لگا کھانسی آتی رہتی ہے۔ کہا جی بڑھاپے کی وجہ سے جب چار پانچ اس نے مرضیں بتائیں اور طبیب ہر بار کہتا رہا کہ بڑھاپے کیوجہ سے تو اس نے طبیب کے ایک تھپڑ لگایا کہ تیرے طب میں سوائے بڑھاپے کے ہے ہی کچھ نہیں۔ وہ کہتا ہے میاں غصے نہ ہو۔ ناراض نہ ہو۔ یہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ (کیونکہ بڈھا آدمی چڑ چڑا ہو جاتا ہے۔ غصہ اس کو زیادہ آنے لگ جاتا ہے۔ بات بات پہ غصہ آتا ہے۔ بڑھاپے کی وجہ سے برداشت نہیں رہتی) تو اس لئے ہر انسان چاہتا ہے کہ جوانی بحال رہے بڑھاپا نہ آئے۔ بڑھاپے کے تصور سے انسان ڈرتا ہے۔

جوانی کی تمنا ہے۔ معجون کھائے گا۔ کشتے کھائے گا۔ پتہ نہیں کیا کچھ کرے گا۔ اپنی جوانی کو بحال رکھنے کے لیے ہے اگر کوئی پوچھے کہ جوان رہنا چاہتے ہو یا بڈھا ہونا۔ چاہتے ہو ہر کوئی کہے گا کہ جوانی اچھی ہے۔ جوان رہنا چاہیے۔ بڑھاپے سے تو اللہ بچائے رکھے ایسے ہی ہے نا؟

لیکن کیا روئے زمین پر رہنے والے انسانوں میں سے کوئی انسان زندہ رہتے ہوئے اس مقصد کو پا سکتا ہے۔ کہ ہمیشہ جوان رہے کبھی بڈھا نہ ہو کوئی علاج کسی کے پاس ہے۔

جوانی کا ٹیکہ اور لینن کی موت

حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ بیان فرما رہے تھے انہوں نے ذکر

کیا (میں بیان کا حوالہ اس لئے دے رہا ہوں کہ کسی کتاب میں نہیں پڑھا)

وہ فرماتے تھے کہ روس کا جو صدر لینن بہت زبردست جابر قسم کا صدر تھا یہی روس میں انقلاب لایا تھ۔ جب یہ بڈھا ہوا تو اس نے اپنے ڈاکٹروں کو اکٹھا کیا۔ اور کہا کہ کوئی ٹیکہ ایجاد کرو جس کے ساتھ میں دوبارہ جوان ہو جاؤں (یہ قاسم العلوم کے جلسے میں مولانا بیان فرمارہے تھے) تو ڈاکٹروں نے مل جل کے کوشش کر کے ایسا قوت والا ٹیکہ جس کے ساتھ انسان میں گئی ہوئی قوت واپس آ جائے۔ اپنے خیال کے مطابق وہ ایسا ٹیکہ ایجاد کرنے پر قادر ہوگئے۔ جس کے ساتھ گئی ہوئی قوت بدن کی واپس آ جائے۔ اور خوشی خوشی لینن کو خبر دی کہ جی ایسا ٹیکہ ایجاد ہو گیا ہے کہ جس کے ساتھ گئی ہوئی قوت واپس آ جاتی ہے۔ اور بڈھا جوان ہو جاتا ہے۔ وہ خوش ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ جب وہ ٹیکہ لینن کو لگایا تو لینن صاحب پار ہو گئے۔ ایسے جوان ہوئے کہ جس کی انتہا ہی کوئی نہیں۔ یعنی وہی ٹیکہ اس کی موت کا باعث بن گیا۔ جو جوان کرنے کے لیے لگایا تھا وہ اس کی موت کا باعث بن گیا۔ مطلب کیا ہوا؟ کہ بڑھاپا آیا ہوا پھر چھوڑتا نہیں ساتھ ہی ساتھ جاتا ہے اس کو ہٹایا نہیں جا سکتا۔

جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

جو آ کے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا

ہر چیز آنی جانی ہے کبھی آئی کبھی گئی کبھی آئی کبھی گئی۔ لیکن ایک چیز ہے جو آ جاتی ہے تو جاتی نہیں اور ایک چیز ہے جو چلی جاتی ہے تو آتی نہیں۔ باقی دنیا کی ہر چیز آنی جانی ہے کبھی آ رہی ہے کبھی جا رہی ہے۔ لیکن جوانی ایک ایسی چیز ہے جب چلی جاتی ہے۔ واپس نہیں آتی۔ بڑھاپا ایسی چیز ہے کہ جب آ جاتا ہے۔ تو جاتا نہیں بلکہ ساتھ لے کے جاتا ہے۔ اب آپ کشتہ کھا لو۔ معجون کھا لو۔ یخنیاں پی لو۔ جو چاہو کر لو۔ کیا زندہ رہتے ہوئے انسان بڑھاپے سے بچ سکتا ہے۔ آخر یہ دور انسان کو دیکھنا پڑتا ہے۔ کہ جب شروع ہوتا ہے۔ گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کے اٹھنا شروع کر دے گا۔ آہستہ آہستہ بیٹھتا چلا جائے گا۔ ہر معاملے میں ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہ مصیبت بھی دیکھنی پڑتی

ہے تو گویا کہ فطرت کی آواز ہے کہ مجھے جوان رہنا چاہیے۔

لیکن پوری کوشش کے باوجود انسان اس مقصد کو حاصل کرنے سے عاجز ہے روئے زمین پر ہمیں کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔ نہ کوئی نسخہ نظر آتا ہے۔ نہ کوئی چیز نظر آتی ہے کہ جس کے ساتھ انسان اس مقصد کو حاصل کر سکے کہ بوڑھا نہ ہو۔

ہم نے تو آج تک نہ دیکھا ہے نہ سنا ہے زندہ رہے گا تو عمر پائے گا۔ بوڑھا ہو جائے گا۔ اس لئے بیمار کئی سارے ہمارے دوست بوڑھے جس وقت بھی آتے ہیں بڑھاپے کا شکوہ کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں جوانی میں مرجاتے اور بڑھاپے سے بچنے کا تو ایک ہی طریقہ ہے جوانی میں مرجاؤ ورنہ زندہ رہو گے تو بڑھاپے کی مصیبت تو اٹھانی پڑے گی تو مقصد یہ ہے کہ یہ فطرت کی آواز ہے ور ہر انسان اس کو چاہتا ہے لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں یہ آپ کے سامنے دو باتیں ہوگئیں۔

تیسرا متفقہ مقصد

تیسری بات جو ہر انسان کی فطرت کی آواز ہے کہ ہر انسان کو زندگی مطلوب ہے۔ موت سے ہر کوئی بچنا چاہتا ہے اور اپنے آپ کو موت سے بچانے کے لیے ہزار جتن کرتا ہے۔ قلعے تعمیر کرے گا پہرے دار رکھے گا انسان کیا کیا حفاظتیں اختیار کرتا ہے ذرا سی تکلیف ہوتی ہے کہیں مر نہ جاؤں امریکہ بھاگتے ہیں وہاں سے جا کہ صحت لے کر آتے ہیں بڑے بڑے لوگوں کا اب تو رواج پڑ گیا ہے کہ جس وقت وہ بیمار ہوتے ہیں تو جلدی امریکہ بھاگتے ہیں 20 سے 25 لاکھ روپے خرچ کر کے تابوت میں بند ہو کر واپس آجاتے ہیں پیسے نکلتے نہیں اللہ کے نام پر پچیس روپے خرچ نہیں کرتے۔ امریکہ جائیں گے تابوت میں بند ہو کر واپس آئیں گے۔ بل پچیس لاکھ کا بن جائے گا۔

موت سے کوئی نہیں بچ سکتا

تو موت سے بچنے کے لیے آدمی سمندر پار جاتا ہے کتنے تحفظات اختیار کرتا ہے لیکن اس دنیا میں رہتا ہوا کوئی شخص موت سے بچ سکتا ہے؟ تو یہ بھی فطرت کی آواز ہے

اور انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ ہم مریں نہیں لیکن مرنا پڑتا ہے مرے بغیر چارہ نہیں تو روئے زمین پر رہتے ہوئے کوئی نسخہ کسی کے پاس نہیں جو کہے کہ موت سے بچانے والا یہ نسخہ استعمال کرو موت نہیں آئے گی تو زندگی مقصود ہے اور اس مقصود کو حاصل کرنے سے بھی انسان عاجز ہے حاصل نہیں کرسکتا ہے کوئی آپ کے علاقے میں طبیب؟ جس کے پاس نسخہ ہو موت سے بچنے کا اگر فن طب کے ذریعے موت سے بچنا ہوتا تو جالینوس نہ مرتا دولت کے بل بوتے پر بچنا ہوتا تو قارون نہ مرتا، اقتدار اور فوجوں کے زور سے کوئی اگر بچ سکتا تو فرعون نہ مرتا اور کونسی چیز ایسی ہے جس کے عروج پر پہنچنے کے بعد بھی انسان موت کے سامنے بے بس ہے نہ دولت اسے بچائے نہ فوجیں اسے بچائیں یہ ایک ایسی چیز ہے نہ کوئی فن اس سے بچائے یہ ایک ایسی چیز ہے کہ زندہ انسان کو آخر اس کا لقمہ بننا پڑتا ہے تو موت سے بچنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے اور چاہتا ہر آدمی زندگی ہے سو سال کا بھی ہو جائے اور کسی کام کا نہ ہو نہ اس کے ہاتھ کام دیتے ہیں اور نہ اسکی ٹانگیں کام دیتی ہیں وہ بھی کوشش کرتا ہے اس کی اولاد بھی کوشش کرتی ہے کوئی ایسا نسخہ مل جائے کہ بڑھاپے سے بچ جائے سارے کوشش کرتے ہیں لیکن نہیں آخر کار مرنا ہے مر کے رہتے ہیں۔

چوتھا متفقہ مقصد

یہ تین باتیں ہو گئیں تین مقصد اور تینوں میں انسان ناکام ایک اور بھی انسان کے دل میں خواہش ہے اور ہر انسان کے دل میں ہے کہ میری ہر تمنا پوری ہونی چاہیے جو میں چاہوں وہ ہو جائے اور انسان دل میں خواہشیں کرتا ہے اور انکو حاصل کرنے کے لیے سر توڑ کوششیں کرتا ہے۔ اور اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے کوئی کمی نہیں چھوڑتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ کوئی شخص دنیا میں رہتا ہوا چاہے۔ وہ ہفت اقلیم کا بادشاہ کیوں نہ بن جائے۔ نہیں کہہ سکتا کہ دنیا میں میری ہر خواہش پوری ہو گئی۔ ام للانسان ما تمنی۔ جو انسان خواہشیں کرے اور انسان کو مل جائے ایسا نہیں دنیا کے اندر رہتے ہوئے خواہشات پورا کرنے کا کہ جو میں چاہوں وہی ہو۔

ؔ پکا آپس میں اختلاف جو ہوتا ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ کام یوں ہو دوسرا چاہتا ہے یوں ہو لڑائی ہو گی۔ نہ اس کی خواہش پوری ہوئی نہ آپ کی خواہش پوری ہوئی۔ خواہش کو پورا کرنے کے لیے انسان انسان کا گلا کاٹتا ہے۔ فوجیں کی فوجیں کٹ جاتی ہیں۔ لیکن انہیں کبھی خواہش اللہ تعالیٰ چاہے تو پوری ہو جاتی ہے اکثر و بیشتر انسان کی خواہشات پوری نہیں ہوتی۔ ناکامی ہوتی ہے۔ دل میں بہت حسرتیں ہوتی ہیں۔ جو دل میں ہی رہ جاتی ہے۔ پوری نہیں ہوتی۔ اب جی تو چاہتا ہے کہ ہم جو چاہیں وہ ہو جائے۔

لیکن دنیا کے اندر رہتے ہوئے کون آدمی ہے جو کہے کہ میں ہمیشہ خوشحال رہوں گا۔ ایسے واقعات پیش آ جاتے ہیں کہ کروڑ پتی انسان بھی بس اوقات فاقہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس کو کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔ پیاس کے ساتھ تڑپتا ہے۔ اس کو پینے کو کچھ نہیں ملتا۔ ایسے واقعات کروڑ پتی انسانوں پر بھی آ جاتے ہیں۔ تو ہمیشہ انسان خوشحال رہے ایسا نہیں ہو سکتا تو انسان کی فطرت کی آواز ہے انسان اپنی خواہش کی ہر چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے اوپر پوری انسانیت متفق ہے۔

جس کو آپ کہہ لیجئے کہ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ پورا کسی کا بھی نہیں ہوتا تو اگر انسان کی زندگی کے یہ مقصد پورے نہ ہوں تو کہنا پڑے گا کہ سب زیادہ ناکام اور نامراد اس روئے زمین پر انسان ہے کہ جس کو کوئی مقصد حاصل نہیں ہوا اور اس کی کوئی کسی قسم کی خواہش پوری نہیں ہوتی۔ پھر انسان کو کامیاب نہیں کہا جا سکتا۔ انسان ناکام کا ناکام ہے کیونکہ روئے زمین پر رہتے ہوئے اس کو وہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے جو اس کی فطرت کی آواز ہیں۔

پھر جب یہ مقاصد پورے ہو ہی نہیں سکتے تو انکی خواہش اللہ نے کیوں ڈالی؟ دل میں تڑپ کیوں پیدا کی۔ کیا انسان کو صرف تڑپانا ہی مقصود ہے؟ اور اس کو ناکام کرنا ہی مقصود ہے۔ ایسی بات نہیں۔ اگر اللہ نے فطرت کے اندر یہ خواہشات ڈالی ہیں۔ اور یہ جذبہ اور تڑپ ڈالی تو یقیناً انسان ان کو حاصل بھی کر سکتا ہے۔ لیکن حاصل تب کرے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چلے گا۔ تو سارے مقاصد

حاصل ہو جائیں گے۔

خواہشات انسانی کی تکمیل کا واحد ذریعہ

وہ طریقہ کیا ہے جو اللہ کی طرف سے بتایا گیا ہے وہ ہے تزکیہ۔ کہ اپنا تزکیہ کرو (جس کی تفصیل آپ کے سامنے ذکر کی جائے گی کہ تزکیہ کیا ہوتا ہے) تو جب تم اپنا تزکیہ کرلو گے تو پھر تم فلاح پا جاؤ گے۔تم کامیاب ہو جاؤ گے۔اور تمہارے مقصد تمہیں حاصل ہو جائیں گے۔ حاصل کس طرح ہوں گے۔؟ کہ ہم یہاں کریں گے تزکیہ۔ مرنے کے بعد اس تزکیہ کا نتیجہ سامنے آئیگا۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کے ساتھ ہمارے اس تزکیہ کی وجہ سے اپنی رحمت فرمائے گا۔اور ہم جنت میں چلے جائیں گے۔

جب جنت میں چلے جائیں گے تو جنت ایک یہ مقام ہے جس میں انسان کے سارے مقصد پورے ہو جائیں گے کوئی مقصد خالی نہیں رہتا جو حاصل نہ ہو۔ حدیث شریف کے اندر ایک ہی روایت میں یہ چار باتیں مذکور ہیں۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں روایت کرتے ہیں قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُنَادِی الْمُنَادِی۔ جنت میں جانے کے بعد اعلان کرنے والا ایک اعلان کرے گا۔

اِنَّ لَکُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَلَا تَسْقَمُوْا اَبَدًا۔ اے اہل جنت تمہارے لئے یہ نعمت حاصل ہوگی کہ تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہیں ہوگے تو ہمیشہ تندرست رہنے کا جذبہ کہاں جا کے پورا ہوگا؟ جنت میں ۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے تو پورا نہیں ہو سکتا۔ جنت میں جاؤ تو تمہارا یہ مقصد پورا ہوگا۔ وَاِنَّ لَکُمْ اَنْ تَشِبُّوْ فَلَا تَھْرَمُوْا اَبَدًا۔ اور اے اہل جنت تمہارے لئے یہ نعمت بھی حاصل ہوگی۔ کہ تم ہمیشہ جوان رہو گے۔کبھی بھی تمہارے اوپر بڑھاپا نہیں آئیگا۔

تم اس طرح جوان رہو گے جس طرح بتیس تینتیس سال کا جوان ہوتا ہے۔ ہمیشہ جنتی اسی حالت میں رہیں گے۔ ان کے اوپر کبھی بڑھاپا نہیں طاری ہوگا۔ تو اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کبھی بوڑھے نہ ہوں اور بڑھاپے کی مصیبت سے بچیں۔ ہمیشہ

جوان رہیں۔ تو یہ مقصد جنت میں جانے کے بعد حاصل ہو سکتا ہے۔ دنیا کے اندر رہتے ہوئے حاصل نہیں ہو سکتا اور اس طرح فرمایا اِنَّ لَكُمْ اَنْ تَحْيُوْا فَلَا تَمُوْتُوْا اَبَدًا اے اہل جنت تمہیں یہ نعمت بھی حاصل ہوگئی کہ تم ہمیشہ زندہ رہو گے تمہیں موت نہیں آئی گی۔ تو ہمیشہ زندہ رہنے کا جذبہ جو تھا وہ بھی جنت میں جا کے پورا ہو گیا کہ موت نہیں آئے گی۔ (مسلم ص۳۸۰/۲، مشکوٰۃ ۱/۴۹۳)

موت کو ذبح کر دیا جائے گا

جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے۔ اور اہل جہنم، جہنم میں چلے جائیں گے تو انسان کی عیش کو بدعیش اور مکدر کرنے والی چیز ایک موت کا تصور بھی ہے۔ کہ انسان کتنا ہی خوشحالی میں کیوں نہ ہو لیکن جب اس کو خیال آتا ہے کہ میں مرجاؤں گا۔ یہ سب کچھ چھوٹ جائیگا تو انسان کی زندگی مکدر ہو جاتی ہے عیش ختم ہو جاتی ہے موت کے تصور کے ساتھ ہی انسان کی لذات ختم ہو جاتی ہیں اس لئے سرور کائنات ﷺ نے موت کو ھازم اللزات قرار دیا۔ لذات ڈھا دینے والی لذات کو ختم کر دینے والی موت ہے اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَازِمِ اللَّذَّاتِ اَلْمَوْتِ۔ (ترمذی ص ۲/۵۷) لذات کو ڈھ دینے والی لذات کو ختم کر دینے والی کو یاد بہت کیا کرو موت سارے مزے کر کرے کر دیتی ہے۔ جب انسان یہ تصور کرتا ہے کہ میں مرجاؤں گا۔ بیوی بچے چھوٹ جائیں گے چھوٹ جائیں گے جائیداد چھوٹ جائے گی جب انسان یہ تصور کرتا ہے تو تصور کرنے کے ساتھ اس کی عیش مکدر ہو جاتی ہے۔ تو جنت میں رہتے ہوئے مرنے کا تصور ہی ختم کر دیا جائیگا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں حاضر کریں گے۔ (مینڈھا یعنی بھیڑ، چھترا) اس کی شکل میں موت لائی جائی گی۔

موت وجودی چیز ہے موت عدمی چیز نہیں موت عدم الحیاۃ کو نہیں کہتے یہ عدم نہیں ہے وجودی چیز ہے۔ خلق الموت والحیاۃ جیسے حیات مخلوق ہے اسے موت

بھی مخلوق ہے تو اللہ تعالیٰ اس وقت اس کو مینڈھے کی شکل میں حاضر کریں گے۔ اور جنتیوں کو آواز دے کر کہیں گے کہ اس کو پہچانتے ہو؟ تو جنتی پہچانیں گے کہ ہاں یہ موت ہے۔ اور جہنمیوں کو آواز دی جائے گی کہ اس کو پہچانتے ہو؟ وہ گردنیں لمبی کر کے دیکھیں گے۔ تو وہ بھی پہچان جائیں گے کہ یہ موت ہے۔ تو جنت اور دوزخ کے درمیان میں جنتیوں اور دوزخیوں کی آنکھوں کے سامنے اس موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور اس کے اوپر موت طاری کر دی جائی گے۔ اس کو فنا کر دیا جائے گا۔ اور اعلان کر دیا جائے گا۔

يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُوْدٌ لَا مَوْتَ يَا اَهْلَ النَّارِ خُلُوْدٌ لَا مَوْتَ۔ اے جنتیو۔ آج کے بعد موت نہی اور جہنمیو! آج کے بعد موت نہیں۔ (بخاری ص ۶۹۱ ۲)

بعض روایات میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ اس اعلان کے ساتھ جنتیوں کو اتنی خوشی ہوگی کہ گر کوئی شخص خوشی کے ساتھ مر سکتا تو اس دن جنتی مر جاتے اور جہنمیوں کو اتنا غم ہوگا کہ اگر غم کے ساتھ کوئی آدمی مر سکتا تو اس دن جہنمی مر جاتے۔ (ترمذی ص ۲۸۳ ۲) کیونکہ وہ سوچ سکتے تھے کہ ہماری مصیبتوں کا خاتمہ کسی نہ کسی طرح موت کے ذریعے ہو جائے گا لیکن جب وہ دیکھیں گے موت ذبح کر دی گئی۔ موت بھی نہیں آئے گی۔ اور تکلیف ہمیشہ رہے گی۔ تو غم انتہائی بڑھ جائے گا تو جنتیوں کو بھی موت نہیں جہنمیوں کو بھی موت نہیں یہ تصور ہی ختم ہو گیا۔ ن لکم ان تحیو افلا تموتوا ابدا۔

تو یہ جذبہ اگر حاصل کرنا چاہتے ہیں یہ مقصد اگر حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ بھی جنت میں پورا ہو سکتا ہے دنیا میں رہتے ہوئے نہیں۔ اور چوتھا جمہ اسی روایت میں ہے وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَنْعَمُوْا فَلَا تَبْتَسُوْا اَبَدًا اے جنتیو! تمہیں یہ بات بھی حاصل ہوگی۔ کہ تم ہمیشہ خوشحال رہو گے کبھی بدحال نہیں ہو دگے تم پر کبھی بدحالی حاری نہیں ہوگی۔

جنت میں ہر تمنا پوری ہوگی

دائمی خوشحالی اگر حاصل ہو سکتی ہے تو وہ بھی جنت میں جا کے حاصل ہوگی۔ ایسے نہیں حاصل ہوگی۔ پھر آخری بات میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ انسان کا

جذبہ ہے کہ میں جو چاہوں وہی ہو جائے لیکن دنیا میں رہتے ہوئے کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی یہ حاصل نہیں ہے کہ وہ جو چاہے ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر بار بار اس چیز کا وعدہ کیا ہے۔ حدیث شریف میں اس کی تفصیل موجود ہے کہ جنت میں جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنتیوں کو یہ نعمت حاصل ہوگی **ولکم فیها ما تشتهی انفسکم ولکم فیها ما تدعون**۔ زبان سے جو بات نکلے گی پوری ہوگی۔ دل میں جو خواہش پیدا ہوگی پوری ہو جائے گی۔ بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ آخری آخری شخص جو جنت میں جائیگا جہنم سے لڑھکتا ہوا نکلے گا۔ اور جس وقت اللہ تعالیٰ اس کو بخشیں گے اور آخر آخر میں جنت کے قریب جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے تَمَنَّ چاہ تو کیا چاہتا ہے وہ تمنا کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کہیں گے اس بات کی بھی تمنا کر لے اس کی بھی تمنا کر لے اس کی بھی تمنا کر لے اللہ اسے یاد دلائے گا۔

وہ بھی چاہ لے۔ یہ بھی چاہ لے۔ اس کی بھی خواہش کرے۔ س کی بھی خواہش کرے۔ **انتهت به الامانی**۔ جب اس کی خواہشات ختم ہو جائیں گی جو کچھ اس کے دل میں آیا مانگ لیا تو اللہ تعالیٰ کہے گا تیرے لئے یہ سب کچھ ہے ایک روایت میں اتنا ہی ہے اور ایک روایت میں ہے اس سے بھی دس گناہ ساری کی ساری خوہشت کو پورا کرنے کے بعد کہ تیرے لئے سب کچھ جس کی تو نے تمنا کی ہے۔ بوسعید کی روایت میں اتنا ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اس سے دس گناہ اور بھی تیرے یے ہے۔ (مشکوۃ ص ۴۹۲/۱۔ بخاری ص ۱۱۱۱) تو انسان کی خواہشات کا پورا ہونا بھی جنت میں جا کے ہوگا دنیا کے اندر رہتے ہوئے انسان کی خواہشات پوری نہیں ہو سکتیں۔

بیان کا خلاصہ

اس لئے کامیاب آدمی کون ہوگا (وہی پچھلا سبق دھرا لو) کامیاب نسان وہ ہے جسکو ہمیشہ صحت حاصل ہو کبھی بیمار نہ ہو۔ کامیاب انسان وہ ہے جو ہمیشہ جوان رہے کبھی بوڑھا نہ ہو کامیاب انسان وہ ہے جو ہمیشہ زندہ رہے۔ اس کو کبھی موت نہ آئے کامیاب

انسان وہ ہے۔ جو ہمیشہ خوشحال رہے کبھی بدحال نہ ہو۔ کامیاب انسان وہ ہے جس کی ہر خواہش پوری ہو یہ نکتے ہیں جن پر پوری کی پوری انسانیت متفق ہے کہ واقعی یہ کامیابی ہے اور دنیا میں رہتے ہوئے تو حاصل ہوتی نہیں تو یہ کامیابی حاصل ہوگی جنت میں جا کے۔

اس پوری جدوجہد کا خلاصہ ہے صحت کا حصول، جوانی کا حصول زندگی کا حصول، خوشحالی کا حصول، اور اپنی خواہشات کی تکمیل تو تم اگر کامیاب ہونا چاہتے ہو تو کامیاب ہونے کا طریقہ ہے تزکیہ تو قد افلح من تزکی کا معنی ہوگا جو صاف ستھرا ہو گیا وہ کامیاب ہوگیا۔ اس کو سارے مقصد حاصل ہو جائیں گے۔ جس نے اپنے نفس کو سنوار لیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اس کو سارے مقاصد حاصل ہو جائیں گے اب اس سے اندازہ کیجئے کہ تزکیہ کتنا ضروری ہے اور کتنا اہم ہے کیونکہ اس تزکیے کے عمل کا نتیجہ جو ہمارے سامنے آنے والا ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے وہی ہماری کامیابی ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ ہم تزکیہ کو سمجھیں کہ تزکیہ کیا ہوتا ہے اور یہ کیسے کیا جاتا ہے اس کی اہمیت کیا ہے اسی کے لیے دوسرا لفظ بولا جاتا ہے۔ تصوف کا۔ اب ان شاء اللہ العزیز آئندہ اس کی کچھ تفصیل آپ کے سامنے آئے گی کہ تصوف کسے کہتے ہیں؟ تزکیہ کیسے ہوتا ہے؟ اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

سرور کائنات ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں جو چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔ یتلوا علیهم آیاته ویعلمهم الکتاب والحکمة ویزکیهم۔ تلاوت کتاب۔ تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ اس کے لئے آئندہ ان شاء اللہ العزیز تزکیہ کا ذکر آپ کے سامنے کریں گے۔

اب ہم عقیدے صحیح کر بیٹھے عقائد کے متعلق بیان مکمل ہوگیا۔ اور اہم اہم باتیں ساری آپ کے سامنے آگئیں۔ اب اگلا نمبر تزکیہ کا آ گیا ان شاء اللہ العزیز اس کی تفصیل ہوتی رہے گی۔ اللہ توفیق دے صحیح بات سمجھنے کی۔ صحیح سمجھانے کی اور اس کے اوپر عمل کرنے کی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سوال: کبھی نبی پاک ﷺ نے بیس تراویح مسجد میں پڑھی ہیں؟ اور داڑھی رکھنا فرض ہے سنت نہیں کیا یہ درست ہے۔

جواب: یہ فقہ کے مسئلے ہیں میں نے عرض کیا تھا کہ فقہ کے مسئلے دارالافتاء سے پوچھا کرو۔ تراویح کا مسئلہ اور دوسرا مسئلہ بھی یہ تفصیل طلب مسئلے ہیں۔ یہ تراویح جو ہم بیس رکعت پڑھتے ہیں یہ ہم صحابہ کرام کے طریقے کے مطابق پڑھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر پورے کا پورا دور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پورے کا پورا دور، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا۔ اس وقت سے لے کر آج تک حرمین شریفین میں رمضان شریف میں بیس تراویح ہوتی ہیں۔ جن کو وہاں جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ وہ تو وہاں دیکھ لیتے ہوں گے۔ جن کو جانے کا اتفاق نہیں ہوتا وہ ریڈیو پر سن لیا کریں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر اب تک بیس تراویح۔ حرمین شریفین میں ہو رہی ہیں۔ اور ائمہ اربعہ کا اجتماعی مسئلہ ہے جو اس میں تفرد اختیار کرتے ہیں وہ غلطی پہ ہیں۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ (ترمذی ص ۲/۹۶۔ مشکوۃ ص ۱/۳۰)

خلفائے راشدین کی سنت حضور ﷺ کی ہی سنت ہے کیونکہ وہ حضور کے مزاج شناس تھے تو حضرت عمر کے زمانے سے باقاعدگی سے مسجد میں جماعت کے ساتھ بیس رکعتیں ہوتی ہیں۔

حرمین شریفین میں چودہ سو سال میں آج تک کبھی بیس رکعت کے علاوہ تراویح نہیں پڑھی گئی اس لئے ائمہ اربعہ کا متفق علیہ یہ مسئلہ سنن ترمذی کے متن کے اندر مذکور ہے۔

باقی داڑھی فرض ہے اور اس کو جو سنت کہا جاتا ہے تو ما ثبت بالسنۃ کے اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے قرآن سے نہیں۔

تزکیہ (حصہ دوم)

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ: ۳ اکتوبر ۱۹۹۷ء بمطابق ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ○ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ○﴾ وقال الله فی مقام آخر ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ○ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ○﴾ وقال الله فی مقام آخر ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

ایک ایک دفعہ سارے دازما درود شریف پڑھ لیا کرو پھر تقریر کے دوران میں جب سرور کائنات ﷺ کا نام آتا ہے تو کوشش کرنی چاہیے درود شریف پڑھنے کی۔ صرف ایک دفعہ اگر پڑھ لیا جائے تو کم از کم انسان گناہگار نہیں ہوتا اگر ایک دفعہ پڑھ لے اور باقی سارا بیان اگرچہ خاموش ہو کے بھی سنتا رہے ورنہ سعادت تو اسی میں ہے کہ جب بھی سرور کائنات ﷺ کا نام نامی آئے تو ﷺ مختصر سا درود ضرور پڑھ لیا کرو ایک دفعہ مجلس میں پڑھنا واجب ہے اس لئے ابتداء کے اندر سارے پڑھ لیا کرو۔

اللهم صل وسلم وبارك على سيدنا محمد واله وصحبه كما تحب وترضى عدد ما تحب وترضى استغفر الله ربى كل ذنب واتوب اليه.

تمہید:

پچھلے بیان میں آپ حضرات کے سامنے تزکیہ کی اہمیت ذکر کی گئی تھی اور یہ بتایا گیا تھا کہ حقیقی کامیابی انسان کو تزکیہ کے ساتھ حاصل ہوتی ہے تزکیہ کیا چیز ہے اسکی تفصیل آپ کے سامنے اب سلسلہ وار ان شاء اللہ العزیز آتی چلی جائے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ طبیعت کا رجحان ادھر کو ہوا کہ اکثر و بیشتر طلباء اس بات سے غافل ہوتے ہیں کہ تصوف کیا چیز ہے اور صوفی کسے کہتے ہیں لفظ سے عدم واقفیت کی بناء پر طبیعتوں میں اس فن سے کچھ بُعد سا ہے اور کچھ عوام میں اس کے متعلق غلط سا تصور قائم ہو گیا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ ہماری اس مجلس میں طلبہ کے سامنے چونکہ ایسی ہی باتیں کی جاتی ہیں جن سے اصلاح خیال ہو عقائد درست ہوں اعمال درست ہوں خیالات کی اصلاح ہو یہ بیان کا سلسلہ اسی لئے شروع کیا گیا تھا تو تصوف کے بارے میں بھی طلبہ کے خیالات صحیح ہونے چاہئیں اور یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ تصوف کسے کہتے ہیں اور ہمارے اکابر کا اس فن کے ساتھ کیا تعلق تھا اور یہ ضروری ہے یا نہیں اور

صوفی کا حکم کیا ہے؟

ورنہ بسا اوقات ایک لفظ بہت اہم ہوتا ہے لیکن اس کا مفہوم صحیح معلوم نہ ہونے کی بنا پر اس کی عظمت باقی نہیں رہتی۔

لفظ صوفی کی وضاحت لفظ سیاست سے

اس کی ایک مثال دیدوں کہ جیسے لفظ سیاست ہے اب بہت کسے کہتے ہیں آج سڑکوں پر بیٹھنے والے تبصرہ کرتے ہیں فلانا آدمی بڑا سیاسی ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ بڑا دھوکے باز ہے بڑا چال باز ہے بڑا ہوشیار ہے اپنے مطلب نکالنے کے لیے ایسی ایسی تجویزیں سوچ لیتا ہے کہ جو عام آدمی کے ذہن میں نہیں" تیں اس کو کہتے ہیں یہ بڑا سیاسی ہے۔

اور جو آپ کو کسی معاملے میں دھوکہ دے جائے تو آپ کہتے ہیں کہ میرے ساتھ سیاست کھیل گیا تو سیاست دھوکہ بازی کا نام ہو گیا اب سیاسی لیڈر، سیاسی رہنما کا لفظ جو بولا جاتا ہے تو ذہن جس قسم کے لوگوں کی طرف جاتا ہے وہ آپ حضرات کے سامنے ہی ہے۔ سیاسی لیڈروں کے جو کرتوت ہوتے ہیں جو ان کے خصلتیں ہوتی ہیں۔

صبح شام جھوٹ بولنا جھوٹے وعدے کرنا جھوٹ کی اشاعت کرنا اور اپنے مفاد کی خاطر قوم کی قربانی دینا ملک کو بیچ دینا اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے دوسروں کو برباد کر دینا۔ اپنی جائیدادیں بنانا غریبوں کو لوٹ لینا یہ اس قسم کا مفہوم ہے جس وقت ہم کہتے ہیں یہ فلانا سیاسی لیڈر ہے تو ذہن میں آتا ہے کہ یہ ایسے کرتوتوں کا مالک ہے تو لفظ سیاست بدنام سا ہو گیا ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ اب سیاست کسی شریف آدمی کا کام نہیں رہا۔

تو لفظ سیاست کا مفہوم غلط ذہن میں آ گیا جس کی وجہ سے اب اس لفظ کی عظمت ختم ہو گئی۔ اصل میں سیاست کیا چیز ہے سیاست کسے کہتے ہیں۔ حدیث شریف

میں لفظ سیاست استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ نہیں ہے بنیادی طور پر یہ لفظ عربی ہے۔ یہ کوئی انگریزی یا سنسکرت کا لفظ نہیں یہ عربی لفظ ہے۔ سَاسَ، یَسُوسُ، سِیاسۃً اس طرح سے اس کا فعل آتا ہے۔

انبیاء سیاست کرتے تھے

سرور کائنات ﷺ کا ایک قول ہے کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ وَاِنَّہٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام (بخاری ص ۴۹۱ / ۱) اس مضمون کی روایت باب الامارۃ و القضاء میں مشکوۃ شریف (ص ۳۲۰/۱) میں ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل کی سیاست انبیاء کے پاس ہوتی تھی۔ انبیاء ان کی سیاست کرتے تھے جب ایک نبی وفات پا جاتا تھا تو اللہ تعالی اور نبی بھیج دیتا وہ ان کی سیاست کرتا میرے بعد نبی کوئی نہیں ہوگا البتہ میرے بعد خلفاء ہوں گے اور وہ خلفا میری امت کی سیاست کریں گے۔ یہ مفہوم ہے اس حدیث کا جو آپ کے سامنے ذکر کر رہا ہوں۔ اصل میں یہ لفظ بتانا مقصود ہے آپ کو کانت بنو اسرائیل تسو سھم الانبیاء انکی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ تو اصل میں سیاست انبیاء کا کام تھا اور ایک نبی چلا جاتا تو سیاست کو دوسرا نبی آ کے سنبھال لیتا تھا۔ تو سرور کائنات ﷺ کے زمانے میں ساری سیاست آپ کے ہاتھ میں تھی اور فرمایا کہ اب اس سیاست کے لیے میرے بعد کوئی نبی تو آئے گا نہیں میرے خلفاء ہونگے اور وہ اس سیاست کو سنبھالیں گے۔ یہ کام وہ کریں گے تو آپ دیکھ رہے ہیں کتنا عظیم لفظ ہے کہ حضور ﷺ نے سیاست کو انبیاء کا کام قرار دیا اور انبیاء کے بعد آپ کا اپنا کام تھا اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کے خلفاء کا کام تھا۔ تو سیاست اصل کے اعتبار سے انبیاء اور ورثہ انبیاء کا کام ہے جو آج بے ایمانی کے مترادف ہوگئی کہ سیاست کا معنی ہے بے ایمانی کرنا۔ لوٹ مچانا اور اپنے

مطلب نکالنے کے لیے غلط سلط کام کرنا صبح سے لے کر شام تک جھوٹ کا پروپیگنڈہ کرنا۔ اپنی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانا اپنے مخالفین کی کردار کشی کرنا اب سیاست ساری کی ساری یہ ہے۔

سیاست کا اصل مفہوم

تو سیاست کہتے کسے ہیں۔ یہ لفظ عام طور پر سیاسۃ الفرس بولا جاتا ہے ادب میں جس کا معنی ہوتا ہے گھوڑے کی خدمت کرنا اس کو سنبھالنا اس لئے سائس اردو میں اس شخص کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی خدمت کرتا ہے اور اس کا عام مفہوم یہ ہے کہ قیام علی الشیء بما یصلحہ کسی چیز کی اصلاح کی ذمہ داری قبول کرنا (یہ ہے اصل کے اعتبار سے سیاست کا مفہوم) تو آپ جانتے ہیں کہ کسی شے کی اصلاح کی ذمہ داری وہی شخص قبول کرسکتا ہے جو اصلاح کا طریقہ بھی جانتا ہو اور پھر وہ اس پر عمل بھی کرسکتا ہو۔

ملک کی سیاست یہ ہے کہ ملک سنبھالو۔ اس کی ذمہ داری لو اس کی اصلاح کے جذبے کے ساتھ ملک درست کس طرح سے ہوگا۔ ملک ترقی کیسے کرے گا ملک میں خوشحالی کیسے آئے گی اس کا وقار کس طرح سے بلند ہوگا جو شخص ان چیزوں کو سمجھے اور پھر ان کاموں کے کرنے کی ذمہ داری لے کہ یہ کام میں کروں گا تو یوں سمجھو کہ وہ ملکی سیاست کا ماہر ہے۔ اور ملکی سیاست اس کا حق ہے۔ جو اصلاحی جذبے کے ساتھ ملک کو سنبھالے وہ ملکی سیاستدان ہے اور جو جماعت کو سنبھالے وہ جانتا ہے کہ جماعت کی اصلاح کس طرح سے ہوسکتی ہے۔ تنظیم کس طرح سے ہوگی یہ جماعت کیسے چلے گی تو گویا کہ وہ جماعت کی سیاست کا ماہر ہے مدرسے کی بھی ایک سیاست ہے کہ مدرسے کو کیسے سنبھالا جائے کیسے چلایا جائے اور مدرسین کو کیسے رکھنا ہے طلبہ کے ساتھ معاملہ کیسے کرنا ہے۔

ان کی تربیت کیسے کرنی ہے۔ یہ مدرسے کی سیاست ہے اور جو ان چیزوں کو جانتا

پہچانتا ہے وہ مدرسے کی سیاست کا ماہر ہے تو اصل کے اعتبار سے سیاست ان لوگوں کا کام تھا جن کے اندر ہمدردی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہو اور ان کی عقل کامل ہو وہ فساد بھی جانتے ہوں کہ فساد کس وجہ سے آتا ہے اور اصلاح بھی جانتے ہوں کہ اس کا طریقہ کیا ہے اور پھر ان کے اندر وہ اخلاص ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ اللہ کی مخلوق کو راحت پہنچانے کے لیے اصلاحی تدابیر اختیار کرتے ہیں اور دوسرے کے حال کو درست کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اصل کے اعتبار سے سیاسی لوگ یہ ہوتے ہیں لہذا سیاست بنیادی کام انبیاء علیہم السلام کا تھا اور انبیاء علیہم السلام کے بعد انبیاء کے خلفاء کا کام تھا۔

اور آج وہ سیاست لٹیروں کے ہاتھوں میں آ گئی اور سیاست کا لفظ بے ایمانی کے مترادف ہو گیا۔ تو لفظ کے مفہوم نہ سمجھنے کی بنا پر اس لفظ کی عظمت ختم ہو گئی اب اگر آپ کو کوئی کہے کہ آپ بڑے سیاستی ہیں تو آپ سمجھیں گے کہ مجھے گالی دی ہے کیونکہ آج سیاسی وہی ہے جو چال باز ہو۔ تو لفظ کا مفہوم خراب ہو گیا۔

لفظ تصوف کی وضاحت

بالکل اسی طرح سے سمجھئے کہ لفظ تصوف بہت پاکیزہ لفظ ہے۔ اس کے پیچھے بہت بڑی ایک حقیقت ہے اور بہت اس کی اہمیت ہے لیکن اس کا مفہوم جو تھا لوگوں کے ذہن میں نہ رہنے کی وجہ سے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس لفظ کی بھی عظمت ختم ہو گئی آپ سمجھتے ہیں کہ صوفی وہ ہوتا ہے جو سستی کا مارا ہوا ہو کہتے ہیں۔ یہ صوفی ہے کسی کام کا نہیں سستی کا مارا ہوا ہے کسی کام کا نہیں ۔ بے سمجھ۔ بے وقوف آدمی یا تصوف رہ گیا تعویذ گنڈے تک پھوکا پھ کی کر لی تعویز گنڈا کر لیا شاید صوفی ہونے کا یہ معنی ہے کہ تعویذ گنڈے کرتا ہے بس وہی صوفی ہے اور یہی تصوف ہے اور تصوف کے سلسلے کے لیے چونکہ پیری مریدی کا لفظ بنیادی حیثیت رکھتا ہے تو ذہن میں آتا ہے کہ پیری مریدی کے یہ معنی ہیں کہ پیر کے پاس جاؤ اور گنڈا تعویز لے آؤ کوئی تھوڑا سا نذرانہ

دے آؤ اور تعویذ لے آؤ اتنا سا کام رہ گیا ہے تو پیری مریدی اب اس مفہوم میں رہ گئی زیادہ سے زیدہ یہ ہوگا کہ نیچے نیچے کپڑے پہن کے موٹی موٹی تسبیحاں گلے میں ڈال لیں اور کہیں بیٹھ کے کوئی تھوڑا سا حق ہو کے نعرے لگا لیے سمجھتے ہیں یہ تو بڑا صوفی ہے یہ تو بڑا تصوف کا ماہر ہے یہ تصوف کا مفہوم رہ گیا سارے کا سارا اس لئے اکثر و بیشتر عقلمند آدمی صوفی کہلاتا ہوا گھبراتا ہے اور تصوف کے مفہوم سے اچھے بھلے طلبہ کا ذہن بھی خالی ہوگیا۔ تو جہاں دوسری باتیں آپ کے سامنے آئیں وہاں خیال ہوا کہ اس لفظ کی بھی آپ کے سامنے کچھ وضاحت کردی جائے۔

تصوف کا اصل مفہوم

تصوف کا اصل مفہوم یہ ہے کہ قال کو حال بنا دیں کہ صرف باتیں نہ رہیں بلکہ انسان کے اوپر ایک حال طاری ہو جائے۔ قال کو حال سے بدل دینے کا کیا مطلب؟ اس کو ایک مثال سے سمجھئے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے صوفی بہت بڑے تصوف کے ماہر اور قرآن وحدیث کے جاننے والے پاکستان میں بہت بڑے بزرگ ہمارے گزرے ہیں آپ حضرات سنتے رہتے ہیں۔ لاہور میں شیرانوالہ دروازہ ان کا مرکز تھا ایک دفعہ وہ بیان فرما رہے تھے میں نے خود ان کی زبان سے سنا سمجھانے کے لیے وہ بات یوں کہہ رہے تھے کہ دیکھو دین ایک رنگ ہے صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ہم بھی کہتے ہیں فلانے پہ دین کا بڑا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ اس کو اللہ کا رنگ قرار دیا۔

فرماتے تھے اللہ کو یوں سمجھو جس طرح سے کوئی رنگ ساز ہوتا ہے اس نے رنگ بنا دیا دین کا مجموعہ بنا بنایا ہمارے پاس آ گیا اور کہتے تھے علماء کو یوں سمجھو جیسے رنگ بیچنے کی دکانیں ہوتی ہیں رنگ فروش۔ تو اللہ تعالیٰ رنگ ساز اور علماء رنگ فروش۔ رنگ کی دکان میں جس طرح رنگ کے ڈبے بھرے پڑے ہوتے ہیں اور کہا کرتے تھے کہ صوفیا

کو یوں سمجھو جیسے رنگ ریز کپڑے کو رنگ چڑھا دینے والا۔ جو کپڑے رنگتا ہے۔ علماء کے پاس رنگ کے ڈبے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ رنگ چڑھاتے نہیں رنگ چڑھانا کام ہے رنگ ریز کا وہ کپڑے تو رنگتا ہے اور کپڑے کے اندر رنگ سرایت کر جاتا ہے فرماتے تھے کہ اگر کسی عالم سے کہا جائے جو صوفی نہ ہو کہ تو تہجد کی فضیلت پہ تقریر کر تو وہ بڑے جوش وخروش سے دو گھنٹے تقریر کر دے گا تہجد کے فضائل پر ساری روایتیں آپ کو سنا دے گا۔ ساری آیتیں پڑھ دے گا۔ جن میں رات کو اٹھنے کی فضیلت ہے رات کو اٹھ کے اللہ کو یاد کرنے کی فضیلت ہے۔ وہ سب آپ کو سنا دے گا لیکن جب تہجد کا وقت آئے گا تو سویا ہوا ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو وہ باتیں تو بتا سکتا ہے قال تو موجود ہے لیکن حال کہ جو کچھ زبان سے کہہ رہا ہے رنگ بھی چڑھا ہوا ہو یہ نہیں ہوتا۔ یہ ہوتا ہے صوفیہ کے ہاں اولیا کے ہاں وہ اس قال کو حال سے بدل دیتے ہیں اب ایک آدمی نماز کے مسائل تو سیکھ لیتا ہے وضوء کا طریقہ کیا ہے وضوء کن چیزوں سے ٹوٹا ہے کن چیزوں سے وضوء کیا جاتا ہے اس میں فرض کتنے ہیں اس میں مستحب کتنے ہیں۔ اس میں آداب کتنے ہیں وہ سارے کے سارے یاد ہو گئے مسجد کے کیا آداب ہیں نماز پڑھنے کا کیا طریقہ ہے۔

کتنی رکعتیں ہیں کتنے رکوع ہیں۔ کتنے سجدے ہیں کیا پڑھنا ہے کیا نہیں پڑھنا سارے کا سارا یاد ہے لیکن نماز نہیں پڑھتا تو یوں سمجھو کہ اس کے پاس قال تو ہے لیکن حال نہیں ہے اس قال کو حال کے ساتھ بدل دینا کہ جو کچھ انسان زبان سے کہے وہ اس کے حال میں بھی موجود ہو قال کو حال تک پہنچا دینا انسان کا حال قول کے مطابق ہو جائے اصل کے اعتبار سے تصوف کا یہ مفہوم ہے۔

تصوف کا ثبوت

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالی نے جو فرائض ذکر کیے ہیں ان میں جہاں

تلاوت قرآن ہے اور جہاں تعلیم کتاب وحکمۃ ہے وہاں آپ کے فرائض میں یزکیھم بھی ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں۔ جس تزکیے کی اہمیت پچھلے بیان میں آپ کے سامنے واضح کی گئی تھی یہاں تزکیے کے ساتھ اس کو تعبیر کیا گیا۔

حدیث جبریل

یاد رکھیے! تصوف کا لفظ قرآن میں آیا ہے نہ حدیث میں آیا ہے۔ مفہوم موجود ہے لفظ جدید ہے جو اس کے لئے استعمال ہوا دیکھنا تو مفہوم کو ہے قرآن کریم میں لفظ تزکیہ کا آیا ہے اور ایک روایت میں اس کے لیے احسان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حدیث شریف میں آتا ہے۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی آیا بظاہر دیکھنے میں تو معلوم ایسے ہوتا تھا کہ مسافر ہے مدینے کا رہنے والا نہیں تھا ہم اس کو نہیں پہچانتے تھے مدینے کا ہوتا تو ہم پہچان لیتے۔ لیکن اس کے اوپر سفر کا نشان بھی کوئی نہیں تھا۔ کپڑے صاف ستھرے۔ شکل صاف ستھری۔ مسافر جب آیا کرتا ہے تو اس کے ہاتھ میں کوئی تھیلا، ڈنڈا، مٹی کا کوئی اثر کپڑوں پر چہرے پر داڑھی پر اس وقت جیسے سفر کر کے آیا کرتے تھے۔ تو اثرات ہوتے ہیں ایسے اس کے اوپر اثر بھی کوئی نہیں تھا تو سارے متوجہ ہو گئے کہ یہ کون ہے لگتا تو ایسے ہے جیسے یہیں کہیں سے کپڑے بدل کر آیا ہے۔ نہا دھو کے آیا ہے۔ اور یہیں کا رہنے والا ہے۔ لیکن پہچانتا کوئی نہیں اور اس پر سفر کا نشان بھی کوئی نہیں اور آکے سرور کائنات ﷺ کے پاس بیٹھ گیا ور بیٹھا اس طرح سے کہ آپ کے گھٹنے کے ساتھ گھٹنے جوڑ دیئے اور آپ کی رانوں کے اوپر ہاتھ رکھ دیئے اور سارے حیران ہو کے دیکھ رہے ہیں کہ یہ کیا حرکتیں کر رہا ہے۔ سارا مجمع متوجہ ہو گیا اور پھر وہ سوال کرتا ہے **یا محمد اخبرنی عن الایمان** اے محمد مجھے بتا ایمان کسے کہتے ہیں یہ اس نے سوال کیا تو سرور کائنات ﷺ نے جواب دیا اس کو حدیث جبرائیل کہتے ہیں۔

مشکوۃ شریف (ص ۱/۱۱) میں کتاب الایمان کی پہلی روایت اور اس طرح سے

صحیح ستہ کے اندر یہ موجود ہے صحیح ترین روایت ہے حدیث جبرائیل۔ آپ نے ایمان کے جواب میں اس کو بتایا اللہ پر یقین لانا۔ اللہ کے فرشتوں پر یقین لانا اللہ کے بھیجے گئے رسولوں پر یقین لانا اللہ کی کتابوں پر یقین لانا۔ قیامت پہ یقین لانا تقدیر پہ یقین لانا یہ ایمان ہے یہ باتیں ساری کی ساری حضور ﷺ نے اس کے سامنے بیان کیں۔ تومن باللہ وملئکۃ جب آپ جواب دے چکے تو وہ کہتا ہے صدقت آپ نے بالکل ٹھیک جواب دیا صحابہ کہتے ہیں ہم سن کے حیران ہو رہے تھے کہ پوچھتا تو ایسے ہے جیسے اس کو پتہ نہیں اور جواب سن کے کہتا ہے کہ جواب ٹھیک ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو پہلے پتہ ہے کہ ایمان کسے کہتے ہیں یہ امتحان لے رہا ہے کہ جواب صحیح دیا ہے پوچھتا بھی ہے تصدیق بھی کرتا ہے۔

پھر دوسرا سوال اس نے کیا اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ مجھے بتاؤ اسلام کیا چیز ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اپنی زبان سے شہادتیں ادا کرو۔ یعنی اللہ کے ایک ہونے کی اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی شہادت دے اور نماز قائم کر۔ زکوۃ دے۔ روزے رکھ اور حج کر۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اسلام ہے اس کو سن کے بھی کہتا ہے کہ صدقت یعنی آپ نے ٹھیک کہا ٹھیک جواب دیا۔

پھر اس نے تیسرا سوال کیا اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ مجھے بتاؤ احسان کیا چیز ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ۔ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت ایسے کر گویا کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے کیونکہ تو اگر نہیں دیکھتا تو وہ تو دیکھ رہا ہے یعنی یہ درجہ ہو انسان کا کہ اللہ کی عبادت ایسے کرے گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے یہ روحانی معراج ہے یہ ہے روحانیت کی انتہاء۔

کہ اس طرح سے حال ہو جائے کہ اللہ کا گویا کہ مشاہدہ ہے اور اللہ کے سامنے ہر وقت حاضری کا تصور ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے یہ انتہا ہے انسان میں روحانیت کی تو احسان کے جواب میں حضور ﷺ نے یہ بیان فرمایا تو یوں سمجھو کہ انسان کے روحانی

کمال کو لفظ احسان کے ساتھ تعبیر کر دیا۔

تو یہ مفہوم جس کو ہم تصوف کے ۔۔تھ تعبیر کر رہے ہیں اس کو اس روایت میں لفظ احسان کے ساتھ تعبیر کیا ہے تو مرتبہ احسان کو حاصل کرنا یہ ہے اصل کے اعتبار سے تصوف۔ تزکیہ حاصل کرنا یہ ہے اصل کے اعتبار سے تصوف۔ چاہے اس کو تزکیہ سے تعبیر کرو یہ قرآن کی تعبیر ہے اور چاہے اس کو احسان سے تعبیر کرو۔ یہ حدیث کی تعبیر ہے اور چاہے اس کو جہاد بالنفس کے ساتھ تعبیر کرو نفس کے خلاف جہاد کرنا اصل کے اعتبار سے یہ تصوف ہے۔

لفظ جہاد کی تشریح

جہاد کیا ہوتا ہے جاہد مجاہدۃ مقابلے میں کوشش کرنا ایک جہاد ہے دشمن کے مقابے میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے آپ کافر کے مقابلے میں جہاد کریں گویا کہ حق کو باطل کے اوپر غالب کرنے کے لیے جو جدوجہد کی جاتی ہے اس کو جہاد کہتے ہیں۔ اور یہ آپ بھی سمجھتے ہیں جہد کیا ہے اس لئے جہاد تلوار سے بھی ہوتا ہے تلوار ایک عنوان ہے ہر زمانہ کا جو اسلحہ ہے اس کو تلوار کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ افغانستان میں جہاد بالسیف ہو رہا ہے حالانکہ وہاں کسی مجاہد کے ہاتھ میں تلوار نہیں وہاں کلاشنکوف ہے ۔۔۔ جو بھی وقت کا اسلحہ ہو اس کو سیف کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جہاد بالسیف کا معنی ہے اسلحہ کے ساتھ جنگ کرنا چاہے وہ نیزے سے ہو چاہے تلوار سے ہو چاہے توپ سے ہو چاہے میزائلوں سے ہو ہوائی جہازوں سے ہو کلاشنکوف سے ہو وہ جہاد بالسیف کہلاتا ہے اور جہاد بالقلم یعنی ایسے مضمون لکھنا جن سے حق کو غالب کیا جائے باطل کے مقابلے میں باطل کے اعتراضوں کا جواب دیا جائے یہ جہاد بالقلم ہے اور ایک جہاد باللسان ہے یعنی زبان کے ساتھ حق کو غالب کرنے کی کوشش کرنا باطل کے اعتراضوں کا جواب دینا یہ جہاد باللسان ہے۔

مال خرچ کرنا یہ جہاد بالمال ہے یعنی مال خرچ کرنا حق کو حمایت دینے کے لیے

باطل کو ختم کرنے کے لیے اس لیے جہاد بالقلم بھی ہوتا ہے جہاد باللسان بھی ہوتا ہے جہاد بامال بھی ہوتا جہاد بالسیف بھی ہوتا ہے یہ سب آپ کی باہر کی لڑائی ہے۔ دشمن آپ کا سامنے کھڑا ہے آپ اس کے مقابے میں لڑ رہے ہیں اور ایک ہے جہاد آپ کے باطن میں کیونکہ آپ کے باطن میں بھی دونوں قوتیں ہیں ایک وہ قوت ہے جو آپ کو گناہ کی طرف بلاتی ہے اور ایک وہ قوت ہے جو نیکی کی طرف بلاتی ہے یہ آپ کے اندر بھی میدان جنگ ہے اور جہاد بالنفس کا مطلب یہاں یہ ہے کہ اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا کہ نفس تقاضا کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا تو اس کی ان خصلتوں کا مٹانا اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برادری پر اس جذبے کو جو روحانی جذبہ ہے اسکو غالب کرنے کی کوشش کرنا اس کو جہاد بالنفس کہتے ہیں جہاد بالنفس کے نتیجے میں انسان کے اندر سے برائی مٹتی ہے جس کے نتیجے میں انسان کے اندر نیکی اور خیر کا غلبہ پیدا ہوتا ہے۔ س کو جہاد بالنفس کہتے ہیں تو یوں کہہ لیجئے کہ تصوف ایک جہاد بالنفس ہے کہ انسان اپنے باطن کی طرف متوجہ ہو اور خیر کی قوتوں کو غالب کرنے کے لیے اور شر کی قوتوں کو مٹانے کے لیے جو مجاہدہ کیا جائے گا جو تدبیر اختیار کی جائے گی وہ ایک جہاد ہے اور یہ جہاد بالنفس باہر والے جہاد کے مقابلے میں زیادہ اہم اور زیادہ مشکل ہے جب ایک دشمن آپ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو غصے میں آ کے اس کے ساتھ لڑنا اس کے اوپر حملہ کرنا یہ آسان ہے لیکن اپنے اندر سے برائی کی جڑ نکالنا بہت مشکل ہے یہ ایسے ہے جیسے ناخنوں سے گوشت علیحدہ کیا جائے اپنی عادت کو بدلنا۔

ملکوتی اور شیطانی قوتوں کی جنگ

مثلاً نفس تقاضا کرتا ہے کہ سوئے رہیں نماز نہ پڑھیں اب اس کے اوپر اس قوت کو غالب کرنا کہ آپ نماز پڑھیں سوئیں نہیں۔

- نفس تقاضا کرتا ہے کسی معاملے میں جھوٹ بولنے کا اس کے خلاف جہاد کرنا کہ جھوٹ کی عادت چھوٹے اور سچ کی عادت پڑے۔

❀ نفس تقاضا کرتا ہے کسی خیانت کا اسکے مقابلے میں کوشش کرنا کہ خیانت کی عادت کو مٹا دیا جائے دیانت اور امانت کی عادت آ جائے۔

❀ نفس اور کسی قسم کی بددیانتی کی بات کرتا ہے فسق وفجور کی طرف مائل ہوتا ہے تو اس کے فسق و فجور کو مٹانا اور اس کے اوپر خیر کو غالب کرنا۔

یہ ہے جو انسان کے اندر جنگ جاری ہے ملکوتی اور شیطانی ایک طرف شیطانی قوت ہے جو انسان کو برائی کی طرف لے جانے والی ہے اور دوسری طرف ملکوتی قوت ہے جو انسان کو اچھائی کی طرف لے جانے والی ہے یہ کشاکشی بھی انسان کی طبیعت میں جاری ہے تو شر کو مغلوب کرنے کے لیے اور خیر کو غالب کرنے کے لیے جو کوشش کیجاتی ہے یہ ہے جس کو جہاد بالنفس کہا جاتا ہے یہ جہاد بالنفس باہر والے جہاد کے مقابلے میں زیادہ مشکل ہے کیونکہ اگر اپنے نفس کی اصلاح جہاد کے ساتھ ہوگی تو باہر والا جہاد مقبول جہاد ہو جائے گا ورنہ اگر آپ نے محض غصہ نکالنے کے لیے کسی دشمن کو مار دیا اپنے نفسانی غصے کے تحت اس کو جہاد نہیں کہیں گے یہ صورتِ جہاد ہے حقیقتِ جہاد نہیں یہ آپ سنتے رہتے ہیں۔

باطنی صفائی کے بغیر ظاہری عمل کے اعتبار نہیں

حدیث شریف میں جیسے آتا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ جن لوگوں کا حساب لیں گے ان میں ایک شہید ہوگا ایک عالم ہوگا اور ایک مال خرچ کرنے والا ہوگا شہید جس نے اللہ کے راستے میں جان دی ہے اللہ کے سامنے پیش ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسے کہیں گے کہ دیکھو میں نے تجھے اتنی نعمتیں دی تھیں تو نے کیا کیا وہ کہے گا کہ میں نے تیرے راستے میں جان دیدی اب یہ جان دینا ایک ظاہری فعل ہے لیکن اللہ کہے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے تو نے میرے راستے میں جان نہیں دی جسکا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اس کے اندر شر مٹا ہوا نہیں تھا اور خیر غالب نہیں تھی تو یہ ظاہری قتل وقتال ایک شر کے جذبے کے تحت تھا خیر کے جذبے کے تحت نہیں تھا وہ کیا؟ شہرت کی طلب اور اپنا نام پیدا کرنا

کہ سننے والے کہیں کہ دیکھو بڑا بہادر تھا اس نے بڑی بہادری دکھائی اس جذبے کے تحت جو لڑائی ہے یہ شر کے تحت ہے یہ خیر کے تحت نہیں ہے اس لیے یہ صورۃً جہاد ہوگا حقیقتاً جہاد نہیں بنتا جب تک اندر کا یہ شر مرا ہوا نہ ہو نیکی غالب نہ ہوئی ہو تو باہر والا جہاد جہاد نہیں بنتا اور اس کے نتیجے میں جنت نہیں ملے گی بلکہ اس شر سے پیدا شدہ جہاد جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بن جائے گا۔

مال اللہ کے راستے میں انسان خرچ کردے یہاں بھی دو جذبے ہیں ایک اللہ کی رضا اور دوسری شہرت کی طلب تو شہرت کی طلب شر ہے اور اس شر کے تحت آپ نے جو کام کیا یہ صدقہ خیرات اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوگا کیونکہ یہ اچھے جذبے سے نہیں ہوا۔ تو اگر یہ شر کا جذبہ اندر موجود ہے شہرت کی طلب کا تو دیکھو صدقہ خیرات ساری زندگی کرتے رہو کروڑوں کا مال کروڑوں روپے اللہ کے راستے میں لٹا دو لیکن اس عمل کے اوپر کوئی اچھا نتیجہ مرتب نہیں ہوگا کیونکہ یہ عمل خیر سے ناشی نہیں شر سے ناشی ہے۔

آپ کے نفس کے اندر ایک شر موجود ہے وہ ہے شہرت کی طلب اور اس نے آپ سے یہ مال خرچ کروایا ہے جب یہ شر سے ناشی ہے تو شر ہوا یہ خیر نہیں اس لیے اس صدقے کے نتیجے میں انسان جنت میں نہیں جائے گا جہنم میں چلا جائے گا تو جب اندر شر موجود ہے تو ایک آدمی ساری زندگی قرآن پڑھتا پڑھاتا رہے تیسرا جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا کہ قاری پیش کیا جائے گا اللہ اس سے بھی یہی سوال کریں گے وہ کہے گا کہ میں نے ساری زندگی تیرا دین پڑھا پڑھایا قرآن پڑھا اور پڑھایا اللہ کہے گا کہ جھوٹ بولتا ہے میرے لیے نہیں پڑھا پڑھایا بلکہ تو تو اس لیے پڑھاتا تھا کہ تیری شہرت ہو کہ بہت بڑا عالم ہے بہت بڑا قاری ہے (مسلم ص۱۴۰ ج۲) تو یہاں بھی دیکھو وہی بات آگئی یعنی طلب شہرت تو انسان کے نفس کے اندر ایک شر ہے یہ بری خصلت ہے تو جو کام اس جذبے سے ناشی ہوگا چاہے وہ بظاہر اچھا کام کیوں نہ ہو یہ خیر سے ناشی نہیں یہ شر سے ناشی ہے۔

تو جو عمل شر سے ناشی ہوگا وہ خیر کیسے بن جائے گا یعنی جب انسان ایک کام کرتا

ہے اور برے جذبے سے کرتا ہے تو اس کی ظاہری صورت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو وہ برا کام تو ہوسکتا ہے وہ اچھا کام نہیں ہوگا وہ شر ہوگا وہ خیر نہیں ہوگا اس لئے ساری زندگی کا پڑھنا پڑھانا جو ظاہری طور پر ایک بہت بڑا اعلیٰ کام تھا لیکن اس باطن کے شر نے اس کو شر بنا دیا کہ اللہ کے ہاں وہ عمل قبول نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بھی گھسیٹ کے جہنم میں پھینک دیں گے جس سے معلوم ہوگیا کہ انسان کی طبیعت کے اندر جس وقت خیر کا غلبہ نہ ہو اور شر کو نہ مٹایا جائے اس وقت تک انسان کے ظاہری اعمال جتنے بھی ہیں وہ خیر نہیں ہوتے وہ سارے کے سارے شر ہو جاتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ جس طرح فرماتے ہیں کہ

کلید دردوزخ است آں نماز کہ درچشم مردم گذاری دراز

کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے جو لمبی نمازیں پڑھی جاتی ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے کہ میں بہت بڑا نمازی بن گیا ہوں یہ کلید دردوزخ است یہ دوزخ کے دروازے کی چابی تو ہے یہ جنت کی چابی نہیں ہے یہ نماز انسان کو دوزخ کی طرف تو لے جائے گی اللہ تعالیٰ اس نماز کو اس انسان کے منہ پہ مارے گا۔ یہ قبول نہیں ہوگی کیونکہ اچھے جذبے سے ناشی نہیں یہ برے جذبے سے ناشی ہے۔

تو اس سے معلوم ہوگیا کہ ظاہری اعمال جتنے بھی ہیں یہ اچھے اس وقت بنیں گے جب آپ باطن میں جہاد کر کے شر کو مغلوب کریں اور خیر کو غالب کرلیں اگر آپ کے باطن میں شر غالب ہے خیر کے مقابلے میں برے جذبات موجود ہیں۔

اچھے جذبات نہیں ہیں تو ان جذبات کے تحت جو کام کیا جائے وہ ظاہری طور پر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو وہ اللہ کے ہاں برائی سمجھی جائے گی اچھائی نہیں سمجھی جائے گی اور یہ ہے وہ پہلی بات جو حدیث شریف میں کہی جاتی ہے صحیح بخاری کی پہلی روایت مشکوۃ شریف کی پہلی روایت اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ آگے ہے مَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُهَا اَوْ اِلٰی اِمْرَاءَةٍ یَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ اِلٰی مَاهَاجَرَ اِلَیْهِ تو ہجرت

جیسا عمل اگر برے جذبے کے تحت ہوا ہے اچھے جذبے کے تحت نہیں ہوا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہجرت کی ہے یا کوئی دنیا کا مفاد حاصل کرنے کے لیے ہجرت کی ہے۔ تو دنیا کا مفاد حاصل کرنا نکاح کرنا اور اس جذبے سے ہجرت کرنا یہ ہجرت برے جذبے سے ناشی ہے اچھے جذبے سے ناشی نہیں تو ظاہری صورت کتنی ہی اچھی کیوں نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگی مردود ہو جائے گی۔

خلاصۂ بیان

تو عرض یہ کر رہا ہوں کہ انسان کی طبیعت کے اندر بھی دونوں باتیں ہیں شر کی قوت بھی ہے خیر کی قوت بھی ہے اور انسان کے اندر بھی ایک جہاد جاری ہے اپنے دل کے اندر بھی ایک جہاد جاری ہے وہ یہ ہے کہ خیر اور شر ہمیشہ کشاکشی پیدا کرتے ہیں ایک وقت آپ کے دل میں خیال آتا ہے۔ نیکی کروں اس کے مقابلے میں خیال آجاتا ہے کہ نہیں یہ کام نہیں کرنا یہ برائی کا کام کروں یہ وہی کشاکشی ہے جو دشمن کے درمیان میں ہوتی ہے۔ تو اگر شر غالب آ گیا تو باہر سارا کا سارا زندگی کا نظم شر اور اگر خیر غالب آ گئی تو سارے کا سارا خیر تو دین کو دین بنانا نیک اعمال کو حقیقۃً اچھے اعمال بنانا اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ یہ اچھے جذبے سے ناشی ہوں برے جذبے سے ناشی نہ ہوں تو برے جذبے کو مٹانا اچھے جذبے کو غالب کرنا اصل کے اعتبار سے وہ جہد ہے جو انسان کے نفس میں جاری رہتا ہے اس کو جہاد بالنفس کہتے ہیں اور اصل کے اعتبار سے تصوف کا موضوع یہ ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کس طرح سے کرنا ہے اور خیر کے جذبات کو غالب کس طرح سے کرنا ہے اور شر کے جذبات کو کس طرح سے مٹانا ہے یہ اصل کے اعتبار سے تصوف کا موضوع ہے اب چاہے آپ اس کو تزکیہ سے تعبیر کر لیں اور چاہے اس کو احسان سے تعبیر کر لیں چاہے اس کو جہاد بالنفس سے تعبیر کر لیں مفہوم ایک متعین ہے لفظ جو بھی آپ بولیں اپنی طبیعت میں قال کو حال کے درجے میں لے جانا اور اپنی طبیعت میں شر کے جذبے کو مغلوب کر کے خیر کے جذبے کو غالب کرنا یہ

تصوف ہے اور جو یہ کام کرتا ہے وہ متصوف ہے یا صوفی ہے در جو اس فن کا ماہر ہو جاتا ہے معلم کے درجے میں آجاتا ہے استاد کے درجے میں آجاتا ہے اس کو ہماری اصطلاح میں پیر کہتے ہیں شیخ کہتے ہیں جس طرح ظاہری علوم کو حاصل کرنے کے لیے ایک استاد پکڑا جاتا ہے ایک آپ کا استاد حدیث پڑھانے والا ہے آپ اس کو شیخ الحدیث کہیں گے ایک آپ کا استاد تفسیر پڑھانے والا ہے آپ اس کو شیخ التفسیر کہیں گے۔

اور ایک آپ کا استاد فقہ پڑھانے والا ہے آپ اس کو شیخ فقہ کہیں گے اسی طرح سے جو شخص آپ کے باطن کی اصلاح کرتا ہے اور شر کو دبانے اور خیر کو غالب کرنے کے طریقے آپ کو بتاتا ہے۔ آپ کے ساتھ معاونت کرتا ہے اس کو شیخ طریقت کہتے ہیں اسی کو ہماری اصطلاح میں پیر کہتے ہیں تو پیری مریدی کا اصل موضوع یہ ہے کہ ایسا شخص جس نے اپنے باطن کے اندر شر کو مغلوب کر لیا اور خیر کو غالب کر لیا اس کو استاد مان لینا اور اسکی تربیت کے اندر رہتے ہوئے ان طریقوں کو اپنانا جن کے ساتھ شر مغلوب اور خیر غالب ہو اسی کو اتباع طریقت کہتے ہیں اور یہی تصوف ہے اور یہی صوفی ہونا یہی پیری مریدی کا موضوع ہے۔

تو یہ ہے ان الفاظ کا صحیح مفہوم جن کا صحیح مفہوم معلوم نہ ہونے کی بناء پر نہ ہمارے دل میں پیری مریدی کی عظمت رہی اور نہ ہمارے دل میں تصوف کی عظمت رہی نہ ہمارے دل میں صوفی کی عظمت رہی تو یہ ہے اصل کے اعتبار سے اس کا مفہوم اور آگے پھر سلسلہ پیری مریدی کے متعلق کہ بیعت کی کیا حقیقت ہے اور بیعت کے بعد کیا کیا جاتا ہے سنت سے کیا طریقے ثابت ہیں کیا طریقے ثابت نہیں ہیں۔

ان شاء اللہ سب باتیں درجہ بدرجہ آپ کے سامنے آتی جائیں گی اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے موضوع کو شروع کر کے ڈرتا بھی تھا کیونکہ اس کا تعلق سارے کا سارا باطن کے ساتھ ہے اصلاح باطن کے ساتھ اور جو آدمی خود اندھا ہو وہ کسی کے سامنے کیا ذکر کرے گا لیکن اپنے بزرگوں کی برکت سے ان کی کتابوں کے پڑھنے سے ان کی

صحبت میں بیٹھنے سے اس مسئلے میں دو چار باتیں جو بھی سنی سنائی ہیں۔ وہ انشاء اللہ آپ کے سامنے ذکر کریں گے اور اس نیت سے ذکر کریں گے کہ اس مذاکرہ کے ساتھ مجھے بھی وہ چیز نصیب ہو جائے جو ان الفاظ کے تحت مقصود ہے اور اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں آپ کو بھی سمجھاؤں موضوع بہت اہم ہے اس لئے سمجھداری کے ساتھ توجہ کے ساتھ اس کو سنا کریں انشاء اللہ العزیز مفید رہے گا اللہ تعالیٰ توفیق بخشے و آخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین۔

تزکیہ (حصہ سوم)

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ: جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۷ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ (بخاری ص ۱۳/ ۱)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ (بخاری ص ۱۳/ ۱)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ

حدیث کا ترجمہ:

سرور کائنات ﷺ کا یہ مبارک قول جو آپ کے سامنے پڑھا گیا اس کا ترجمہ یہ ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں بدن کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جائے خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے وہ گوشت کا ٹکڑا کونسا ہے فرمایا توجہ سے سن لو (الاحرف تنبیہ ہے) وہ گوشت کا لوتھڑا دل ہے یہ ہے مفہوم اس قول مبارک کا جو آپ کے سامنے پڑھا گیا ہے میں اور آپ انسان ہیں اللہ کا شکر ہے اور جب ہم انسان کا لفظ بولتے ہیں تو دو باتیں سامنے آیا کرتی ہیں روح اور بدن دونوں کے مجموعے کو انسان کہتے ہیں میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوں دونوں کا مجموعہ ہوں ور آپ میرے سامنے بیٹھے ہیں دونوں کا مجموعہ ہیں۔

تو دونوں کے مجموعے کا نام انسان ہے لیکن ان میں سے اصل کیا ہے۔

روح اور جسم میں اصل کیا ہے؟

روح اور جسم میں اصل کیا ہے اور غیر اصل کیا ہے یہ جو دو جز ہم نے بنا دیے ایک قالب ایک قلب ایک روح ایک جسد ان میں اصل کیا ہے معلوم یوں ہوتا ہے کہ اصل تو روح ہے روح کو اللہ تعالیٰ نے نمایاں کرنے کے لیے تاکہ یہ محسوس ہو ایک کثیف اور مٹی کا برتن دے دیا جس کے ساتھ روح اس دنیا کے اندر ہمارے سامنے متشکل ہوگئی اکیلی روح چونکہ بہت لطیف ہے تو جس طرح سے فرشتوں کو ہماری آنکھ نہیں دیکھ سکتی اسی طرح سے روح کو بھی ہماری آنکھ نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ روح کوئی قالب اختیار نہ کرے اور کثیف پردہ اس کے اوپر نہ چڑھے تو روح کا ادراک نہیں ہوسکتا جیسے آنکھ سے فرشتہ نظر نہیں آتا یا ہوا نظر نہیں آتی یا جن نظر نہیں آتا جب تک کوئی صورت اختیار نہ کرے اس وقت تک نظر نہیں آتا تو ایسے ہی روح ہے یہ بھی ایک لطیف شئی ہے۔ اور اس کا ادراک نہ ہوتا اگر اس کو یہ خاکی پردہ نہ اڑھایا جاتا تو یہ خاکی بدن روح کے لیے پردہ ہے اس روح کو اس پردے میں ہمارے سامنے دنیا میں نمایاں کیا

گیا یہ ایک سواری ہے جو روح کو دی گئی ہے۔

سمجھانے کے لیے مثال

سمجھانے کے لیے ایک مثال دیدوں بادام کا لفظ تو آپ سنتے ہیں دیکھا بھی ہے جب بازار سے جا کے آپ بادام خریدیں گے چالیس روپے کلو پچاس روپے کلو تو آپ کو وہ تول کے دیں گے تو بادام مجموعہ ہے چھلکے کا اور مغز کا اور ان دونوں میں سے اصل کیا ہے مغز اصل ہے اور مغز میں بھی اصل وہ روغن ہے جو مغز کے اندر سرایت کیا ہوا ہے اصل تو آپ کو روغن مطلوب ہے جو اس کے اندر ہے یعنی تیل جس کو آپ بادام روغن کہتے ہیں اصل تو وہ ہے جس کو گٹھلی کی شکل میں نمایاں کیا گیا ہے پھر گٹھلی کے اوپر موٹا سا پردہ چڑھا دیا گیا یہ بادام بن گیا گھر آپ لانے کے بعد ان کو توڑتے ہیں۔ اس کا کثیف پردہ اوپر والا علیحدہ کر دیتے ہیں اور گری کو آپ نچوڑتے ہیں اور اندر سے روغن نکال لیتے ہیں اب وہ چھلکا بھی علیحدہ ہو جاتا ہے۔

روغن نکال لینے کے بعد موٹا چھلکا اور گودا اس کو آپ کیا کرتے ہیں پھینک دیتے ہیں نا؟ سنبھال کے نہیں رکھتے جس سے معلوم ہوا کہ بادام سے اصل مقصود تو وہ روغن تھا روغن نکل جانے کے بعد وہ بادام بادام نہیں رہا بادام کا چھلکا ہو گیا در جو گودا باقی رہ گیا اس کو بادام نہیں کہیں گے جب تلا تھا تو چھلکا بھی پچاس روپے کلو تلا تھا اب اگر آپ بازار میں لے جائیں اور دکاندار سے کہیں کہ یہ چھلکا تو نے مجھے پچاس روپے کلو دیا ہے تو مجھ سے پانچ روپے کلو لے لے وہ لے لے گا؟ نہیں وہ کہے گا جب میں نے دیا تھا تو یہ بادام تھا اب یہ بادام نہیں بادام کا چھلکا ہے چھلکا پھینکنے کی چیز ہے سنبھالنے کی چیز نہیں یہ ترازو میں نہیں تلے گا یہ قیمت نہیں پائے گا یہ پھینکنے کی چیز ہے کیونکہ اصل مقصود اس میں سے نکل گیا۔ تو تیل اور روغن ایک لطیف چیز تھی اللہ نے اس کو ایک کثیف پردے میں ڈال کے بھیجا۔ یہ مرکب بادام کہلایا لیکن اس روغن کے نکل جانے کے بعد باقی جو کچھ بچا وہ زائد چیز ہے فضول چیز ہے پھینکنے کی چیز ہے سنبھالنے کی چیز نہیں ہے۔

آپ آم خریدیں بیس روپے کلو لے آئیں ان میں سے آپ نے رس نکال لیا

پھر آپ نے چھلکا اور گٹھلی اٹھا کے پھینک دی حالانکہ جب بیس روپے کلو تلا تھا تو چھلکا بھی تلا تھا گٹھلی بھی تلی تھی اس وقت یہ آم کہلاتا تھا لیکن جب اس میں سے آپ نے رس نکال لیا اب یہ آم نہیں ہے اب یہ آم کی گٹھلی ہے آم کا چھلکا ہے اب اس کو آم کی طرح ٹوکریوں میں سنبھال سنبھال کے نہیں رکھیں گے۔ اور آم کی طرح رغبت کے ساتھ ہم خریدیں گے بھی نہیں بیچیں گے بھی نہیں تو معلوم ہوگیا کہ آم اصل کے اعتبار سے وہ ہے جو اللہ نے اس پردے کے اندر بند کر کے آپ کے لیے بھیجا تھا اور جب وہ رس نکل گیا تو اب گٹھلی اور چھلکے کی قیمت آم والی قیمت نہیں ہے یہ موٹی موٹی مثالیں آرہی ہیں۔

بالکل اسی طرح سے سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس روح کو اس خاکی بدن میں ڈال کر اس دنیا کے اندر بھیج دیا تاکہ نمایاں ہو اور نمایاں ہو کر اپنے اس بدن کے ذریعے سے کچھ اعمال کچھ کردار کچھ حالات اسکے سامنے آئیں تو جس وقت تک روح اس بدن میں ہے یہ بدن اور روح کے ساتھ مل کر انسان کہلاتا ہے اور اس انسان کی جو قدر ہے اس بدن کی قدر بھی ہے انسان کو کرسی پر بٹھاتے ہیں تو اسی بدن پر بٹھاتے ہیں بچہ اگر ہوتا ہے اس میں روح بچے والی ہوتی ہے تو کس طرح سے آپ اس سے محبت کرتے ہیں سینے سے لگاتے ہیں چومتے ہیں سونگھتے ہیں کتنا اس کے ساتھ پیار آتا ہے استاذ آپ کا ہے روح مع الجسد ہے آپ اسکی عزت کرتے ہیں احترام کرتے ہیں سامنے بیٹھتے ہیں تو گھٹنے ٹیک کے بیٹھتے ہیں۔

آپ کا شیخ ہے روح مع الجسد ہے جب سامنے آتا ہے تو کتنی محبت کتنی عظمت ہوتی ہے تو یہ روح مع الجسد جو ہے یہ جسد بھی ساتھ ساتھ وہی احترام کرواتا ہے جو روح کا ہے۔

روح کے نکلنے کے بعد جسم کی حیثیت

لیکن ایک وقت آتا ہے اللہ کی حکمت کے تحت کہ اس روح کو بدن سے نکال لیا جاتا ہے جب روح جسم سے نکال لی جاتی ہے تو ٹانگوں کا فرق ہوتا ہے یا وہی دو ٹانگیں ہوتی ہیں؟ بازو وہی دو ہوتے ہیں سر وہی ہوتا ہے ناک کان وہی ہوتے ہیں؟

(جی) پھر روتے کیوں ہو؟ جب سب کچھ سامنے پڑا ہے پھر روتے کیوں ہو۔

بیوی روتی ہے حالانکہ خاوند تو چارپائی پہ پڑا ہے۔

ماں روتی ہے کہ بیٹا گیا بیٹا روتا ہے کہ باپ گیا بھائی روتا ہے کہ بھائی گیا چچا بھتیجے کو روتا ہے بھتیجا چچے کو روتا ہے بھانجا ماموں کو روتا ہے ماموں بھانجے کو روتا ہے حالانکہ وہ تو گھر پڑا ہوا ہے تو اگر تمہیں کوئی کہے روتے کس کو ہو وہ تو یہ پڑا ہے تو آپ کیا کہیں گے یہ وہ نہیں ہے یہ خاوند نہیں ہے یہ خاوند کی لاش ہے یہ باپ نہیں ہے یہ باپ کی لاش ہے یہ بھائی نہیں ہے یہ بھائی کی لاش ہے۔ جس طرح سے آم کا چھلکا اسی طرح سے بھائی کی اصل نکل جانے کے بعد اب یہ کسی کام کا نہیں اب یہ چونکہ انسانی شرافت ہے کہ اس کو چھلکے کی طرح اٹھ کے باہر نالی میں نہیں پھینک دیا جاتا۔ کیونکہ چند دن اس کے اندر انسانی روح رہی ہے اس لیے اس کو یہ شرافت حاصل ہوگئی کہ اب اس کو آم کے چھلکے کی طرح اٹھا کے باہر پھینکنا ٹھیک نہیں ہے۔

لیکن سنبھال کے بھی نہیں رکھا جاتا اس لئے اس کو ضائع کرنا ہے اپنے گھر سے نکالنا ہے دور ہٹانا ہے ورنہ یہ گند مچائے گا ہاں ادب واحترام کے ساتھ لے جا کر کپڑے میں لپیٹ کے مٹی میں دفن کر دیتے ہیں بہر حال گھر میں رکھنے کی چیز نہیں ہے۔

اگر گھر رکھو گے تو سوائے اس کے کہ بدبو پھیلے سوائے اسکے کہ گند پھیلے کچھ حاصل نہیں یہ موٹی سی مثال کے ساتھ آپ کے ذہن میں ایک بات ڈال رہا ہوں کہ اس میں سے کیا نکل گیا ہے جس کے بعد یہ رکھنے کی چیز ہی نہیں رہی اب ہر کوئی ڈرتا ہے کہ بدبو آئے گی اس لئے ہر کوئی کوشش کرتا ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے لے جاؤ اصل حق تو یہ تھا کہ چھلکے کی طرح اٹھا کے باہر پھینک دیا جاتا لیکن نہیں انسانی روح اس کے اندر رہی جس کی بنا پر اس بدن کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی بے ادبی نہ کرو اس کی توہین نہ کرو۔ اس کو چھلکے کی طرح نہ پھینکو اس کو دھوؤ خوشبو لگاؤ کپڑے میں لپیٹو اور دفن کر دو بہر حال رکھنے کی چیز نہیں۔

تو انسان اصل میں کیا ہے تو وہ روح ہے جس طرح اصل تو روغن بادام تھا باقی تو

سب کچھ اس کے لیے پردہ تھا اسی طرح یہاں اصل روح ہے اور باقی جو کچھ ہے سب اس کے لیے پردہ ہے اس اصل کے نکل جانے کے بعد پردے کی کوئی قدر و قیمت نہیں تو یہ قالب اور قبے جسد اور روح ان دونوں میں سے اصل روح ہے بدن اصل نہیں ہے پہلا تو نکتہ آپ یہ سمجھ لیجئے جب یہ نکتہ سمجھ میں آ گیا تو اب آگے چلیے کہ جیسے بادام کا کمال روغن کا اچھا ہونا نہیں اگر آم کی شکل تو بہت خوبصورت ہے لیکن جب چوس کے دیکھا تو رس انتہائی ترش نکلا تو کیا آپ اس کی شکل کو دیکھ کر اچھا کہیں گے آپ کہیں گے دیکھنے میں اچھا تھا لیکن اندر سے بڑا خراب ہی نکلا پیسے ضائع کرنے کا آپ کو افسوس ہوگا اور بادام میں سے روغن کڑوا نکل آیا یا بادام کو توڑنے کے بعد گریا نکالی تو جب آپ نے نچوڑنا چاہا تو اس میں روغن ہی نہیں تھا یا ہے تو کڑوا نکل آیا تو آپ کو پیسے خرچ کرنے کا افسوس ہوگا اور اگر بظاہر چھلکا اتنا خوبصورت نہیں لیکن جب کھا کے دیکھا تو انتہائی لذیذ تو آپ چھلکے کے میلے ہونے کو یا داغدار ہونے کو کوئی اہمیت نہیں دیں گے بلکہ اس کی رس کی مٹھاس کے اوپر آپ خوش ہو جائیں گے کہ پیسے خرچ کئے تھے مزہ آ گیا۔

انسان کا کمال ظاہری جسامت میں نہیں

اس مثال سے میں نے آپ کے سامنے کیا بات عرض کی کہ اصل کے اعتبار سے انسان کا کمال یہ ہے کہ اس کی روح ٹھیک ہو اب بدن ٹھیک ہے زلفیں سنواری ہوئی ہیں تیل لگا ہوا ہے سرمہ لگا ہوا ہے ہونٹ سرخ سرخ بنائے ہوئے ہیں بہترین قسم کے چمکدار کڑکدار کپڑے پہنے ہوئے ہیں خوشبو لگی ہوئی ہے انکتے مٹکتے ہوئے چل رہے ہیں دیکھ کے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت ہی خوبصورت چیز سامنے آ گئی لیکن اگر روح اندر سے سور کی ہے بندر کی ہے بھیڑے کی ہے اور اس کے اخلاق درندوں جیسے ہیں تو اس ظاہری شکل کے اعتبار سے آپ کیا کہیں گے کہ انسان کیا قدر و قیمت رکھتا ہے اس لئے سرور کائنات ﷺ ایک دفعہ تشریف فرما تھے مجلس میں اور سامنے سے ایک آدمی گزرا جو بڑی زیب و زینت والا تھا آپ نے پاس بیٹھنے والوں سے پوچھا کہ اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کہنے والے نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ بہت بڑا آدمی ہے جس طرح

سے آج کل ہمارے ہاں وڈیرا اسے کہتے ہیں جس کی بڑی سواری ہو پیٹ بڑا ہو بیٹھے تو گھٹنوں سے آگے نکل رہا ہو کار اس کی اچھی ہو وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ تو صحابہ نے کہا یہ بڑا آدمی ہے یہ تو اس قابل ہے کہ اگر سفارش کرے تو قبول کی جائے کسی جگہ نکاح کا پیغام دے دے تو قبول کر لیا جائے بات کرے تو توجہ سے سنی جائے یہ تعریف کر دی کیونکہ پہلے سے لوگوں کے ذہن میں یہی بات بیٹھی ہوئی ہوتی ہے کہ وڈیرے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ سن کر چپ ہو گئے اس کے بعد ایک مسکین سا آدمی گزرا ممکن ہے اس کے بدن پر لباس بھی پورا نہ ہو۔ زلفیں بھی اس کی سنواری ہوئی نہ ہوں میلا کچیلا بیچارہ آپ نے اس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے تو کہنے والے نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو فقراء میں سے ہے مساکین میں سے ہے۔ اس قابل ہی نہیں کہ اس کی بات کو توجہ سے سنا جائے اس قابل ہی نہیں کہ اگر یہ نکاح کا پیغام دے دے تو اس کے ساتھ اپنی بچی کا نکاح کر دیا جائے اور اس کا کوئی مقام نہیں اس قابل نہیں کہ اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش کو قبول کیا جائے یہ ہے اصل کے اعتبار سے جو عام طور پر جہالت میں ذہن بنتا ہے آپ نے ایک ہی فقرے کے ساتھ حقیقت کو بدل کے رکھ دیا آپ نے فرمایا کہ وہ پہلا شخص جو گزرا ہے اس جیسے شخص کے ساتھ پوری زمین بھری ہوئی ہو روئے زمین بھری ہوئی ہو ایسے شخصوں کے ساتھ ان سب کے مقابلے میں یہ ایک مسکین افضل ہے۔ (بخاری ص ۶۲ ے/۲)

پچھلی گفتگو کی روشنی میں آپ یہ کہہ لیں کہ چاہے اس کا چھلکا اچھا نہیں لیکن اندر سے اچھا ہے اور پہلے والے کا چھلکا اچھا تھا اندر سے کڑوا ہے تو دارومدار قدر و قیمت کا اندر کی اچھائی پر ہے اس لئے آپ حضرات جو ضد کیا کرتے ہیں بالوں کے سنوارنے پر تو ضد نہ کیا کرو۔

بالوں کے ساتھ انسان نہیں بنتا تمہیں کہا جائے بھائی سر منڈا دو تم سمجھتے ہو کہ شاید حسن خراب ہو جائے گا حسن بالوں میں نہیں رکھا ہوا بہت شاندار بال ہوتے ہیں فلمی ایکٹروں کے بہت استری کیے ہوئے کپڑے ہوتے ہیں بدمعاشوں کے تو انسان کا کمال

اس چھلکے کے سنوارنے سے نہیں آتا کمال نام ہے اندر کی اصلاح کا اگر اندر سے درست ہو گئے تو ٹھیک ہے باہر سے میلے کچیلے ہو تو بھی کوئی بات نہیں اور اگر باہر سے تو بہت سنورے ہوئے ہو لیکن اندر سے معاملہ گڑبڑ ہے تو باہر کا سنورنا کوئی قدر و قیمت نہیں پیدا کرتا۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا بھری ہوئی ہو ایسے انسانوں کے ساتھ اس کے مقابلے میں وہ ایک مسکین افضل ہے اس میں یہی بات بتائی گئی کہ اصل کے اعتبار سے انسان کا کمال باطن کے ساتھ ہے ظاہر کے ساتھ نہیں جب یہ حقیقت سمجھ میں آ گئی۔

شریعت و طریقت کا تلازم

اب اگلی بات سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جو شریعت اتاری ہے یہ لفظ عام طور پر بولا کرتے ہیں۔ شریعت طریقت حقیقت معرفت اور ان لفظوں کے اندر لوگوں نے بہت دھوکے کھائے ہیں خاص طور پر ملنگ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم صاحب طریقت ہیں شریعت سے تو ہم آگے گزر گئے۔ اس لئے کہ شریعت پہلی سیڑھی ہے اور طریقت دوسری سیڑھی ہے حقیقت تیسری سیڑھی ہے جو تیسری سیڑھی پہ چڑھ جائے تو اس نے ضرور پاؤں پہلی سیڑھی پہ بھی رکھنا ہے۔

اس لئے وہ کہتے ہیں کہ جب معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو شریعت کی ضرورت نہیں رہتی یہ بات ان جاہلوں کی خرافات میں سے ہے یہ جہالت کی بات ہے۔

احکام شرعیہ تین حصوں میں تقسیم ہیں

اللہ تعالیٰ نے جو احکام ہمارے لیے اتارے ہیں وہ مجموعہ شریعت کہلاتے ہیں۔ پھر آگے اس کے تین شعبے ہیں کچھ احکام شریعت کے ایسے ہیں جن کا تعلق ہمارے قالب کے ساتھ ہے ہمارے بدن کے ساتھ ہے ان احکام پر ہم عمل کرتے ہیں اپنے بدن کے ساتھ۔ نماز آپ پڑھتے ہیں اس کا تعلق ظاہر بدن کے ساتھ ہے جو ہم کرتے ہیں اس کا تعلق ہمارے ظاہر بدن سے ہے۔ زکوٰۃ ہم دیتے ہیں تو اس کا تعلق ہمارے ظاہر بدن سے ہے۔ روزہ ہم رکھتے ہیں تو اس کا تعلق ہمارے ظاہر بدن سے

ہے۔ بیع وشراء نکاح یہ جتنے بھی واقعات ہوتے ہیں ان سب احکام کا تعلق ہمارے ظاہر بدن سے ہے ان احکام کا مجموعہ فقہ کہلاتا ہے جو آپ پڑھتے ہیں نور الایضاح قدوری کنز شرح وقایہ اور ہدایہ یہ سارے کا سارا انہی احکام کا مجموعہ ہے جن کا تعلق انسان کے ظاہر کے ساتھ ہے وضوء آپ کرتے ہیں ظاہر میں کرتے ہیں غسل آپ کرتے ہیں ظاہر میں کرتے ہیں تو ان سب کا تعلق انسان کے قالب سے ہے اس کو فقہ کہتے ہیں۔

اور کچھ احکام ایسے ہیں جن کا تعلق انسان کے قالب سے نہیں بلکہ قلب سے ہے پھر وہ دو قسم کے احکام ہیں ایک احکام وہ ہیں جن کو ہم عقائد کے درجے میں رکھتے ہیں جیسے رسالت کا عقیدہ معاد کا عقیدہ اللہ کی توحید کا عقیدہ فرشتوں کا عقیدہ یہ عقائد کے متعلق جتنے احکام ہیں قرآن وحدیث بھرا پڑا ہے اس کا تعلق ظاہر بدن سے نہیں ہے اس کا تعلق اندر سے ہے کہ آپ نے اللہ کو ایک سمجھا رسول پر ایمان لائے رسالت کا عقیدہ رکھا معاد کا عقیدہ رکھا یہ اندر سے تعلق رکھتے ہیں ان کو عقائد کہتے ہیں اور جس علم کے اندر عقائد کی تفصیل آپ کو پڑھائی جاتی ہے اس کو علم الکلام کہتے ہیں جیسے شرح عقائد وغیرہ کتابیں جو پڑھی جاتی ہیں وہ علم کلام کہلاتی ہیں فقہ کے ماہرین فقہا کہلاتے ہیں علم کلام کے ماہرین متکلمین کہلاتے ہیں اس کے علاوہ ایک شعبہ احکام کا اور بھی ہے وہ تعلق تو رکھتے ہیں قلب سے لیکن وہ عقیدے کے درجے میں نہیں دل کے اندر صبر کا جذبہ ہونا چاہیے اللہ کا خوف ہونا چاہیے اللہ کی خشیت ہو انابت الی اللہ ہو رجوع الی اللہ ہو آخرت کی محبت ہو دنیا کی محبت نہ ہو ریاء نہ ہو فخر نہ ہو غرور نہ ہو تکبر نہ ہو ان احکام کے ساتھ قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں اس علم کے مجموعے کو علم الاخلاق کہہ لیجئے تو ٹھیک ہے ورنہ عام اصطلاح کے اندر اس علم کو تصوف کہا جاتا ہے اور جو اس علم کے ماہرین ہوتے ہیں یا ان سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں ان کو کہا جاتا ہے صوفیاء تصوف یہ چیز ہے جو تیسرے درجے کے احکام ہیں جن کا تعلق انسان کے خالی قالب سے نہیں ان کا تعلق قلب سے ہے اور عقائد کے درجے کے بھی نہیں یہ جو تیسرے درجے کا علم ہے اس کا مجموعہ تصوف کہلاتا ہے اور اس علم کے حاملین صوفیا کہلاتے

ہیں اور عرف عام میں اولیاء انہیں کو کہا جاتا ہے جو اس علم میں مہارت رکھنے والے ہوتے ہیں۔

ریاء کی مذمت

آپ کو یاد ہوگا کہ تصوف کے متعلق ہی بیان شروع ہوا تھا کہ طلبہ کا ذہن اس سے بہت بعد رکھتا ہے کم از کم علمی درجے میں کچھ اس سلسلے میں اصلاح ہو جائے اب آپ میں سے بعض قدوری پڑھے ہوئے ہوں گے کوئی مالا بدمنہ پڑھا ہوا ہوگا کوئی کنز پڑھا ہوا ہوگا کوئی شرح وقایہ کوئی ہدایہ تو کیا آپ کی کتابوں میں کبھی کسی جگہ بھی باب الریاء ہے؟ جس کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایامن صلی یراء ی فقد اشرك جو ریاء کاری کے طور پر نماز پڑھے وہ مشرک ہے من صام یراء ی فقد اشرک جو روزہ ریا کاری کے طور پر رکھتا ہے وہ مشرک ہے (مشکوۃ ص ۱/۴۵۵) جس ریاء کی وجہ سے آپ مشرک ہو جائیں شرک میں مبتلا ہو جائیں آپ کو معلوم ہی نہیں ریاء کسے کہتے ہیں۔

تکبر کی مذمت

کیا آپ کی قدوری میں باب التکبر ہے؟

(نہیں) کہ اس میں ذکر کیا گیا ہو تکبر کسے کہتے ہیں اسکی نشانیاں کیا ہیں اور اگر یہ کسی کے اندر موجود ہو تو اس کو زائل کرنے کے کیا طریقے ہیں تو کیا باب الکبر ہے آپ کی کتابوں میں (نہیں حالانکہ تکبر کے بارے میں حدیث میں آتا ہے)۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر جس میں ہوگا جنت میں نہیں جائیگا (مسلم ص ۱/۶۵) اور یہ تو آپ نے پڑھا ہوگا کریما میں۔

تکبر عزازیل را خوار کرد

بزندان لعنت گرفتار کرد

عزازیل (یہ شیطان کا نام ہے) عزازیل کو تکبر نے خراب کیا اور اس تکبر کی بناء پر وہ لعنت میں آ گیا اور تمہیں پتہ ہی نہیں کہ تکبر کیا ہوتا ہے اور اسکی نشانی کیا ہے اور کسی

کے اندر موجود ہو تو اس کو زائل کرنے کی تدبیر کیا ہے اتنی خطرناک چیز اور آپ کے نصاب میں نہیں ہے۔

تو پھر آپ مولوی تو بن جائیں گے لیکن ان باتوں کا پتہ آپ کو کہاں سے چلے گا اس لئے صوفیاء جو کہا کرتے ہیں اور آپ لوگوں کو بعد لگتا ہے صوفیاء کہتے ہیں

کہ　درکنز　وہدایہ　نتواں　یافت　خدا

کہ صرف کنز وہدایہ میں خدا نہیں ملتا اگر آپ کہیں کہ کنز وہدایہ پڑھ کے فقہ یاد کر کے خدا کو پالیں گے ایسا نہیں ہوگا۔ اتنے زبردست احکام ہیں قرآن وحدیث میں

حسد کی مذمت

اب حسد ہے آپ کو کیا پتہ حسد کسے کہتے ہیں؟ باب الحسد ہے فقہ کی کتابوں میں؟ حسد کسے کہتے ہیں اس کی علامات کیا ہیں پہچاننے کا کیا طریقہ ہے اور اگر کسی کے اندر موجود ہو تو اس کو زائل کرنے کے لیے کیا تدبیر ہے یہ باب الحسد فقہ میں نہیں نہ یہ علم الکلام میں ہے شرح عقائد میں بھی نہیں فقہ میں بھی نہیں ہے حسد کا چوہا جسکے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا اِنَّ الْحَسَدَ لَیَاکُلُ الْحَسَنَاتِ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے اور اس طرح سے کھا جاتا ہے کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ جیسے آگ لکڑیاں کھا لیتی ہے۔

(ابن ماجہ ص ۳۰۹/۱۔ ابوداؤد ص ۳۱۵/۲)

ایک آدمی نے ایک مکان لیا اور کمرے کے اس میں غلہ بھرنا شروع کر دیا ہر روز وہ تھوڑا سا کما کے لاتا اور اوپر والے سوراخ سے اس کے اندر گرا دیتا اور اس کا خیال تھا کہ کچھ دنوں کے بعد یہ کمرہ بھر جائے گا اور پھر یہ اناج میرے کام آئے گا لیکن اتفاق ایسا تھا کہ اس کمرے میں بہت ساری کھڈیں (بلیں) چوہوں کی تھیں وہ اناج لا کے شام کو ڈالتا رات چوہوں کی عید بن جاتی وہ صبح تک کھا کے چٹ کر دیتے اگلے دن پھر اور لا کے ڈالتا وہ کھا کھا کے موٹے ہوتے چلے گئے۔

اب وقت کے اعتبار سے اس کا خیال تھا کہ کمرے کے اندر بہت ساری غذا جمع

ہوگئی ہوگی جب اس نے کھول کے دیکھا تو سوائے اس کے کہ چوہے چھلانگیں مارتے پھرتے ہیں وہاں غلہ ہے ہی نہیں۔

تو پھر کسی عقلمند نے اس کو بتایا کہ اگر تو نے ذخیرہ کرنا تھا تو پہلے چوہے تو مارتا اور چوہوں کے سوراخ بند کرتا جب تو نے چوہوں کے سوراخ بند نہیں کیے چوہے نہیں مارے تو زندگی بھر غلہ کما کما کے اس میں ڈالتا چلا جا جب تو دیکھے گا سوائے چوہوں کے کچھ نہیں ہوگا۔

تو بالکل یہی حال ہے کہ جس وقت انسان اپنے اخلاق باطنی کو درست نہیں کرتا اب ادھر سے آپ نیکیاں کرتے چلے جائیں حسد ان کو کھاتا چلا جائے گا جیسے آپ چولہے میں لکڑیاں ڈالتے چلے جائیں آگ جلاتی چلی جائے گی اور جب برسا برس نیکیاں کرنے کے بعد آپ سمجھیں گے کہ ہم نے بہت سا ذخیرہ نیکی کا کرلیا لیکن جس وقت وہ سامنے آئے گا تو معلوم ہوگا کہ چوہے پلے ہیں نیکی کوئی ہے نہیں سارے کے سارے نیک اعمال جتنے تھے حسد نے جلا کر بھسم کردیے پلے کچھ نہیں۔

تو جس وقت تک اخلاق باطنہ کی اصلاح نہ ہو تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ نیکی کرتے جاؤ برباد کرتے چلے جاؤ آپ یہ سمجھیں گے کہ ہم نیکی کر رہے ہیں لیکن اندر حسد کا چوہا ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ وہ نیکی آپ کی بھسم ہوجائے گی وہ نیکی آپ کے لیے اچھائی کا باعث نہیں بنے گی جس وقت اس کے نیچے حسد والا چوہا بیٹھا ہوگا اس لئے جس وقت تک اخلاق باطنہ کی اصلاح نہ ہو اس وقت تک انسان کے اندر یہ حقیقت نہیں پیدا ہوتی تو یہ جو اسباق کا مجموعہ ہے یہ سارے کے سارے آپ کو تصوف میں ملیں گے۔

تصوف کی کتاب آپ اٹھا کے دیکھو گے اس میں آپ کو باب الکبر بھی ملے گا اس میں آپ کو باب الحسد بھی ملے گا اس میں باب الشکر بھی ہوگا اس میں باب الصبر بھی ہوگا اور اس میں باب اخلاص بھی ہوگا اور باب الحسد بھی ہوگا جتنی بھی برائیاں یا اچھائیاں ہیں جن کا تعلق دل سے ہے وہ ساری کی ساری آپ کو ان تصوف کی کتابوں

میں ملیں گی۔

امام مالک کا عجیب وغریب فقرہ

امام مالک عُشِیْہ کی طرف اسی لئے ایک فقرہ منسوب کیا گیا ہے۔

اشعۃ المعات میں مولانا عبدالحق محدث دھلوی ﷫ نے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ جو شخص فقہ تو پڑھتا ہے تصوف نہیں سیکھا وہ فاسق کا فاسق ہے جس طرح سے نماز کا چھوڑنا فسق ہے اسی طرح سے حسد کا ارتکاب بھی فسق ہے جس طرح سے زکوۃ نہ دینا فسق ہے اسی طرح سے تکبر بھی فسق ہے۔ جب تکبر حرام ہے تو جو آدمی تکبر کا ارتکاب کرے گا وہ حرام کا مرتکب نہیں ہوگا؟ جب حرام کا مرتکب ہوا تو فاسق ہوا کہ نہ ہوا؟ جب حسد حرام ہے تو جو آدمی حسد میں مبتلا ہے وہ حرام کا مرتکب ہے اگر زنا حرام ہے تو حسد بھی حرام ہے اگر زنا کرنے والا فاسق ہے تو حسد کرنے والا فاسق کیوں نہیں جبکہ جیسے ممانعت شریعت میں زنا کی ہے ویسے ممانعت حسد کی ہے نماز نہیں پڑھتا تو فاسق ہے اگر کوئی شاکر صابر نہیں ہے اللہ کی محبت نہیں رکھتا تو فاسق کیوں نہیں؟ جب کہ احکام سب کے لیے برابر ہیں اس لئے فرمایا جو فقہ تو سیکھ لے لیکن تصوف نہیں سیکھتا فاسق ہے ومن تصوف ولم یتفقه اور جس نے تصوف تو سیکھ لیا لیکن فقہ نہیں پڑھی وہ ملنگوں والی بات کہ دل تو ہمارا سدھرا ہوا ہے ظاہر سارے کا سارا ویسے ہی ہے کہتے ہیں کہ بس اللہ یاد ہے ہماری نماز دل میں ہوتی ہے (دل میں نماز پڑھنے والے بھی دنیا میں موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ ظاہری نماز کی ضرورت نہیں کہتے ہیں اگر آپ نے اپنے دل کو سنوار لیا تو ظاہر کی ضرورت نہیں ہے ایسا گروہ بھی دنیا میں ہے جو کہتے ہیں کہ جب باطن سنوار لیا تو ظاہر کی ضرورت نہیں ظاہر شریعت کی وہ پرواہ نہیں کرتے داڑھی منڈاتے ہیں نماز نہیں پڑھتے جب ان سے کہو تو کہتے ہیں ہم نے اپنے دل کو سنوارا ہوا ہے وہ ہر وقت نماز میں ہے۔

وہ جو اس قسم کا تصوف تو سیکھ لے لیکن فقہ کی پابندی نہیں کرتا یہ بے ایمان ہے

زندیق ہے فقہ کا منکر کافر ہے شریعت کے ظاہر کا منکر کافر ہے کیونکہ بہت سارے احکام اس سے تعلق رکھتے ہیں نماز کی فرضیت زکوٰۃ کی فرضیت اب جو اس کو فرض نہیں سمجھتا اور اس کو زائد از ضرورت سمجھتا ہے تو وہ شریعت کا منکر ہے تو وہ کافر اور زندیق ہے وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا اگر وہ دونوں باتوں کو اکٹھا کرے کہ فقہ بھی اپنائے اور تصوف بھی اپنائے فَقَدْ تَحَقَّقَ یہ شخص حقیقت کو پا لینے والا ہے جس نے دونوں کو اکٹھا کر لیا ہے تو حقیقت کا پانا ان دونوں پہ مدار رکھتا ہے کہ تصوف بھی سیکھو اور فقہ بھی سیکھو۔ جس وقت انسان شریعت پر عمل کرتا ہے عقائد صحیح کرتا ہے یہ بھی شریعت کا شعبہ ہے۔

معرفت وحقیقت کیا ہے

یعنی علم الکلام ظاہری احکام کو سیکھتا ہے یہ بھی شریعت کا شعبہ ہے اس کو فقہ کہتے ہیں اور باطن کے حکام کو سیکھتا ہے یہ بھی شریعت کا شعبہ ہے تینوں شعبے مکمل ہوں تو شریعت مکمل ہوگئی تو جب انسان ان تینوں کو اپناتا ہے تو اپنانے کے ساتھ پھر باطنی طور پر انسان کے اندر وہ کیفیت پیدا ہونی شروع ہوتی ہیں۔ جس سے اللہ کی ذات و صفات کے متعلق انسان کو پھر یقین آنا شروع ہوتا ہے پھر.س کے آثار پیدا ہونا شروع ہوتے ہیں ہم اپنی زبان سے تو کہتے ہیں کہ اللہ رازق ہے لیکن کیا ہمارا دل بھی اس بات کو مانتا ہے کہ اللہ رازق ہے ہم اپنی زبان کے ساتھ تو کہتے ہیں کہ اللہ دیکھتا ہے کیا ہمارے دل بھی اس بات کو اپنائے ہوئے ہیں کہ اللہ دیکھتا ہے یا دل میں غفلت ہے؟ تو یہ چیزیں جب دل کے اندر راسخ ہوتی ہیں۔ جس کی کیفیت لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی یہ معرفت ہے اور اس معرفت کے ساتھ جو حقائق نمایاں ہوتے ہیں، وہ حقیقت ہے گویا کہ معرفت وحقیقت یہ شریعت پر عمل کرنے کے نتائج ہیں۔ یہ کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے۔ جس طرح سے آپ ایک ظاہری ورزش کرتے ہیں تو ظاہری ورزش نظر آتی ہے لیکن باطن کے اندر جو قوت پیدا ہوتی جا رہی ہے وہ دیکھنے کی چیز نہیں اس کا پتہ وقت پہ چلے گا۔ اسی طرح جب انسان شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہے تو اللہ کی ذات وصفات

کے ساتھ انسان کا تعلق راسخ ہوتا چلا جاتا ہے۔ معرفت حاصل ہوتی ہے۔ حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ یہ معرفت اور حقیقت نتیجہ ہے۔ شریعت کے اوپر عمل کرنے کے لیے ظاہری باطنی احکام شریعت کے اپنائے جاتے ہیں۔ علم الکلام کے مطابق عقیدے ٹھیک رکھئے۔ علم الفقہ کے مطابق اپنے اعمال ٹھیک کر لیجیے اس کے نتیجے میں پھر انسان کو معرفت اور حقیقت حاصل ہوتی ہے تو یہ نتیجہ ہے شریعت پر عمل کرنے کا یہ شریعت کے مقابل چیز نہیں ہے۔

دل کی اصلاح کے لیے صاحبِ دل کی ضرورت

پھر دیکھئے کہ انسان کے قلب کے اندر حالات پیدا ہونے کے لیے اور ان کی کیفیات کے پیدا کرنے کے لیے صرف علم کافی نہیں ہے آپ کہیں ہم نے کتاب کے اندر پڑھ لیا تو دل سے حسد بھی مٹ گیا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ یہ بنیاد یاد رکھیے اس بات کی کہ دل دلیلوں سے نہیں بدلا کرتے دل، دلوں سے بدلتے ہیں اس لیے دل کی کیفیت ٹھیک کرنے کے لیے کسی صاحب دل کے ساتھ جڑنا ضروری ہوتا ہے۔ جس وقت تک آپ کسی صاحب دل کے ساتھ نہیں جڑیں گے اور اس کے ساتھ عقیدت ومحبت پیدا نہیں کریں گے۔ اس کی صحبت اختیار نہیں کریں گے۔ (اب میں پیر کی ضرورت بیان کرنے لگا ہوں کہ پیر کیا ہوتا ہے۔ شیخ کیا ہوتا ہے۔) فقہ پڑھنے کے لیے آپ کو استاد کی ضرورت ہے عقائد سیکھنے کے لیے آپ کو استاد کی ضرورت ہے تو تصوف سیکھنے کے لیے استاد کی ضرورت نہیں؟ لیکن تصوف یہ قلبی کیفیات ہیں یہ لفظوں سے ادا کرنے کی نہیں یہ دل کی تبدیلی دیلوں سے نہیں صاحب دل کے ساتھ رہنے سے ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں علم اتارا تو صرف علم نہیں اتارا۔ اگر صرف علم کافی ہوتا تو بیت اللہ کی چھت کے اوپر قرآن کریم رکھ کر جبریل اعلان کر دیتے کہ اہل مکہ کتاب اتر گئی اس کو پڑھتے جاؤ عمل کرتے جاؤ ایسا ہوا ہے؟ یا اس کتاب کو پڑھانے کے لیے اس پر عمل کرنے کے لیے استاد ساتھ بھیجا؟ (استاد ساتھ بھیجا) معلوم ہو گیا کہ صرف کتاب

کافی نہیں استاد کی بھی ضرورت ہے علم وعمل سکھانے کے لیے شخصیت کی ضرورت ہے اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے نبی کے ندر اتنی تاثیر رکھی ہوئی ہوتی ہے کہ جو شخص عقیدت کے ساتھ، معتقد ہو کر، محسوس کرتا ہوا ایک مجلس میں بھی چلا جائے تو نبی کے قلب کا عکس اس کے اوپر اتنا پڑتا ہے کہ ایک ہی مجلس میں اس کا قلب روشن ہو کر رذائل ختم ہو کر فضائل پیدا ہو جاتے ہیں۔

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ نبی کے ایک لمحے کی صحبت ہزار ہا سال کی ریاضت کے مقابلے میں افضل ہے۔ جو نبی کے ایک لمحے کی صحبت سے کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ کوئی ہزار ہا سال مجاہدے کرتا رہے وہ بات کبھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ساری دنیا کے اولیا اکٹھے ہو جائیں تو صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے یہ سنتے رہتے ہو؟ ایک ہی مجلس کے ساتھ یہ سارے کے سارے حالات پیدا ہو جاتے ہیں لیکن جیسے جیسے وقت دور ہوتا چلا گیا، برکات میں کمی آتی چلی گئی۔

یہ بات اپنی جگہ متعین ہے کہ سلسلہ وار جس طرح سے تعلق چلا آرہا ہے جس وقت تک کسی صاحب کیفیت کے ساتھ انسان کا تعلق راسخ نہ ہو بسا اوقات دں کی کیفیات منتقل نہیں ہوتیں لفظوں کے پڑھنے یا سننے کے ساتھ قلب میں تبدیلی نہیں آتی۔ قلب میں تبدیلی آیا کرتی ہے کسی صاحب دل سے ملنے کے ساتھ۔ اس کی صحبت اختیار کرنے کے ساتھ اور یہ دل کی تبدیلی ہی ہے۔ جو اصل میں دین کو دین بناتی ہے۔

اور اگر یہ دل کی تبدیلی نہ ہو تو وہی کھوکھلا پن ہوتا ہے۔ جس طرح سے پہلے آپ کے سامنے عرض کیا اس لئے جیسے استاد تلاش کیا جاتا ہے تو باطن کی نعمت حاصل کرنے کے لیے بھی کسی صاحب دل کو تلاش کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ تعلق قائم کر کے اس کے ساتھ اپنے دل کو جوڑا جاتا ہے۔ اور اس کے دل کے جوڑنے کے بعد پھر وہ کیفیات منتقل ہوتی ہیں۔

چاہے وہ کوئی تدابیر بتائے تو اس کو اختیار کرو ورنہ محبت عقیدت جب ہو

جائے تو اللہ تعالیٰ نے دلوں میں یہ خاصیت رکھی ہے جیسے خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے اسی طرح سے جب آپ کسی کی صحبت میں بیٹھیں گے بعض اوقات اس کے قلب کے اثرات آپ کے قلب کے اوپر غیر شعوری طور پر پڑتے ہیں۔ اور جس مرتبے اور مقام کا وہ انسان ہوا کرتا ہے۔ وہ اپنے مصاحبین کو جو محبت وعقیدت کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات وہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اس لئے ان کی ضرورت ہوتی ہے۔

فقہ اور کلام پڑھانے کے لیے جو مرکز بنے ان کو مدارس کہتے ہیں۔ اور دل کی کیفیات پر بحث کرنے کے لیے دلوں کو بیدا کرنے کے لیے دل سنوارنے کے لیے جو مرکز بنتے ہیں ان کو خانقاہ کہتے ہیں اب خانقاہ کیا ہوتی ہے؟ پتہ چلا؟ خانقاہ نام ہے تصوف کی تعیلم کے مرکز کا جس طرح مدرسہ فقہ اور کلام پڑھانے کا مرکز ہے تو یہ مدرسہ ہوتا ہے یہ خانقاہ ہوتی ہے۔ تو خانقاہ کے اندر دل سنورتے ہیں۔

حضور ﷺ کی شانیں امت میں تقسیم ہو گئیں

اور سرور کائنات ﷺ ان سب چیزوں کے جامع تھے۔ حضور ﷺ قاری قرآن بھی تھے قرآن کے الفاظ بھی پڑھاتے تھے (یتلو علیھم)

اور یہ فقہ بھی پڑھاتے تھے **یعلمھم الکتاب والحکمۃ** تو تعلیم بھی دیتے تھے جیسے قرآن وحدیث پڑھاتے ہیں اور سمجھاتے ہیں اور **ویزکیھم** تزکیہ بھی کرتے تھے۔ پھر نبی کی شانیں امت کے اندر تقسیم ہو گئیں ایک طبقہ صرف تلاوت کتاب کے لیے ہو گیا۔ یہ بھی نبی کا خلیفہ ہے۔ الف باء تا پڑھانے اور قرآن کریم کی تلاوت سکھانے والا یہ بھی نبی کا نائب ہے ایک شان کا حامل ہے تلاوت کتاب اور جو تعلیم دیتا ہے معنی پڑھاتا ہے احکام سکھاتا ہے یہ بھی نبی کا خلیفہ ہے۔ یہ **یعلمھم الکتاب والحکمۃ** والی شان کا حامل ہو گیا۔ اور جو انسان کو اخلاق سکھاتا ہے سنوارتا ہے دل کی بیماریاں دور کرتا ہے یہ بھی نبی کا خلیفہ ہے یہ **یزکیھم** کی شان کا حامل ہو گیا تو نبی ﷺ

کی امت نبی کی پوری شانوں کی حامل ہے تلاوت کتاب یہ بھی ایک وظیفہ ہو گیا۔ تعلیم کتاب یہ بھی ایک وظیفہ ہو گیا اور تزکیہ یہ بھی ایک وظیفہ ہو گیا۔ خانقاہ والے تزکیہ والا عمل لئے بیٹھے ہیں اور مدرسین مدرسوں میں تلاوت اور تعلیم والا عمل لئے بیٹھے ہیں اس لیے صوفی بھی اپنی جگہ اہم اور معلم بھی اپنی جگہ اہم قاری اپنی جگہ اہم اور یہ تینوں ملتے ہیں تو سرور کائنات ﷺ کے منصب کی تفصیل ہمارے سامنے آجاتی ہے اس لئے صرف آپ کے سامنے یہ اہمیت رکھی کہ واقعی قلبی اخلاق سیکھنے کے لیے بھی معلم کی اشد ضرورت ہے اور کسی صاحب دل کے ساتھ جڑنے کی ضرورت ہے باقی صاحب دل کی نشانیاں کیا ہوا کرتی ہیں پیر کیسا ہونا چاہیے شیخ کیسا ہونا چاہیے۔ اور پھر باطن کی اصلاح کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ یہ بہت لمبا باب ہے ان شاء اللہ العزیز اللہ توفیق دے گا تو آہستہ آہستہ اس کو آپ کے سامنے ذکر کرتے چلے جائیں گے۔ تو میرا خیال یہ ہے کہ بند کر دیں۔

سوال: آپ کی بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ غیب کا علم رکھتے ہیں۔

جواب:"لا حول ولا قوۃ" یہ جو میں نے بتایا تھا کہ ایک آدمی گزرا آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ اور پھر دوسرا گزرا تو فرمایا کیا خیال ہے؟ پھر کہا اس جیسا ایک آدمی اور اس جیسوں سے زمین بھری ہوئی ہو تو ایک اس کے مقابلے میں افضل ہے۔ کہتا ہے کہ اس سے تو علم غیب ثابت ہو رہا ہے۔ آپ کے نزدیک ثابت ہوا ہے؟

مجھے نکتہ سمجھ نہیں آیا کہ کیسے ثابت ہو رہا ہے۔

یہ تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک طالب علم سو پہ بھاری ہے۔

اس قسم کا سو لڑکا ہو اور اس قسم کا ایک لڑکا ہو تو یہ ایک لڑکا سو پہ بھاری ہے۔ اس میں کون سی علم غیب کی بات ہے۔

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك

نسب کی وجہ سے نجات نہیں ملے گی

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ: ۱۵ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ بمطابق ۲۵ مارچ ۱۹۹۷ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا﴾

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ

سلسلۂ انبیاء کی مختصر تاریخ

انسانی نسل ساری کی ساری آدم علیہ السلام کی اولاد ہے اور آدم علیہ السلام سے ہی انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ شروع ہوا آدم علیہ السلام کی اولاد میں کچھ مدت کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ہوئے اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں سیلاب آیا جس سے ساری کی ساری نسل انسانی ڈوب گئی سوائے ان لوگوں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے آگے پھر انہی کی اولاد چلی اس لیے نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے کیونکہ اب جو انسان موجود ہیں سارے کے سارے نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہی ہیں جیسے آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں ایسے نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں اس لیے نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے تو حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد جو پھیلی اس میں بھی انبیاء کا سلسلہ جاری رہا شیطانی اثرات کے تحت کفر و شرک بھی آتا گیا تو حضرت صالح علیہ السلام حضرت ھود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں۔

نوح علیہ السلام کے بعد معروف شخصیت مرکزی شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کو ابوالانبیاء کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کے بعد نسلیں کئی چلیں لیکن نبوت کا سلسلہ آپ کی اولاد میں ہی رہا۔

آپ کے دو بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام جو معروف ہیں اسحاق کے بیٹے یعقوب علیہ السلام ہوئے اور یعقوب کا نام ہی اسرائیل ہے ان کے بارہ بیٹے تھے تو آگے اسرائیلیوں میں بارہ خاندان ہو گئے عیسیٰ تک ہزاروں پیغمبر اسی شاخ میں آئے ہیں۔

ابراہیمی جو اسرائیلی شاخ ہے ہزاروں نبی عیسیٰ تک اسی شاخ میں آئے اور حضرت ابراہیم کی جو اسماعیلی شاخ ہے۔ اس میں ایک ہی نبی آئے خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں اور اسماعیلی شاخ میں سے ہیں ایک نبی ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا حضرت ابراہیم کے بعد ہیں نہ وہ اسرائیلی شاخ میں ہیں نہ اسماعیل شاخ میں ہیں وہ ہیں حضرت شعیب علیہ السلام یہ مدینی شاخ

میں سے ہیں مدین بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے ہیں لیکن غیر معروف ہیں جن کا ذکر عام طور پر نہیں آتا تو حضرت شعیب جن کے پاس موسیٰ مصر سے گئے تھے اسرائیلی تو سارے مصر میں تھے حضرت شعیب اسرائیلوں میں شامل نہیں تھے یہ مدین میں تھے تو یہاں آ کے موسیٰ علیہ السلام ٹھہرے تھے تو حضرت شعیب علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں لیکن نہ یہ اسرائیلی ہیں نہ اسماعیلی ہیں بلکہ یہ مدینی شاخ میں سے ہیں یہ واحد ایسے نبی ہیں جن کا ذکر آتا ہے اور یہ ان دونوں شاخوں سے باہر ہوئے۔

ورنہ تمام انبیاء علیہم السلام یا اسحاق علیہ السلام کے سلسلے سے ابراہیمی تھے یا اسماعیل علیہ السلام کے سلسلے سے ابراہیمی تھے۔

اس لیے ابراہیم کو ابوالانبیاء کہا جاتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب جو تورات سے نقل کیا گیا اس میں نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان میں آٹھ واسطے مذکور ہیں۔

آذر ابراہیم کا باپ تھا اور اس پر مدلل تحقیق

ور حضرت ابراہیم کے والد کا نام جو تورات میں آیا ہے وہ تارخ یا تارح (راء پر ضمہ ہے یا فتح اعراب ضبط نہیں کیا گیا) اور معروف لفظ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے بارے میں بولا جاتا ہے وہ آذر ہے آذر کون تھا کہتے ہیں کہ آذر اصل کے اعتبار سے وہ بت تھا جو نمایاں تھا ان بتوں میں جن کو قوم پوجتی تھی اور ابراہیم کے باپ کا لقب اسی بت کے نام پہ تھا جس طرح سے لوگ اپنے بڑوں کی طرف نسبت کر کے نام رکھا کرتے ہیں تو اس بت کی وجہ سے اس کا نام بھی آذر تھا اس لیے سریانی زبان میں آذر کا معنی محب صنم بھی لکھا گیا ہے یا بت کا نام تھا یا بت کا محب تو محب صنم بت سے محبت کرنے والا آذر کا یہ معنی بھی ذکر کیا گیا ہے آذر اور تارخ یہ دونوں ایک ہی شخصیت ہیں یا دونوں کے درمیان میں فرق ہے معروف بات یہی ہے کہ آذر ابراہیم کے باپ ہیں قرآن کریم میں ہے اذ قال لابیہ آذر ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا اسی طرح ذکر کیا گیا ہے یا ابت یا ابت حضرت ابراہیم جب نصیحت کرتے ہیں تو باپ کہہ کے

کرتے ہیں تو باپ بت پرست معلوم ہوتا ہے جس سے معلوم ہوا حضرت ابراہیم کے والد بت پرست تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ آذر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں ہے بلکہ چچا ہے اور باپ کا نام تارخ ہے اگر چہ جمہور کا قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ تارخ اور آذر ایک ہی شخصیت ہے فوائد عثمانی میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ شیعہ کے نزدیک آذر ابراہیم کے باپ نہیں تھے چچا تھے نسبت شیعہ کی طرف کی ہے وہ اس بات پہ زور لگاتے ہیں مفسرین میں سے بھی بعضے ہیں جنہوں نے اس بات کا قول کیا ہے جیسے صاحب روح المعانی نے بھی کیا ہے لیکن یہ قول ظاہر کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور پھر شیعوں نے اس بات کا زور کیوں لگایا اصل میں شیعوں نے ایک اصول گھڑ لیا اس اصول کو نبھانے کے لیے انہوں نے اسبات کے اوپر زور لگایا اور وہ اصول یہ گھڑ لیا کہ اماموں کے اصول وفروع جہنم میں نہیں جا سکتے ان کے اصول فروع جتنے ہیں سب بخشے ہوئے ہیں یہ جہنم میں نہیں جا سکتے اور یہ عقیدہ بہت بڑی گمراہی کی بنیاد ہے اور اہلسنّت والجماعت میں بھی یہ عقیدہ سرایت کر گیا جاہلوں میں وہ کس طرح سے؟ آپ حضرات کو کبھی واسطہ پڑا ہے یا نہیں اگر نہیں پڑا تو آئندہ آپ دیکھ لیں گے یہ آج کل مزاروں پر جو گدی نشین ہیں یہ اپنے آپ کو عام مخلوق سے اونچا سمجھتے ہیں اور لوگوں کے دل ودماغ پر انہوں نے یہ ڈالا ہوا ہے کہ ہم چونکہ بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں اس لیے ہم تو بخشے بخشائے ہیں جو بھی کرتے رہیں ہمارے اوپر کسی قسم کی گرفت نہیں ہم بڑوں کی اولاد میں سے ہیں تو ہم تو بخشے بخشائے ہیں تو یہ عقیدہ ایک بہت بڑی گمراہی کی بنیاد بن گیا۔

کیا سید جہنم میں نہیں جا سکتا؟

ایک مجلس میں میں بیٹھ ہوا تھا وہاں ذکر چل پڑا وہ ایک سید کا قول نقل کر رہے تھے کہ وہ کہتے ہیں کہ سید کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو جہنم کی آگ اس کو جلائے گی نہیں اور مثال یہ دی کہ پانی کتنا ہی گندا کیوں نہ ہو آگ بجھانے کے لیے کافی ہے یہ ہے

دلیل اس دعوے کی یاد رکھیں اس بات کو۔ یہ بالکل غلط عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں نسب کا اعتبار نہیں چھٹکارا نسب کی بناء پر نہیں ہوگا اللہ کے ہاں چھٹکارا ہوگا تو ایمان کی بناء پر ہوگا چاہے صحیح سید ہوں چاہے غلط سید ہوں لوگوں کی جہالت سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس قسم کے نظریات پھیلائے گئے اور یہ بہت زیادہ بدعملی کا ذریعہ بن گیا۔

لوگ بھی ڈر جاتے ہیں کہ یہ سید بچہ ہے کلمہ نہیں آتا نماز نہیں پڑھتا ننگ دھڑنگ پھرتا ہے ملنگ ہے لیکن کہتا ہے میں سید بچہ ہوں یہ سنتے ہی لوگوں پر بھی ہیبت طاری ہو جاتی ہے یہ چھوٹے بچے بھی سمجھ رہے ہیں ان ملنگوں ولنگوں کو جو اپنے آپ کو سید بچہ کہہ کے رعب ڈالتے پھرتے ہیں ان سے ڈرنا نہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس کو یاد رکھیں۔

سید بچہ اور آدم بچہ

مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب پنڈی سے مری کو جانے کے لیے بس میں سوار ہوئے تو وہاں ایک ملنگ بھی بیٹھ تھا اس نے کوئی الٹی سیدھی بات کی ہوگی تو مولانا غلام اللہ خان صاحب کہاں برداشت کرنے والے تھے تو انہوں نے اس کو جھاڑ دیا۔

آگے سے ملنگ کہتا ہے تمہیں پتا نہیں کہ میں سید بچہ ہوں اس نے یہ کہہ کر رعب ڈالا تو مولانا غلام اللہ خان کہنے لگے تجھے پتہ نہیں میں آدم بچہ ہوں جو سیدوں کا بھی باپ تھا مطلب یہ تھا کہ رعب ڈالنے کی کونسی بات ہے جیسے تم نبی کی اولاد ویسے ہم بھی نبی کی اولاد کوئی پہلے والے نبی کی اولاد کوئی بعد والے نبی کی اولاد اس میں کیا فرق پڑا یا آدم علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسری نسل ہوتی تو کہنے کا فائدہ ہوتا۔

آدم علیہ السلام کا بھتیجا

جس طرح سے ایک لطیفہ مشہور ہے ہوسکتا ہے واقعہ بھی ہو کہ سفر کرتے ہوئے ایک آدمی (بعضے بعضے لوگ ہوتے ہیں جن کو بڑھیں مارنے کی عادت بہت ہوتی ہے) تو وہ بیٹھا لگا ہوا تھا اپنے خاندان کی تعریف کرنے۔ ہم یوں ہیں ہم یوں ہیں میرا باپ

یوں تھا اس نے ساری سمع خراشی کرلی تو اپنے سامنے والے سے پوچھتا ہے کہ جناب کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں وہ کہتا ہے میں آدم کا بھتیجا ہوں میں آدم کے چھوٹے بھائی کا بیٹا ہوں وہ کہتا ہے آدم کا تو بھائی تھا ہی کوئی نہیں تو تو بھتیجا کہاں سے آگیا وہ کہتا ہے جب آدم کا بھائی کوئی نہیں تھا تو اب تک یہ جھک جھک جو لگا رکھی ہے اس کا کیا فائدہ؟۔

تو بھی اسی باپ کی اولاد میں بھی اسی باپ کی اولاد تو اب تک جو بڑھیں ماری ہیں اس کا کیا فائدہ اس لیے کوئی سید بچہ ہو کوئی غیر سید بچہ ہو نسبت سے ڈرنے کی بات نہیں ہے یہ ملنگ قسم کے لوگ جاہل قسم کے پیر وہ اپنی ان نسبتوں کی بناء پر لوگوں کو ڈرا کے اپنے پیچھے لگا لیتے ہیں ان کی دنیا سے فائدہ اٹھاتے ہیں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں تو ان سے ڈرنا نہیں ہے۔

کمالات میں وراثت نہیں چلتی

اللہ تعالیٰ نے آدم کی نسل میں ایک اصول رکھا ہے کہ جو روحانی کمالات ہیں جن کی بناء پر اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے یا عام کمالات بھی ہوں کمالات میں وراثت نہیں چلتی یہ بات اصول کے درجے میں یاد رکھیے کمالات میں وراثت نہیں چلتی کمالات انسان کو اپنی محنت سے حاصل ہوتے ہیں باپ نے محنت کی تھی کمال حاصل ہوگیا بیٹا محنت کرے گا تو کمال حاصل کرے گا نہیں محنت کرے گا تو محروم رہ جائے گا۔

کوئی کمال ہو وراثت میں نہیں ملتا مثال کے طور پر ایک ادنی سی بات ہے کہ اگر تمہارا باپ سائیکل چلانا جانتا ہے تم بھی محنت کرو گے تو سائیکل چلانا آجائے گا اور اگر تم محنت نہیں کرو گے تو سائیکل نہیں چلا سکو گے اس دلیل سے نہیں چل سکتے کہ میرا باپ سائیکل چلاتا تھا لہٰذا میں بھی سائیکل چلا سکتا ہوں یہ کوئی دلیل نہیں ہے اگر کمالات میں وراثت چلتی تو میں قرآن کا حافظ ہوتا کیونکہ میرا باپ حافظ تھا لیکن میں نے محنت نہیں کی میں حافظ نہیں ہوا اگر وراثت میں کمالات مل جاتے تو مجھے بھی حفظ مل جاتا اور میں بھی حافظ ہو جاتا مولوی کا بیٹا محنت کرے گا تو مولوی بن جائے گا اگر محنت نہیں کرے گا تو

جاہل کا جاہل رہ جائے گا علم وراثت میں نہیں آیا کرتا۔

کوئی نسبت کوئی کمال انسان کو وراثت میں نہیں ملتا اس میں انسان کی اپنی محنت کام آتی ہے جتنی محنت کرو گے پالو گے۔

بیٹا ہونے کی حیثیت سے کمال حاصل ہو جائے ایسی بات نہیں ہے اس لیے پیروں کی اولاد اگر ماں باپ کے اصولوں پر چلنے والی نہیں ہے ویسے عقیدے رکھنے والی نہیں اور ان باتوں پہ عمل کرنے والی نہیں تو صرف پیروں کی اولاد ہونے کی بناء پر وہ قابل احترام ہو یہ گمراہی کی بنیاد ہے آج جتنی مخلوق ہے جاہلوں کے پیچھے اس لیے لگی ہوئی ہے کہ وہ فلاں کی اولاد ہیں جاہلیت میں نسب کے اوپر بہت فخر ہوتا تھا اس لیے سرور کائنات نے اس کی تردید بہت شدت کے ساتھ کی اس لیے یہ کوئی اصول نہیں کہ نسب کی وجہ سے کسی کو شرف حاصل ہو جائے اور نہ نسب کسی کے لیے نقص کا باعث ہوتا ہے جی یہ اصول نہیں ہے تو ہمیں اس کی فکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے کہ فلاں نبی کا باپ کیسا تھا دادا کیسا تھا پردادا کیسا تھا یہ کوئی بات نہیں ہے ماں باپ باکمال ہوں تو کوئی بات نہیں بے کمال ہوں تو بھی کوئی بات نہیں دیکھنا یہ ہے کہ ذاتی طور پر کوئی کمال حاصل ہے یا نہیں۔

اے ابا! میری اتباع کر

قرآن کریم نے اس جاہلانہ اصول کی جڑ کاٹی ہے کہنے کو جو چاہیں کہیں لیکن تبادر یہی ہے کہ آذر ابراہیم کے باپ ہیں چونکہ بت پرست تھے اور توحید کا عقیدہ انہوں نے اختیار نہیں کیا اسی لیے قرآن کریم نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کو گمراہ قرار دیا ہے اور حدیث شریف میں صحیحین کی صحیح روایت موجود ہے۔آذر کے چہرے کے اوپر گردوغبار اور سیاہی طاری ہوئی ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق سورۃ عبس کی آخر میں فرمایا۔ تو عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ تو گرد اس کے اوپر ہوگا۔جب ابراہیم علیہ السلام بھی پہچان لیں گے کہیں گے اے میرے ابا! میں تجھے کہتا نہیں تھا کہ میری

نافرمانی نہ کر۔ یہ بیٹا باپ سے کہہ رہا ہے، میری اتباع کر جیسا کہ قرآن نے بتایا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو سامنے خطاب کر کے کہا تھا! یاابت انی قدجاء نی من العلم مالم یاتلك فاتبعنی اهدك صراطاً سویا۔ ابا تیرے پاس علم نہیں ہے میرے پاس علم آ گیا ہے تو جاہل ہے تو میرے پیچھے لگ میں تجھے سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔ یہ بیٹا باپ سے کہہ رہا ہے اور اس سے کتنا اچھا اصول قرآن نے دے دیا ہے کہ باپ اس زعم میں کہ میں باپ ہوں اور اپنی اولاد کو کہے کہ میرے پیچھے چلو یہ غلط اصول ہے۔

اور آپ یہ سمجھیں کہ چونکہ میرا باپ ہے لہٰذا میں نے اس کے طریقے پہ چلنا ہے یہ غلط اصول ہے۔ اتباع علم کی ہے نسب کی نہیں اگر باپ کے پاس علم ہے تو باپ کے طریقے پر چلو اور اگر علم باپ کے پاس نہیں ہے بیٹے کے پاس ہے تو باپ کو چاہیے کہ بیٹے کے طریقے پہ چلے یہ سیدھا اصول ہے۔ تو اتباع علم کی ہے اتباع عمر کی نہیں۔ اتباع نسب کی نہیں۔ اس لیے جس کے پاس علم ہو اس کے پیچھے چلو۔ ہم اپنے منصب کو بھول جاتے ہیں اور ہم علم کی توہین کرتے ہیں جس وقت ہم اپنے خاندان میں جا کر اپنی زندگی گزارتے ہیں تو بوڑھوں، ور جاہلوں کے بنائے ہوئے اصول اور ان کی رسم ورواج جو جاہلوں نے اپنی جہالت کی بناء پر بنائی ہوئی ہے۔ ہم ان جاہلوں کے راستے پر چلتے ہوئے ان کے رسم ورواج کو اپنا لیتے ہیں جو خاندانی طور پر چلے آ رہے ہیں۔ اگرچہ علمی دلیل کے خلاف ہوتے ہیں ایسے موقع پر ہم علم کی توہین کرتے ہیں ہم اپنے منصب کو نہیں پہچانتے۔ ہم علم کو جہالت کے تابع کر دیتے ہیں حالانکہ علم جہالت کے تابع کرنے کی چیز نہیں ہے۔ جہالت کو علم کے تابع کرنا چاہیے۔ آپ کے گھر میں مثلاً ایک رسم جاری ہے آپ سمجھتے ہیں کہ شریعت کے خلاف ہے علم کے خلاف ہے پھر کیوں کرتے ہو ایسے؟ کہ ہمارا باپ ایسا کرتا تھا، یہ تو وہی مشرکوں والا اصول ہے کہ ہم تو اس طریقے پہ چلیں گے جو ہمارے باپ کا تھا جب انہیں کہا جاتا کہ جو اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں ہم تو اسی طریقے پہ چلیں گے جو ہمارے باپ کا طریقہ تھا۔ تو قرآن یہی کہتا ہے کہ اگرچہ تمہارے آباء لایعقلون شیئاً ولا یھتدون نہ ان کو عقل

نہ ہدایت سے عقلمے بے ہدایت والدین؟ ان کے طریقے پہ چلتے ہو؟

خاندانی رسوم پر چلنا علم کی توہین ہے

اس لیے خاندانی رسم ورواج جو شخص بلا سوچے سمجھے اپناتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ علمی دلیل کے مطابق ہے یا علمی دلیل کے خلاف ہے یا وہ سمجھتا ہے کہ یہ شریعت کے خلاف ہے ہم نے جو کچھ پڑھا اس میں اس کی گنجائش نہیں ہے تو پھر بھی وہ اپنے آباؤ اجداد کے طریقے پہ چلتا ہے ان بدعات کو کرتا ہے جو گھروں میں رائج ہیں اور ان رسموں کی پابندی کرتا ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر مرنے کے موقع پر جاری ہیں تو یوں سمجھو کہ یہ علم کو جہالت کے تابع کرتا ہے اور علم کی توہین کرتا ہے۔

علم جہالت کے پیچھے چلنے کے لیے نہیں ہوتا۔ جہالت کو علم کے پیچھے چلانا چاہیے اس لیے آپ خاندانی رسموں کو مٹا کر علمی اصول اپناؤ نہ یہ کہ آپ بھی خاندانی رسموں اور بدعات کے پیچھے ملتوی ہو جاؤ۔ پھر پڑھنے کا کیا فائدہ ہوا! اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا یہ ایک اصول بھی یاد رکھیں کہ کہ اتباع علم کی ہے۔ اتباع جہالت کی نہیں، تو اپنے ماں باپ کو سمجھاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا تھا۔ تیرے پاس علم نہیں ہے میرے پاس علم ہے لہٰذا آپ کو زندگی ہم سے پوچھ کر گزارنی چاہیے اس لیے اب خاندانی رسم ورواج خاندان میں جو بدعات ہو رہی ہیں غلط طریقے جو جاری ہیں ان کو ختم کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس علم بھیج دیا تمہارے پاس علم نہیں تو ہمارے طریقے پر چلو نجات اسی میں ہے تو جو آدمی یہ نظریہ اپنائے گا۔ خود بھی بچے گا اپنے خاندان کو بھی بچا لے گا۔ اگر پڑھ لکھ کر عالم ہو کے فاضل ہو کے گھروں میں جا کے وہی بدعتیں کرتی ہیں جو وہاں رائج ہیں۔ محرم کی تاریخ آئی تو وہی شربت لوگوں کو پلانے ہیں وہی قبروں پہ جا کر دال ڈالنی ہے۔ وہی قبروں پر جا کے شمعیں گاڑنی ہیں۔ اور مرنے کے بعد وہی ساری رسم ورواج جیسے خاندانوں میں ہوتے ہیں سارے کے سارے کرنے ہیں تو پھر پڑھنے کا کیا فائدہ ہوا۔

وہ تو جہالت کی زندگی جیسے گزر رہی تھی اب بھی گزر جائے گی تو جب ہم ان میں جا کے شامل ہو جاتے ہیں تو ہم اپنے علم کی توہین کرتے ہوئے علم کو جہالت کے تابع کر دیتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا باپ جہنم کی لپیٹ میں

بہر حال جب قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام اور آذر کا آمنا سامنا ہوگا تو ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں تجھے کہتا نہیں تھا میری نافرمانی نہ کر آذر کہے گا کہ بیٹا اب نافرمانی نہیں کروں گا۔ لیکن اب وقت گزر چکا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے سامنے دعا کریں گے کہ یا اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا میں تجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کروں گا یہ تو میری بڑی رسوائی ہے کہ میرا باپ جو رحمت سے دور ہے اس سے زیادہ رسوائی کیا ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا انی حرمت الجنة علی الکافرین جنت تو کافروں پر حرام ہے جنت میں تو یہ جا نہیں سکتا البتہ رسوائی کا علاج ہے۔ دیکھیں شہر میں آپ کا کوئی رشتہ دار بری حالت میں پھر رہا ہو تو آپ کی رسوائی تب ہے جب لوگوں کو پتہ ہو کہ یہ آپ کا رشتہ دار ہے کہتے ہیں دیکھو فلانے کا باپ ہے فلانے کا بیٹا ہے کیسی حالت میں پھر رہا ہے تو یہ آپ کے لیے باعث شرم ہے اور اگر اس کو پہچانتا ہی کوئی نہیں کہ تمہارا کیا لگتا ہے کیا نہیں لگتا تو تمہارے لیے کوئی شرم کی بات نہیں تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بجو کی شکل میں مسخ کر دیں گے فرشتے اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیں گے اور اس کی شکل مسخ ہو جائے گی اور پتہ ہی نہیں چلے گا کہ ہے کون؟ (بخاری ص ۴۷۳ ا)

اب بناؤ اصول کہ نبی کا باپ ہو ضرور بخشا جائے گا۔ بن گیا اصول؟ اس حدیث کی روشنی میں کیا یہ اصول بن سکتا ہے بلکہ اگر نبی کا باپ بھی کافر ہے تو فرشتے ٹانگوں سے پکڑ کر گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیں گے۔ نبی کا باپ ہونا بھی کام نہیں آئے گا حضرت ابراہیم کے اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو گئی لہٰذا یہ اصول غلط ہے نسب کی بنا پر چھٹکارا نہیں ہوگا۔

نبی کی بیوی ہو کر جہنم میں

قرآن کریم نے یہ بات اچھی طرح سے ہمارے سامنے واضح کردی۔ بلکہ اس سے اور زیادہ آگے بڑھ جائیے قرآن کریم کہتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی بیوی جہنمی ہے ضرب الله مثلا للذين كفروا امراة نوح وامرأة لوط۔ دونوں کا ذکر آ گیا نوح علیہ السلام کی بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی۔ كانتا تحت عبدين من عبادنا صالحين۔ دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں لیکن انہوں نے ان کا طریقہ نہیں اپنایا فخانتا هما فلم يغنيا عنهما من الله شيئا یہ شوہر نبی کچھ کام نہ آئے وقيل ادخلا النار مع الداخلين تو قرآن کریم کہتا ہے یا نہیں کہتا؟

یہ اٹھائیسوں پارے کے آخری رکوع میں ہے اب اگر کوئی عورت ناز کرے کہ میں پیر کی بیوی ہوں اس لیے میرا پیرانی صاحبہ ہونے کی وجہ سے ادب کرو چاہے وہ کفر شرک میں مبتلا ہو نماز نہیں پڑھتی تو لوگ اس کے پاؤں چاٹنے کے لیے جاتے ہیں لوگ اس کے گھٹنوں کو ہاتھ لگاتے ہیں اس کو سمجھتے ہیں پتہ نہیں کیا آ گئی اس کو کہو تیرا درجہ نوح علیہ السلام کی بیوی سے زیادہ نہیں ہے تیرا شوہر نوح علیہ السلام سے بڑا نہیں تھا کیا غیر نبی نبی کے درجے کو پہنچ سکتا ہے؟ کتنا کوئی نیک کیوں نہ ہو پیغمبر کے درجے کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکتا تو تیرا شوہر نوح علیہ السلام سے بڑا نہیں تھا۔ اگر نوح علیہ السلام کی بیوی غلط تھی تو اس کو کہا گیا جہنم میں تو تو کس باغ کی مولی ہے یہ بالکل غلط بات ہے نسبت کوئی کام نہیں آئے گی اگر عقیدہ صحیح نہیں تو چاہے نبی کی بیوی ہے اگر نبی کے طریقے پر نہیں چلی تو فلم يغنيا عنهما من الله شيا دونوں پیغمبر اپنی بیویوں کے کام نہ آ سکے تو کیسے کوئی ناز کرے۔

نبی کا بیٹا ہو کر عذاب میں

کیا قرآن کریم نے نوح علیہ السلام کے بیٹے کا قصہ نہیں سنایا اس کو کیا ہو گیا تھا سیلاب میں غرق ہو گیا بیٹا نوح علیہ السلام کا تھا کافروں کے ساتھ مل گیا تو غرق ہو گیا پھر کیا دماغ ہے کسی کا جو کہے میرا باپ بزرگ تھا لہٰذا میں تو بخشا بخشایا ہوں یہ یہودیوں والا عقیدہ

ہے نحن ابناء اللّٰہ واحباءہ کہ ہم چونکہ بڑوں کی اولاد ہیں تو ہم بھی ایسے ہیں جیسے اللہ کے بیٹے ہم اللہ کے محبوب ہیں ارے سمجھے؟ (ہاں جی) کوئی کتنے ہی بڑے بزرگ کا بیٹا کیوں نہ ہو نوح علیہ السلام سے اس کا باپ بڑا نہیں ہوگا نوح علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے اگر ان کا بیٹا ان کے طریقے پہ نہیں چلا اور اس نے صحیح عقیدہ اختیار نہیں کیا تو کیا نوح علیہ السلام کا باپ ہونا اس کے کام آیا؟ (نہیں) شوہر کام نہیں آئے گا باپ کام نہیں آئے گا بیٹا کام نہیں آئے گا تینوں باتیں ہوگئیں اب لیجئے حضور! صحیح حدیث میں موجود ہے یہی شیعہ کے اس اصول کو رد کرنے والی بات اہل السنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ جہاں آ کے رافضیوں کا یہ اصول ٹوٹ جاتا ہے۔

ابوطالب کی وفات کفر پر ہوئی

لیکن رافضی اپنے عقیدے پہ پکے ہیں وہ ہے ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا حضرت علی کے والد رافضی کہتے ہیں یہ مومن تھے اسی عقیدہ کے تحت کہ یہ تو علی کے باپ ہیں یہ جہنم میں کیسے جائیں گے اس لیے کوئی ثبوت ہو نہ ہو بس یہی دلیل کافی ہے کہ علی کے باپ ہیں جہنم میں نہیں جا سکتے ابراہیم کا باپ جا سکتا ہے علی کا باپ نہیں جا سکتا اگر اللہ تعالیٰ ابراہیم کے باپ کو جہنم ڈال سکتے ہیں تو علی کے باپ کو ڈالنے میں کیا رکاوٹ ہے اس لیے صحیحین میں یہ روایت موجود ہے کہ ابوطالب ایمان نہیں لیا اور ساری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گزار دی آپ کے لیے لوگوں کی دشمنی مول لی شعب ابی طالب میں تین سال تک بنوہاشم محصور رہے ان میں ابوطالب بھی تھے دوسرے لفظوں میں کہہ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں تین سال تک جیل کاٹی اہل مکہ کا بائیکاٹ برداشت کیا سارے مشرکوں کی مخالفت مول لی اور ایک دن کی بات نہیں آٹھ سال کی عمر تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جب ابوطالب کی سرپرستی میں آئے دادا فوت ہوگیا تھا اور تقریباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پچاس سال عمر تھی جب ابوطالب فوت ہوا ہے۔ بیالیس سال اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی کی شادی اپنی سرپرستی میں کرائی سارے کام اپنی سرپرستی

میں کروائے۔ آخر تک ساتھ دیا لیکن ایمان نہیں لایا۔ آخر وقت میں جب پتہ چلا تھا کہ بیمار ہیں موت قریب آ گئی ہے تو حضور ﷺ تشریف لے گئے تھے اس کے پاس۔ اور وہیں ابو جہل بھی بیٹھا تھا اور دوسرے مشرک بھی بیٹھے تھے تو جا کے آپ نے دعوت دی کہ چچا ایک دفعہ ہونٹ ہلا لے لا اله الا الله کے ساتھ تو میں تیرے متعلق اللہ سے کہہ سن لوں گا۔ ایک دفعہ ہونٹ ہلا لے۔ اور وہ بیٹھے کہہ رہے تھے دیکھنا کہیں اپنے باپ دادے کا طریقہ نہ چھوڑ دینا تو آخری آخری بات جو ابو طالب نے کہی وہ تھی انا علی ملة عبد المطلب میں تو اپنے خاندانی طریقہ پہ ہوں (بخاری ص ۱۸۲) اور حضور ﷺ سے کہا (جو لفظ بولنے لگا ہوں یہ بخاری میں نہیں ہیں سیرت کی کتابوں میں ہے) یہ کہا کہ بھتیجے! میں کلمہ پڑھ کے تیرا دل خوش کر دیتا لیکن مجھے اس بات سے شرم آ رہی ہے عار آ رہی ہے کہ قریش کی عورتیں طعنہ دیں گی کہ جہنم سے ڈر کے بھتیجے کا کلمہ پڑھ گیا مجھے اس بات سے عار آ رہی ہے اخترت النار علی العار۔ جہنم تو برداشت کر سکتا ہوں یہ عار نہیں برداشت کر سکتا ضد ہو تو ایسی ہو کہ جہنم تو برداشت ہے لیکن یہ سننا گوارہ نہیں ہے کہ عورتیں کہیں گی بھتیجے کا کلمہ ڈر کے پڑھ گیا جہنم سے ڈر نے کیا بات ہے اس لیے کہتا ہے میں عار نہیں برداشت کر سکتا نار برداشت کر لوں گا تو ابو طالب کا جواب سن کر حضور ﷺ روتے ہوئے آنسو بہاتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر آ گئے جس پر اللہ تعالیٰ نے تسلی دی تھی انك لاتهدی من احببت ولكن الله يهدی من يشاء کہ ہدایت تیرے بس میں نہیں ہے اللہ جس کو چاہے دیتا ہے۔

اللہ کی بے نیازی دیکھئے

اس لیے مولانا بدر عالم صاحب ہمارے بزرگ گذرے ہیں جنہوں نے ترجمان السنة حدیث کی بہت اچھی کتاب لکھی ہے تشریحات کے ساتھ۔

انہوں نے ایک بڑا پیارا جملہ لکھا ترجمان السنة میں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے وہاں انسان کیا بولے بے نیاز ذات ہے اس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا **لا یسئل عما یفعل** ایک آدمی تلوار اٹھا کے قتل کرنے کے ارادے سے جاتا ہے اور ایمان کی دولت پا

لیتا ہے؟ کون (حضرت عمر) اور ایک نے چالیس سال خدمت کی ایمان سے محروم رہا اللہ کی ذات بے نیاز ہے قتل کے ارادے سے جانے والا تو ایمان کی دولت پا گیا اور چالیس سال کا خادم جاں نثار عشق میں جیل برداشت کرنے والا ہر قسم کی مصیبت برداشت کرنے والا اللہ نے ایمان سے محروم رکھا۔

ابو طالب کو سب سے ہلکا عذاب ہوگا

تو حضور ﷺ سے کسی نے پوچھا (یہ بخاری ص ۲/۹۸۱) میں روایت ہے صحیح حدیث ہے) کہ یا رسول اللہ! ابو طالب آپ سے بہت ہمدردی کرتا تھا تو جو آپ کے ساتھ اس نے ہمدردی کی ہے اس کا اس کو کوئی فائدہ بھی پہنچے گا؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں اگر میں نہ ہوتا یعنی میرے ساتھ اس کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ جہنم کے نچلے درجے میں ہوتا لیکن اب رہے گا جہنم میں نکلنا نصیب نہیں ہوگا لیکن صرف اس کو آگ کا جوتا پہنایا جائے گا ایک روایت میں ہے کہ اس کے صرف تلوے آگ کے ہوں گے اور ایک روایت میں ہے کہ ٹخنوں تک آگ میں ہوگا لیکن ٹخنوں تک آگ میں ہونے کی وجہ سے اس کا بھیجا یوں پک رہا ہوگا جس طرح سے ہانڈی پکتی ہے اور وہ یہ سمجھ رہا ہوگا کہ شاید میرے سے زیادہ سخت عذاب کسی کو بھی نہیں ہوگا۔

حالانکہ وہ اھون الناس عذابا تمام جہنمیوں سے ہلکا عذاب اسے ہوگا اور وہ سمجھ رہا ہوگا مجھے جو تکلیف ہے شاید جہنم میں کسی کو بھی نہیں حالانکہ صرف ٹخنے اس کے آگ میں ہوں گے کہ آگ کا جوتا پہنایا ہوا ہوگا باقی سارا بدن آگ سے باہر ہوگا اور یہ لفظ حدیث میں ہیں یغلی منه دماغه اسی آگ کی وجہ سے اس کا دماغ ایسے جوش مار رہا ہوگا جس طرح سے کہ ہانڈی جوش مارتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہوگا کہ شاید میں اشد الناس عذاباً ہوں حالانکہ وہ اھون الناس عذاباً ہوگا بہر حال رہے گا جہنم میں تو یہ چچے کی بات آ گئی۔

اے فاطمہ! میں کچھ کام نہیں آؤں گا

اور سرور کائنات ﷺ نے جب نبوت کا اعلان فرمایا تھا اور قوم کو آوازیں دی

تھیں تو اس میں یہ بات بھی آتی ہے مشکوۃ باب الانداز میں یہ روایت موجود ہے کہ جہاں آپ نے باقی لوگوں سے کہا تھ وہاں یہ بھی کہا تھا یا فاطمہ انقذی نفسك من النار لااغنی عنك من الله شیئاً (مسلم ص ۱/۱۱۴) اورایک روایت میں ہے کہ سلی من مالی ماشئت ولا اغنی من الله شئیا (فتح الباری ص ۸/۵۰۲) میری بیٹی فاطمہ اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی کوشش کرو میں کچھ کام نہیں آؤں گا یعنی اگر ایمان نہ ہوا تو۔ فرمایا کہ دنیا میں میرے پس جو کچھ مال موجود ہے اس میں سے جو چاہو مانگ لو دے دوں گا لیکن جب اللہ کا معاملہ آ گیا تو میں اللہ کے مقابلے میں کام نہیں آ سکوں گا اپنے آپ کو آپ سنبھالو تو کسی اور کے متعلق کیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس کو نسب کام دے دے گا اگر ایمان نہ ہوا تو اس لیے یہ اصول غلط ہے اور اس اصول کو اپنے ذہن میں بٹھا لیجیے کہ فلاں بن فلاں یہ کوئی قابل قدر چیز نہیں اگر پہلے ایمان نہیں ہے تو۔ اس لیے جاہل قسم کے پیر بڑے بڑے موٹے منکوں والی تسبیح ڈال کے جو آ جاتے ہیں یہ سید بچے بن کے اور یہ ملنگ چمٹے کھڑکاتے ہوئے جو آ جاتے ہیں تو اپنے گھروں میں عورتوں کو بھی کہا کرو کہ ان سے ڈرا نہ کرو نہ ان کے رعب میں آنے کی کوئی بات ہے یہ سارے کے سارے مردود جہنم کے لیے ہیں اگر ان کا عقیدہ صحیح نہیں ان کا عمل صحیح نہیں تو سارے مردود ہیں ان سے کوئی ڈرنے کی بت نہیں اور کتنی دنیا ہوگی جن کو انہوں نے اسی طرح گمراہ کیا ہوگا۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نسب کے سلسلے میں یہ بات آپ کے سامنے چلی تھی کہ ابراہیم کے باپ کو اگر مشرک مان لیا جائے تو شریعت کے کسی اصول پہ زد نہیں پڑتی کیونکہ یہ شریعت کا اصول نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے کہ انبیاء کا نسب باعث نجات ہے اور جو بھی انبیاء کے نسب میں آ جائیگا چاہے اولاد میں چاہے آبائی نسب میں تو وہ جہنم میں نہیں جائے گا اور اس نسبت کی بناء پر چھوٹ جائے گا یہ کوئی حقیقت نہیں۔

اپنا عقیدہ اور اپنا اپنا حساب۔

مومنین کی سفارش ہوگی

ہاں اگلی بات کہ اگر آپ دنیا سے اس ایمان کے ساتھ رخصت ہوگئے ایمان آپ کے پاس ہے پھر آپ کا کوئی بڑا اللہ کا ولی تھا عالم تھا شہید تھا حافظ تھا لیکن آپ کے پلے ایمان ہے اور دنیا سے آپ ایمان کے ساتھ گئے ہیں نیکیاں نہ ہونے کی بناء پر آپ کو سزا ہوگئی تو یہ صحیح روایات میں موجود ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ اجازت دے گا شہید کی عزت افزائی کرتے ہوئے کہ اپنے خاندان میں سے جس کے اوپر جہنم واجب ہوگئی اس کے اعمال کی بناء پر۔ اتنے آدمیوں کا تجھے حق ہے کہ تو سفارش کر کے چھڑائے تو وہ اپنے باپ کو بیٹے کو بھائی بھتیجے کو دوست کو جس کو پہچانے گا چھڑائے گا لیکن اس وقت جب پہلے ایمان ہوگا۔

حافظ چھڑائے گا عالم چھڑائے گا شفاعت کے ہم قائل ہیں انبیاء سفارش کریں گے ملائکہ سفارش کریں گے حافظ سفارش کریں گے علماء سفارش کریں گے شہداء سفارش کریں گے حتیٰ کہ چھوٹے بچے جو بچپن میں فوت ہوگئے اور حتیٰ کہ سقط جو ماں کے پیٹ سے ناقص بچہ گر گیا وہ بھی ماں باپ کی سفارش کر کے ان کو چھڑا کے لے جائے گا بلکہ اللہ سامنے ویسے ضد کرے گا جیسے بچے ضد کرتے ہیں حدیث میں جیسے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بچے کو کہے گا تو جنت میں جا جس کا باپ مومن ہو کافر کی بات نہیں اور یہ کوئی اطمینان کی بات نہیں کہ ہم کہیں کہ لازماً ہمارا خاتمہ ایمان پر ہوگا بلکہ خاتمہ ایمان پہ کرے (آمین) جب تک خاتمہ ایمان پہ نہ ہو جائے ہر وقت ڈرتے رہو تو اللہ تعالیٰ کہے گا بچے کو جنت میں جاؤ وہ کہے گا میں تو نہیں جاتا جیسے بچے ضد کیا کرتے ہیں میں تو نہیں جاتا کیوں؟ کہے گا میں تو اپنے ماں باپ کو ساتھ لے کر جاؤں گا جب وہ اڑ جائے گا اور کسی طرح نہیں مانے گا تو اللہ تعالیٰ کہے گا کہ **ایھا السقط المراغم ربه ا!** اپنے رب سے جھگڑنے والے بچے۔

ادخل ابویك الجنة جالے جا اپنے ماں باپ کو جنت میں تو وہ بھی لے جائے

گا (ابن ماجہ ص ۱/۱۱۵) لیکن کب جب ماں باپ کے پاس ایمان ہوگا ایمان کے ساتھ جائیں گے تو کوئی سفارش بھی مل سکتی ہے بڑوں کی برکت کے ساتھ درجات بھی اونچے ہوسکتے ہیں۔

یہ مسئلہ صراحتاً قرآن کریم میں آیا ہوا ہے کہ بچوں کو والدین کے ساتھ ملا دیا جائے گا واتبعتھم ذریتھم جب کہ بڑوں کے تابع ہوں اوران کے طریقے پہ چلنے والے ہوں تو بڑوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ چھوٹوں کو بھی اونچا کردے گا۔

بیان کا خلاصہ

بہر حال یہ اصول جو آپ کے سامنے آج ذکر کیا گیا اس کو ذہن میں بٹھالیں آخرت میں نجات اگر ہوگی تو عقیدے کی بناء پر ہوگی نسب کی بناء پر نجات نہیں ہے اگر پلے ایمان نہ ہوا تو کسی کے باپ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کسی کے بیٹے ہوں تو فائدہ نہیں ہوگا کسی کی نیک بیوی ہو تو فائدہ نہیں ہوگا کوئی چچا ہے کوئی بھتیجا ہے کوئی فائدہ نہیں ہوگا آخرت میں نجات اگر ہونی ہے تو عقیدے کی صحت پہ ہونی ہے۔

ہاں البتہ اگر صحیح عقیدہ لے کر آپ چلے گئے تو اگر آپ کسی نیک کی اولاد میں ہیں حافظ کی اولاد میں ہیں کسی حافظ کے بھائی ہیں کسی حافظ کے باپ ہیں کسی شہید کے باپ یا بیٹے ہیں۔

یا کسی عالم کے باپ بیٹے ہیں پھر اللہ تعالیٰ سفارش کی اجازت دیں گے اورسفارش کی بناء پر بہت سارے لوگوں کو بخشا جائے گا یہ بات چل پڑی تھی اس بات پر کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آذر قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے حدیث سے معلوم ہوتا ہے کافراورمشرک تھے تو کیا ابراہیم کی شان کے خلاف تو نہیں اور یہ رافضیوں والا اصول کہاں تک صحیح ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے میں نے آپ کی خدمت میں یہ باتیں عرض کی ہیں۔ باقی بات انشاءاللہ العزیز اگلے بیان میں ہوگی۔

سوال: طوفان نوح پوری دنیا میں آیا تھا تو کیا حضرت نوح پوری دنیا کے لیے نبی

تھے اور کیا ان کی تبلیغ پوری دنیا میں پہنچ چکی تھی؟

جواب: اس وقت آبادی تھوڑی تھے اور جہاں طوفان آیا تھا آبادی بھی وہیں آس پاس تھی اس طرح سے دنیا بھری ہوئی نہیں تھی کہ آپ یہ خیال کریں کہ نوح علیہ السلام کی تبلیغ کہاں پہنچی تھی کہاں نہیں پہنچی تھی کیونکہ آدم کے بعد قریب زمانے میں ہی نوح آگئے تھے اس وقت روئے زمین پر آبادی نہیں تھی جہاں جہاں آبادی تھی وہاں وہاں ان کی بات پہنچی ہوئی تھی۔

اور کافر جتنے بھی تھے جو نوح علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تھے سب غرق کردیں گئے تھے اصح روایت یہی ہے۔

سوال: حضرت نوح اور لوط علیہ السلام کی بیویاں جہنم میں جائیں گی۔ تو یہ قرآن کی دوسری آیات مثلاً الخبیثات للخبیثین سے متعارض ہے۔

جواب: یہاں خبیث میں اخلاقی خبث مراد ہے کفر عرف میں اخلاقی خبث نہیں شمار ہوتا ہاں زنا عرف میں اخلاقی خبث شمار ہوتا ہے اس لیے زانی بدنام ہوتا ہے زانیہ رسوا ہوتی ہے جبکہ معاشرے کے اندر کافر و مشرک کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

اس لیے نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہوسکتی یہ آیت اس سلسلے میں اتری تھی کہ بدباطن لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق زبان درازی کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی خبیث عورت کسی طیب کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ نبی تو اطیب الطیبین ہے تو ان کے نکاح میں ایسی عورت کیسے آسکتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے صفائی دیتے ہوئے کہا تھا تو وہاں خبث اخلاقی مراد ہے اس لیے یہ اصول اپنی جگہ پکا ہے کہ کسی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہوسکتی کافر بن سکتی ہے قطعی نص کے ساتھ۔

سوال: دوران دعا و تسبیحات انگلیاں چٹخارنا کیسے ہے۔

جواب: خلاف ادب ہے۔

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين.

میزان

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِينُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذَالِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

تمہید

واقعات کا سلسلہ گزشتہ بیان میں یہاں تک پہنچا تھا کہ حشر کے میدان میں کافر اور مسلمانوں کو ممتاز کردیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلا تول جو قائم ہوگا وہ ایمان اور کفر کا ہوگا جس کے ساتھ کافر ممتاز ہو جائیں گے اور مسمان علیحدہ ہو جائیں گے اور پھر کافروں کے لیے جہنم کا فیصلہ ہوگا اور وہ اس میں دائمی طور پر رہیں گے اور ان کے لیے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہوگی اس بات کی تفصیل پچھلے بیان میں آپ کے سامنے کی گئی تھی آج اس کا دوسرا حصہ ہے کہ مومنوں کے لیے پھر وہ دوبارہ ترازو قائم کی جائے گی ان کی نیکی اور برائیوں کو تولنے کے لیے اچھائیاں اور برائیاں مومنوں کی تلیں گی کافروں کی اچھائیوں کا اعتبار نہیں اس کے پاس برائیاں ہی برائیاں ہیں مومن کے پاس اچھائی بھی ہوسکتی ہے برائی بھی ہوسکتی ہے نیک اعمال بھی ہونگے برے اعمال بھی ہونگے تو اللہ تعالیٰ اپنی شان انصاف اور شان عدل کو ظاہر کرنے کے لیے ترازو قائم کریں گے اور ایک پلڑے میں نیکیاں اور ایک پلڑے میں برائیاں ڈال جائیں گی یہ نیکیاں کس طرح تولی جائیں گی نیکیوں کا وزن کیسے ہوگا۔ یا تو ہمارے جو نیک اعمال ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جسم دے دیں گے یہ مجسد ہو جائیں گے اور مجسد ہونے کے بعد جس طرح سے باقی جسم تولے جاتے ہیں تو نیکیوں کا بھی خارجی طور پر وجود بن جائے گا اور وہ تولا جائے گا اور ہمارے جو بھی نیک عمل ہیں وہ ایک خاص شکل اختیار کر جائیں گے نیکیوں کی اپنی شکل ہوگی برائیوں کی اپنی شکل ہوگی تو متشکل ہونے کے بعد اور مجسد ہونے کے بعد پھر ان کا وزن کیا جائے گا یا بعض روایات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ نامہ جن کے اوپر اعمال لکھے ہوں گے ان کا وزن کیا جائے گا اور ان کے اندر وزن نمایاں ہوگا اس تحریر کی وجہ سے جو اس میں لکھی ہوئی ہوگی۔

گناہ کے ننانوے دفتروں پر ایک کاغذ کا پرزہ بھاری

ایک روایت میں ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص اللہ کے سامنے

آئے گا اس کے پاس ننانوے دفتر ہوں گے گناہوں سے بھرے ہوئے ہوں گے اور وہ اتنے بڑے بڑے ہوں گے تا حد نظر۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے میرے لکھنے والوں نے جو میں نے محافظ بھیجے ہوئے تھے انہوں نے تجھ پر کوئی زیادتی تو نہیں کی؟۔ وہ کہے گا نہیں۔ تو یک کاغذ کا پرزہ اس کو دیا جائے گا جس پر اس کی نیکی لکھی ہوئی ہوگی اخلاص کے ساتھ اس نے کوئی کلمہ پڑھا تھا اللہ کی تسبیح کی تھی وہ اس پرچی کے اوپر لکھی ہوئی ہوگی اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اس کو لے جاؤ۔ جا کے وزن کراؤ۔ وہ کہے گا یا اللہ اتنے بڑے بڑے دفتروں کے مقابلے میں یہ ایک چٹ، ایک کاغذ کا پرزہ۔ یہ کیا وزن رکھے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے نہیں آج اسی طرح سے ہوگا کہ نیکیوں اور برائیوں کو تولا جائے گا تو جس وقت وہ جا کے ننانوے دفتر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے گا اور وہ کاغذ کا پرزہ جس کے اوپر اس کی کوئی نیکی لکھی ہوئی ہوگی دوسرے پلڑے میں رکھے گا تو پرزے والا پلڑا بھاری ہو جائے گا اور گناہ کے ننانوے دفتر اس کے مقابلے میں ہلکے ہو جائیں گے تو نیکی اس کی غالب آ جائے گی حدیث شریف میں آتا ہے اس نے کوئی اخلاص کے ساتھ، محبت کے ساتھ، خلوص کے ساتھ اللہ کا نام لیا تھا تو اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز وزنی نہیں ہو سکتی وہ اللہ کا ذکر اور خلوص کے ساتھ اللہ کا نام لیا ہوا اتنی برائیوں کے مقابلے میں بھی غالب آ جائے گا۔

اس روایت کی طرف دیکھ کے معلوم ہوتا ہے کہ نامہ اعمال تلیں گے جن کے اوپر اعمال لکھے جاتے ہیں بہر حال یہ بھی سمجھنے سمجھانے کے لیے ہے ورنہ اعمال جس صورت میں بھی ہوں چاہے وہ عرض ہیں چاہے جوہر ہیں اس بحث میں پڑے بغیر اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ ہر بات کا وزن کر لے ہر فعل کا وزن کر لے ہر کیفیت کا وزن کرے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں اور آج آپ دیکھتے ہیں کس قسم کے آلات آ گئے ہیں

جن کے ساتھ عوارض کو معلوم کر لیا جاتا ہے بدن کے اندر حرارت کتنی ہے۔ وہ بھی وزن کر لیا جاتا ہے۔ ہوا کے اندر کتنی برودت ہے۔ اس کا بھی وزن معلوم ہو جاتا ہے۔ بارش کتنی ہوگی اس کو بھی معلوم کر لیا جاتا ہے آج گرمی کتنی ہے اس کو بھی معلوم کر لیا جاتا ہے تو انسان کی عقل اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے وہ اس قسم کے اندازے اور وزن معلوم کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ معلوم کیوں نہیں کر سکتے اس لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں۔

مقام اعراف کا تعارف

بہرحال وزن اعمال کا مسئلہ ختم صحیح بخاری پر ہر دفعہ آپ سنتے رہتے ہیں اس وزن کے دوران جس کی نیکیاں غالب آجائیں گی اس کو جنت میں بھیج دیا جائے گا جس کی برائیاں غالب آجائیں گے اس کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی ان کے لیے اعراف ہے اعراف یہ ذوجہتین ہے جنت کے مقابلے میں وہ دوزخ ہے تو دوزخ کے مقابلے میں وہ جنت ہے جیسے کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

حوران بہشتی رادوزخ بود اعراف

وزدوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

اگر بہشت کی حوروں کو اعراف میں بھیج دو تو ایسے سمجھیں گی جیسے ہمیں جہنم میں بھیج دیا گیا لیکن جہنمیوں سے پوچھو کہ اگر اعراف میں آجائیں تو ایسے سمجھیں گے جیسے جنت میں آگئے بہرحال اس فیصلے کے ہوجانے کے بعد یہ گنہگار مسلمان جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے جن کی نیکیاں غالب ہوں گی ان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

پھر شفاعت کا دروازہ کھلے گا

تو پھر ان گنہگاروں کے لیے شفاعت کا دروازہ کھلے گا اور اللہ کی طرف سے سفارش کرنے کی اجازت ہوگی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی خصوصیت کے ساتھ اپنی امت کی

سفارش کریں گے اور باقی انبیاء بھی اپنی اپنی امت کے گنہگاروں کے لیے سفارش کریں گے باقی انبیاء کی سفارش کے ساتھ کس طرح سے لوگوں کو نکالا جائے گا روایات میں اس کی تفصیل ہے لیکن حضور ﷺ کی شفاعت کی تفصیل روایت میں بہت آئی ہوئی ہے کہ پہلے اللہ ایک حد متعین کردیں گے کہ جن کے پاس اتنا ایمان ہے اتنے اعمال ہیں ان کو نکال لو اور وہ نکال لیے جائیں گے پھر اور حد متعین کردیں گے پھر اور حد متعین کردیں گے حتیٰ کہ ایک وقت آجائے گا کہ انبیاء بھی سفارش کر چکے فرشتوں کی بھی سفارش سے لوگوں کو معافی ملے گی وہ بھی سفارش کر چکے نابالغ جو فوت ہوئے ہیں وہ اپنے والدین کی سفارش کریں گے وہ بھی سفارش کر چکے اور علماء اہل علم کو سفارش کا حق ملے گا شہداء کو حق ملے گا حفاظ کو ملے گا یہ سارے کے سارے سفارش کر کے اپنے اپنے متعلقین کو اپنے اپنے تعلق والوں کو نکال لیں گے حتیٰ کہ ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم میں اعلان ہوگا کہ جنتی آرہے ہیں اپنے اپنے متعلقین کو نکالنے کے لیے تو جہنمی صف بندی کر کے کھڑے ہوجائیں گے جنتیوں میں جن کو سفارش کی اجازت ملے گی وہ آئیں گے اور پہچان پہچان کر جو اپنے تعلق والے ہوں گے ان کی سفارش کر کے نکال کے لے جائیں گے ایک آدمی دوسرے جنتی کو جو اس کے پاس سے گذر رہا ہوگا کہے گا یا عبد اللہ الاتعرفنی او اللہ کے بندے تو نے مجھے نہیں پہچانا تو جنتی اس کی طرف متوجہ ہوگا تو وہ کہے گا تجھے یاد نہیں فلاں دن میں نے وضو کے لیے پانی دیا تھا تجھے وضو کی ضرورت تھی میں نے تجھے وضو کے لیے پانی دیا تھا جنتی کو یہ بات یاد آجائے گی اسی وقت اس کا بازو پکڑے گا پکڑ کے اس کو لے آئے گا (مشکوۃ ص ۴۹۴/۱۔ الکامل لابن عدی ۲۰۲،۵) یعنی اتنا تعلق نیک لوگوں کے ساتھ وہ بھی اس وقت کام آجائے گا۔

اچھے اور برے تعلق کے نتائج قیامت میں

ان باتوں کی طرف دیکھتے ہوئے پھر اہمیت ہوتی ہے اپنی اس زندگی کے اندر

اچھے لوگوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی۔ یہ صرف واقعات بیان کرنے مقصود نہیں بلکہ ان سے سبق حاصل کرنا بھی مقصود ہے کہ یہ تعلقات نیکوں کے ساتھ آخرت میں اس طرح کام آئیں گے استاذ کی معرفت سے شاگرد چھوٹیں گے شاگردوں کی برکت سے استاذ چھوٹیں گے پیروں کی معرفت مرید چھوٹیں گے اور ایسا بھی ہوگا کہ مریدوں کی معرفت پیر چھوٹیں گے اولاد والدین کے لیے نجات کا باعث بنے گی اس طرح سے جتنے بھی دوست احباب ہیں جن کی دوستی کی بنیاد تقوے پر ہوگی اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی میں تعاون کرتے ہوں گے وہی آخرت میں اس طرح کام آئیں گے قرآن کریم کہتا ہے **الاخلاء بعضهم لبعض عدو الا المتقين** تو ساتھ ساتھ یہ سبق بھی حاصل کرنا چاہئے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ہاں البتہ متقی جو ہیں وہ دشمن نہیں ہونگے بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ ان کی محبت کام آئے گی دشمن اس لیے ہونگے کہ انسان اس وقت یاد کرے گا کہ میری فلاں برائی میرے فلاں دوست نے کرائی تھی اگر میری اس کے ساتھ دوستی نہ ہوتی تو میں یہ برائی نہ کرتا میرے سامنے نصیحت آگئی تھی اگر میری اس کے ساتھ دوستی نہ ہوتی تو پھر میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتا رسول ﷺ کے احکام پر چلتا برائی کی طرف نہ جاتا اس دوست نے مجھ سے برائی کروائی اس دن پھر ایک دوسرے پہ لعنت کریں گے اور ایک دوسرے سے دوری کی تمنا کریں گے جیسے قرآن کریم نے اس بات کو نقل کیا ہے **يوم يعض الظالم علىٰ يديه يقول يا ويلتا ليتني لم اتخذ فلانا خليلاً** ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کہ اے کاش! میں فلانے کو دوست نہ بناتا **لقد اضلني عن الذكر بعد اذ جائني** میرے پاس نصیحت آگئی تھی اور اس نے مجھے بھٹکایا نصیحت پر عمل نہیں کرنے دیا تو جس طرح سے شیطان وقت پہ آکے مدد چھوڑ دیتا ہے تو اب یہ دوست بھی کسی قسم کے کام نہیں آئیں گے جو نصیحت آنے کے بعد ہمارے سامنے رکاوٹ بنے رہے

یاویلتیٰ لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا یہ ایسے دوستوں کی آہیں اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہیں جو بری دوستی کی بناء پر کسی برائی میں مبتلا ہو گئے۔

برا دوست برے سانپ سے بھی برا ہے

مولانا رومی جس طرح سے کہتے ہیں

یار بد بدتر بود از مار بد

برا دوست برے سانپ سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے برا سانپ وہ ہوتا ہے جو زہریلا ہو کہ کاٹنے کے بعد انسان مرجائے اگر دنیا میں سانپ کسی کو کاٹ لے تو کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ مرہی جائے گا اور مرنا ویسے ہی ہے سانپ نہ کاٹے تو بھی مرنا ہے تو کیا نقصان ہوگا لیکن اتنی بات ہے کہ سانپ کے کاٹے سے اگر کوئی مرجائے تو وہ آخرت میں چیخے گا نہیں کہ مجھے سانپ نے کیوں کاٹا تھا میں سانپ کے کاٹے سے کیوں مرگیا بلکہ جس طرح سے موت کے دوسرے اسباب ہیں سانپ کا کاٹنا بھی ایک سبب ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو شہادت کا ثواب بھی مل جائے جو سانپ کے کاٹے سے مرگیا لیکن اگر کسی کو برے دوست نے کاٹ لیا برے دوست کے کاٹنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کسی برے کیساتھ دوستی لگا لی اور اس کے ساتھ لگ کر آپ کسی برائی میں مبتلا ہوگئے دوست آپ کو بہکا کر سینما میں لے گیا نماز کے اوقات میں ادھر ادھر لے گیا نماز نہ پڑھنے دی دوست آپ کو لے گیا اور آپ جوا کھیلنے میں لگ گئے دوست آپ کو لے گیا کسی اور جگہ اور آپ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے محبت کے چکر میں آ کے یہ کام ہو جایا کرتے ہیں جوانی دیوانی میں اس قسم کے بہت کام ہوتے ہیں تو یہ جو دوست کا ڈسا ہوا ہوگا یہ قیامت کے دن چیخے گا چلائے گا اور اس کی یہ چیخیں اور اس کا یہ چلانا اور اس کی یہ آہیں قرآن کریم نے بیان کی ہیں سانپ سے بچنا ضروری ہے لیکن برے سانپ سے جو نقصان ہوگا وہ ایسا بڑا نقصان نہیں کوئی زیادہ فکر والی بات نہیں لیکن جو برے دوست

سے نقصان ہوتا ہے بہت تباہ کن ہوتا ہے دنیا بھی برباد ہوتی ہے اور آخرت بھی برباد ہوتی ہے ان واقعات کے ضمن میں اس بات کی نصیحت حاصل کرنی چاہیے اور اس کو سمجھنا چاہیے کہ انسان ہمیشہ دوستی لگائے تو اچھے آدمی کے ساتھ لگائے جس کے ساتھ دوستی کی بنا پر کسی نیکی کی ترغیب ہو اور برائی سے انسان بچے اور جس دوستی کی بنیاد پر انسان برائی کی طرف چلا جائے وہ دوستی تباہ کن ہوا کرتی ہے وہ آج دوستی ہے کل یہی دوستی دشمنی سے بدل جائے گی تو آخرت کے واقعات یہ سبق بھی یاد دلاتے ہیں۔

اچھی اور بری صحبت کی مثال حدیث سے

سرور کائنات ﷺ نے اس کی اہمیت اس مثال کے تحت بیان کی ہے کہ اچھا دوست اور اچھی صحبت اس طرح ہے جس طرح انسان کسی عطر فروش کے پاس بیٹھے تو یا تو کبھی مفت ہی خوشبو مل جاتی ہے وہ مفت ہی لگا لیتا ہے یا رغبت پیدا ہو گی انسان خرید ہی لے گا اور اگر کچھ نہیں ہو گا تو جتنی دیر تک انسان اچھے ماحول میں بیٹھا رہے گا تو خوشبو تو آتی ہی رہے گی۔

اور بری صحبت میں بیٹھنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے کسی بھٹی اور دھوئیں والے کے پاس بیٹھ گئے تو آگ کا کوئی شعلہ اٹھے گا اور آپ کے کپڑے جلا دے گا اور اگر آگ کا شعلہ نہ اٹھے اور آپ کے کپڑے بھی نہ جلائے تو کم از کم جتنی دیر تک بیٹھے گا اتنی دیر تک ناک میں دھواں چڑھتا رہے گا اور دماغ خراب ہوتا رہے گا تو اس میں نقصان ہی کا پہلو ہے (بخاری ۱/۲۸۲) تو ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے لوگوں کے ساتھ تھوڑا تھوڑا تعلق بھی آخرت میں کام آ جائے گا اس تعلق کی بناء پر بھی بہت سارے لوگ اپنے احباب کو، ملنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی ہاں سفارش کر کے بچالیں گے تو یہ مؤمنین کا جہنم میں جو جانا ہے آخر کار انہوں نے نکلنا ہے جیسے کافروں کے بارے میں ہے **لا یزکیھم** اللہ انہیں پاک نہیں کرے گا جہنم میں ڈالنے کے بعد بھی جہنم میں جلتے رہیں گے لیکن پاک نہیں ہوں گے۔

مومنین جہنم میں تزکیہ کے لیے ڈالے جائیں گے

لیکن مومنین کو جس وقت جہنم میں ڈالا جائے گا تو یہ تزکیہ کے لیے ہوگا تا کہ گناہوں کی میل کچیل جوان کے اوپر چڑھی ہوئی ہے اس کو تھوڑا تپا کر (گرم کر کے) صاف کر دیا جائے صاف کرنے کے بعد پھر ان کو نکال کر جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

جیسا کہ بچہ میلا کچیلا ہو کر جس وقت گھر میں جاتا ہے تو ماں اس کو جھڑکتی بھی ہے اور پکڑ کے بازو سے نلکے کے سامنے ڈال دے گی گرم گرم پانی اس کے اوپر ڈالے گی اس کو رگڑے گی صابن لگائے گی بچہ چیخے گا بھی تو تھپڑ بھی لگائے گی میل بھی اتارے گی اور اس کو اچھی طرح رگڑ کے چیختے چلاتے ہوئے جب جسم صاف ستھرا ہو جائے گا تو اٹھا کے سینے سے لگا لے گی تو جیسے یہ طریقہ ہوا کرتا ہے کہ ماں میل کچیل اتارتی ہے اور جھڑکتی بھی ہے ساتھ ساتھ مارتی بھی ہے بچے چیختے بھی ہیں اور چلاتے بھی ہیں لیکن پھر آخر میں صاف ستھرا ہونے کے بعد پلنگ میں بٹھائے گی اچھے کپڑے بھی پہنائے گی اور پیار بھی کرے گی تو اسی طرح سے مومنین کا جو جہنم میں جانا ہوگا یہ تزکیے کے لیے ہوگا صاف ستھرا کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ لے آئے گا سب کی سفارش ہوگی سفارش کا عقیدہ برحق ہے شفاعت کا عقیدہ برحق ہے۔

انبیاء سفارش کریں گے۔ اولیاء سفارش کریں گے سفارش کا معنی درخواست و دعا کا ہے وہ مشرکین جو اپنے معبودوں کے بارے میں شفعاء کہا کرتے تھے **ھولاء شفعاء نا عند اللہ** وہ شفاعت جبری کے قائل تھے وہ اپنی جہالت کے طور پر یہ سمجھتے تھے کہ ان کا اللہ سے ایسا تعلق ہے کہ اللہ سے منوا لیتے ہیں ہم جو کچھ کہیں ان سے کہیں یہ ہمارا کام کروا دیتے ہیں یہ بات نہیں ہے وہاں تو نیاز مندی ہی نیاز مندی ہے کسی عام آدمی کو کہو کہ میرے لیے دعا کرو اللہ میرے اوپر رحم کرے اور وہ کوئی نیک بندہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کر لے آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا سفارش ایک

دعا کی شکل میں ہوگی اللہ کے سامنے اکڑنے یا اللہ کے سامنے زور دکھانے کی کسی میں ہمت نہیں ہوگی۔

اب ارحم الراحمین کی باری ہے

پھر ان روایات میں یہ چیز بھی مذکور ہے کہ جب سارے سفارش کر کے فارغ ہو جائیں گے اور اللہ تعالی کے سامنے اظہار کر دیں گے کہ یا اللہ اب جہنم میں ایسا آدمی کوئی نہیں رہا جس کے اندر خیر ہو اور جس کو چھٹکارا دلایا جائے تو اللہ تعالی فرمائیں گے کہ سب سفارش کرنے والوں نے سفارش کر لی **لم یبق الا ارحم الراحمین** اب سب سے آخر میں ارحم الراحمین کی باری ہے پھر اللہ تعالیٰ جہنم سے ایسے لوگوں کو نکالیں گے جو جل کے کوئلہ ہو چکے ہوں گے اور ان کے پاس ایمان اتنا کمزور ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام تک احساس نہیں کر سکیں گے کہ یہ مومن ہیں اور ان کو بھی نکال لیں گے جن کے پاس کمزور سے کمزور ضعیف سے ضعیف ایمان ہوگا جس کے کوئی آثار نمایاں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کے علم میں ہے وہ ان کو نکال لیں گے وہ جل کے کوئلہ ہو چکے ہوں گے اور وہاں سے نکال کر نہر حیات میں ڈالا جائے گا جس کے بعد پھر وہ آہستہ آہستہ اس طرح سے پھوٹیں گے جیسے نباتات پھوٹتی ہیں اور وہ صحیح سالم ہو کر جنت میں جائیں گے۔

عتقاء الرحمٰن

ان کے اوپر ایک نشان لگا ہوا ہوگا جس کی بنا پر جنتی ان کو کہیں گے کہ یہ جہنمیون ہیں جنت میں بھی ان کو جہنمیون کہا جائے گا یعنی یہ عتقاء الرحمٰن ہیں رحمٰن کے آزاد کیے ہوئے ہیں وہاں بھی یہ جہنمیون کہلائیں گے لیکن یہ جہنمیون کہلانے میں کوئی عار محسوس نہیں کریں گے کوئی ذلت محسوس نہیں کریں گے بلکہ ان کے لیے یہ ایک عزت اور محبت کا لقب ہوگا جو ہر وقت ان کو یہ احساس دلائے گا (مسلم ص ۹۸ ا) بلکہ ہم اپنے الفاظ میں اگر کہیں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ آپ جیسے صوفیوں کو آنکھیں ماریں گے کہ تم نے

سردیوں کی نمازیں پڑھیں۔ گرمیوں کے روزے رکھے اور پھر جنت میں آئے اور ہم نے کچھ بھی نہیں کیا اور جنت حاصل ہوگئی تو ان کے لیے یہ تصور مستقل خوشی کا باعث ہوگا کہ ہمارے اعمال کا اس میں دخل نہیں محض اللہ کی رحمت کے ساتھ ہم نجات پا گئے اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ بعضے لوگ ایسے جاہل قسم کے ہوتے ہیں جن کے دل میں ایمان کی رتی تو ہے انہوں نے ایک دفعہ کلمہ پڑھ لیا اور توحید کا عقیدہ اختیار کرلیا پھر عملاً نہ شرک اختیار کیا نہ عبادت وریاضت کی اور اپنی جہالت میں ایسے بھولے بھٹکے پھرتے ہیں لیکن قلب کے اندر کسی وقت کلمہ پڑھنے کے ساتھ ایمان کا کلمہ ادا کرنے کے ساتھ دل کے اندر ایمان کا اثر آ گیا آخر کار یہ بھی ان کو جہنم سے چھڑا کرلے جائے گا اس سے مراد ایسے جاہل قسم کے لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو مسلمان تو سمجھا اور کلمہ ایمان بھی ادا کرلیا ایک دفعہ دل میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے لیکن بعد میں جہالت کے دور میں نہ تو شرک میں مبتلا ہوئے کیوں کہ کافر مشرک کی مغفرت نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی نیکی کے ماحول میں گئے کہ نیک اعمال کرنے کی بناء پر ان کے ایمان میں کوئی نورانیت آتی ایسے لوگ ہوں گے جو آخر کار اللہ کی رحمت سے بخش دیئے جائیں گے اب یہ سارے کے سارے لوگ جنت میں آجائیں گے جہنم میں صرف وہ رہ جائیں گے جو کافر ہوں گے مشرک ہوں گے جن کے پلے ایمان نہیں اور ایمان والے جتنے بھی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ (سفارشوں سے معافی ملے گی یا اللہ تعالیٰ براہ راست رحمت کرے گا) وہ سارے کے سارے جنت میں آجائیں گے جب جنت والے جنت میں آجائیں گے اور سارے اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے مکانات میں پہنچ جائیں گے۔

جنت کی محفلیں

تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنت میں جا کر اپنے مکان میں پہنچنے کے لیے

کسی سے راستہ پوچھنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی بلکہ جس طرح سے تم اپنے گاؤں میں جانے کے بعد بغیر سوچے سمجھے اپنے گھر کے راستے ہو لیتے ہو اور اپنے گھر پہنچ جاتے ہو۔ ہر جنتی علم ضروری کے طور پر علم بدیہی کے طور پر بات آئے گی وہ چڑھتا ہوا اپنے درجہ میں پہنچ جائے گا۔

جب یہ چلے جائیں گے پھران کی آپس میں ملاقاتیں ہوں گی دوستوں کی محفلیں ہوں گی پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہوگا ور پھر اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔

جنت میں دیدار الٰہی کا نظارہ

اور اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت اور سب سے زیادہ لذیذ چیز ہوگی اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ نصیب فرمائے اس میں بھی جس طرح معتزلہ کو خواہ مخواہ عقلیات کے طور پر اڑنگیاں لگانے کی عادت ہے زیارت خداوندی کے بارے میں بھی معتزلہ کا اختلاف ہے کہ جنت میں جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی یا نہیں ہوگی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جنت میں جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا کیسے ہوگا کما یلیق بشانہ جس طرح سے پہلے میں نے آپ کو اللہ کی صفات کے بارے میں سمجھایا تھا اور یہ یہاں بھی قانون اور ضابطہ لے کے بیٹھ جاتے ہیں کہتے ہیں جی اللہ کو تو دیکھا نہیں جاسکتا کیونکہ دیکھی وہ چیز جاتی ہے جو آنکھوں کے سامنے ہو تو اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ثابت ہو جائے گی دیکھی وہ چیز جاتی ہے جو اتنے سے فاصلے پہ ہو جو زیادہ فاصلے پر ہو نہیں دیکھی جاسکتی زیادہ قریب آجائے تو نہیں دیکھی جائے گی اب اللہ کے لیے فاصلہ ثابت کرنا پڑے گا اس قسم کی اڑنگی لگا کے خواہ مخواہ اس نعمت کے خلاف ذہن رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار عقلاً ممکن نہیں جس کی بناء پر وہ کہتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا ذکر آتا ہے وہاں اللہ کی نعمتوں کو دیکھنا مراد ہے خود اللہ کو دیکھنا مراد نہیں تو معتزلہ اس قسم کی زٹلیات مارتے رہتے ہیں لیکن اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ نہیں اہل سنت والجماعت عقل پرستی نہیں کرتے بلکہ جو بات روایات کے اندر صحیح

طور پر آ جائے اس کو قبول کر لیتے ہیں چاہے عقل تسلیم کرے یا نہ کرے صحیح روایات کے اندر آیا ہے کہ جنتیوں کو جنت میں للہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا وہاں پھر یہ سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ اللہ تو ایک ہے اس کو دیکھنے والے کروڑوں اربوں ہوں گے جب ایک چیز کو کروڑوں اربوں دیکھنے والے ہو تو پھر دھینگا مشتی، اور اس طرح سے تکلیف ہوتی ہے پھر کوئی دیکھ سکتا ہے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا تو اللہ کو دیکھنے ولے یوں دیکھیں گے کہ ہر دیکھنے والا یوں سمجھے گا کہ میں اکیلا دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں ہے اتنا واضح طور پر دیکھیں گے اور پھر حضور ﷺ نے مثال دی کہ تم بتاؤ جس وقت آسمان میں سورج موجود ہو اور بادل بھی نہ ہوں تو کروڑ ھا مخلوق دیکھنے والی ہوتی ہے کیا کسی نے کسی کو دھکا دیا دیکھنے کے لیے؟ دیکھنے میں مزاحمت ہوتی ہے؟ آپس میں دھینگا مشتی ہوتی ہے کوئی ایک دوسرے کو تکلیف پہنچاتا ہے اور فرمایا کہ جب چودھویں رات کا چاند آسمان پہ موجود ہو تو کروڑ ھا مخلوق دیکھنے والی ہوتی ہے کیا کسی نے کسی کو دھکا دیا ہے دیکھنے کے لیے؟ دیکھنے میں مزاحمت ہوتی ہے؟ جس طرح سے اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ایسی ہے جس کو کروڑوں دیکھیں تو دھینگا مشتی کی نوبت نہیں آتی اللہ کی ذات تو بالا و برتر ہے اگر ساری مخلوق بھی دیکھے گی تو کوئی آپس میں دھکا مکا نہیں ہوگا اور اس طرح سے دیکھیں گے کہ جیسے ہم سورج کو دیکھتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے دیکھنے میں کوئی مزاحمت نہیں (بخاری ص ۱۱۸) چاند کو ہم دیکھتے ہیں تو ایسے دیکھتے ہیں جیسے ہم اکیلے دیکھ رہے ہوں کوئی ٹکراؤ نہیں اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ کا دیدار ایسے طور پر کریں گے کہ کوئی کسی قسم کا محسوس نہیں ہوگا ہر کوئی ایسے سمجھے گا کہ جیسے میں اکیلا ہی دیکھنے والا ہوں میرے سامنے مزاحمت کرنے والا کوئی نہیں تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سورج اور چاند کی مثال دیکر حضور ﷺ نے اس کو سمجھایا۔

اللہ کا دیدار عقلاً ممکن ہے

اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق ایک بات بتادوں دنیا کے اندر رہتے ہوئے اس

زمین پر اس زندگی میں جو ہماری بدنی زندگی ہے بیداری کی حالت میں اس آنکھ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوسکتا یہ ممکن عقلی تو ہے لیکن ممتنع شرعا ہے عقلاً ممکن ہے لیکن شریعت کی اطلاع دینے سے پتہ چلا کہ نہیں ہوگا اگر یہ عقلاً ممکن نہ ہوتا اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے اس آنکھ کے ساتھ اللہ کو دیکھنا تو موسیٰ علیہ السلام کبھی دیدار کی درخواست نہ کرتے نبی دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ عقل مند ہوتا ہے اعقل الناس ہوتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال کرنا ارنی انظر الیك یا اللہ تو مجھے اپنا آپ دکھادے میں تجھے دیکھ لوں یہ علامت اس بات کی ہے کہ عقل اس بات کو گوارہ کرتی ہے کہ دنیا کے اندر اللہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔

لیکن جب اللہ نے کہالن ترانی تو اب ہم کہتے ہیں دنیا کے اندر رہتے ہوئے اب اس آنکھ کے ساتھ کوئی نہیں دیکھ سکتا تو یہ ممتنع شرعا ہے بیداری میں۔ البتہ خواب کے اندر کوئی آدمی اس زندگی میں نورانی چیز دیکھے اور خواب میں اس کا دل یہ کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہیں ایسے واقعات بہت کثرت کے ساتھ ہیں سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے بعض خوابوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا رأیت ربی میں نے اپنے رب کو دیکھا اور اپنے رب کے ساتھ خواب میں یہ بات ہوئی حدیث میں واقعات نقل کئے ہوئے ہیں بزرگوں کے واقعات بھی بہت سارے ہیں۔

خواب میں دیدار الٰہی

غالباً امام احمد بن حنبل کا واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ یا اللہ آپ تک پہنچنے کا سب سے آسان راستہ کونسا ہے؟ تو اللہ نے فرمایا کہ میری کتاب کی تلاوت۔ یہ میرے تک پہنچنے کا آسان راستہ ہے پھر آگے سوال کیا بفهم او بلافهم سمجھ کے پڑھو یا بلا سمجھے پڑھو۔ (اللہ نے فرمایا جس طرح سے بھی قرآن کریم کی تلاوت کرو یہ میرے قرب کے حاصل کرنے کا اچھا ذریعہ ہے (سیر اعلام النبلاء ص ۱/۳۴۷) بہر حال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اور دوسرے بہت سارے لوگوں

کے متعلق اس قسم کا ذکر آتا ہے کہ خواب میں اللہ کی زیارت ہوئی یہ شرف ان کو حاصل ہوا تو خواب میں اللہ کی زیارت ہوئی بیداری میں اس آنکھ کے ساتھ نہیں ہوسکتی خواب میں کیسے ہوتی ہے وہ جن کو ہوتی ہے وہی جانتے ہیں جس وقت تک کوئی چیز سامنے نہ آئے اس کی زبان کے ساتھ تعبیر کیا کی جائے سعادت مندوں کو حاصل ہوگئی تو کیسے ہوگئی وہ خود ہی پتہ چل جاتا ہے جس کو یہ سعادت حاصل نہیں وہ اپنے الفاظ کے ساتھ اس کی کیا تعبیر کرسکتا ہے بہر حال خواب میں زیرت ہوسکتی ہے بیداری میں نہیں ہوسکتی ایک تو یہ مسئلہ ہے اور دوسرا مسئلہ کہ جنت میں زیارت ہوگی اور جو کہتے ہیں کہ نہیں ہوگی وہ غلطی پر ہیں۔

لیلۃ المعراج میں اللہ کی زیارت

اور تیسرا مسئلہ آیا کرتا ہے کہ لیلۃ المعراج میں حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی یہ مسئلہ ان دونوں مسئلوں سے علیحدہ ہے معراج حضور ﷺ کو اسی زندگی میں ہوا جس زندگی میں وہ تھے لیکن اللہ تعالی کے ساتھ گفتگو عالم بالا میں ہوئی اور عالم بالا میں چونکہ وہی جنت موجود۔ عالم بالا کے اثرات اپنے ہیں وہاں پہنچنے کے بعد چاہے اسی زندگی میں وہاں پہنچ جائے اس کے اوپر وہی اثرات طاری ہوتے ہیں جو جنت میں جانے کے بعد طاری ہوں گے اس لیے وہاں اگر زیارت کا قول کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ نے دیکھا ہے تو یہ اس دلیل کے خلاف نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں نہیں دیکھا جاسکتا آخرت میں پہنچنے کے بعد وہی آثار ہوجاتے ہیں جیسے جنت میں جانے کے بعد ہوں گے جس کی دلیل یہ ہے حضرت عیسی علیہ السلام اس دنیا میں پیدا ہوئے اسی زمین پہ رہے بعد میں اللہ تعالی ان کو اٹھا کے اوپر والے جہاں میں لے گئے اب اوپر والے جہاں میں گئے ہوئے انہیں دو ہزار سال ہوگئے ہیں تقریبا کیونکہ ۱۹۹۶ء یہ میلادی سن ہے حضرت عیسیٰ کا۔ گویا کہ ۱۹۹۶ سال ہوگئے حضرت عیسیٰ کے پیدا ہوئے ہوئے اور اسی سال کی عمر تھی بقول سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ان کو اٹھا

سے گیا تو ۱۹۹۲ میں سے اسی سال نکال لیجئے ۱۹۱۲ بچتے ہیں تو تقریبا ۱۹۱۲ سال ہو گئے ان کو آسمان پر گئے ہوئے ورابھی اترنا کب ہے وہ اللہ کے علم میں ہے پانچ سو سال لگتے ہیں چارسوسال لگتے ہیں بیس سال لگتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

تو دو ہزار سال کے بعد جس وقت وہ اتریں گے تو بالکل اس کیفیت میں ہونگے جس کیفیت میں ان کو اٹھایا گیا تھا جیسے جنت میں جانے کے بعد کوئی تغیر نہیں ہوگا حضور ﷺ فرماتے ہیں جنت میں سارے تینتیس سال کے جوان ہو جائیں گے ہزار رہا سال گذر جائیں گے جوانی اسی طرح سے برقرار رہے گی۔

(مسند احمد رقم ۷۵۹۲، مشکوۃ ص ۴۹۸ ج ۱)

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کیفیت میں واپس آئیں گے جس کیفیت میں یہاں سے اٹھائے گئے تھے جتنی عمر تھی اسی سے آگے شمار شروع ہوگا درمیان میں چار ہزار سال بھی آسمان پر بیٹھے رہے تو کوئی تغیر تبدل نہیں ہوگا جیسے جنت میں جانے کے بعد تغیر تبدل نہیں ہے اور پھر دنیا میں رہتے تھے تو پانی پینا پڑتا تھا روٹی کھانی پڑتی تھی پیشاب پاخانے کی ضرورت تھی اوپر جانے کے بعد یہ ساری ضرورتیں ختم ہوگئیں جیسے جنت میں جانے کے بعد ساری ضرورتیں ختم ہوگئیں جیسے جنت میں جانے کے بعد پیشاب پاخانے کی ضرورت نہیں ہوگی حضرت عیسیٰ کو بھی وہاں ضرورت نہیں جسمانی زندگی کے ساتھ اوپر موجود ہیں تو جسمانی زندگی کیساتھ کسی عالم بالا میں پہنچا دیا جائے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کے اوپر وہی آثار طاری ہوں گے جو جنت میں جنتیوں پر طاری ہوں گے اس لیے وہاں جا کر آپ کے بدن کے اندر قوت طاقت آجائے گی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تجلی کو برداشت کیا جائے گا۔

اس لیے حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں دیکھا اس میں علماء کے بھی اور صحابہ کی طرف سے بھی دونوں قسم کے قول موجود ہیں تو یہ قول کہ دیکھا ہے یہ کسی دلیل کے خلاف نہیں۔ بلکہ روایت سے معلوم ہوتا ہے

سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں باتوں میں تطبیق دی ہے اور بڑی بات کہی کہ بسا اوقات ایک دیکھنا ایسا ہوا کرتا ہے جس کو دیکھنا بھی کہہ سکتے ہیں نہ دیکھنا بھی کہہ سکتے ہیں گرمیوں کے موسم میں جس وقت سورج دوپہر کو اپنی پوری تابانی میں ہو اور آپ سے کوئی کہے کہ سورج دیکھو تو یوں کر کے آنکھ اٹھائیں گے فوراً آنکھ نیچی کرلیں گے کہیں گے دیکھا نہیں جاتا یہ کہا کرتے ہو یا نہیں؟ تو اس کو آپ نے دیکھ لیا اور یہ بھی کہہ رہے ہو کہ دیکھا نہیں جاتا۔

مطلب یہ ہے کہ ٹکٹی باندھ کے دیکھنا غور کر کے دیکھنا نگاہ جما کے دیکھنا ممکن نہیں۔

گرمیوں کے موسم میں دوپہر کے وقت سورج کو تو آپ نگاہ جما کے نہیں دیکھ سکتے تو یہ تعبیر بالکل درست ہے کہ یہ تو بہت نورانی ہے میں کیسے دیکھ سکتا ہوں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ ھل رأیت ربک آپ نے اپنے رب کو دیکھا تو ایک روایت میں یہ ہے کہ نُورٌ أَنّٰی أَرَاہُ (مسلم ص ۱،۹۹) وہ ایک بہت نور ہے میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں تو یہ ایسی بات ہی ہے جیسے آپ سورج کی طرف آنکھ اٹھا کے جلدی سے نیچے کرلیں اور پھر یہ کہیں کہ یہ تو بہت چمکدار ہے کیسے دیکھوں اور اس کو دیکھنا بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ نظر تو آپ نے اٹھائی لیکن آپ لگا کر جما کر غور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتے جس کی بنا پر اس کی نفی بھی درست ہوگئی۔

تو اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اور نہ دیکھنا یہ دونوں باتیں درست ہو جاتی ہیں۔

بہر حال جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار جس وقت تک ہوتا رہے گا کوئی جنتی جنت کی کسی نعمت کی طرف متوجہ نہیں ہوگا اس میں اتنی لذت ہوگی کہ جنت کی کسی نعمت میں اتنی لذت نہیں ہوگی (مشکوۃ ص ۱/۵۰۲) جس سے کم بخت قسم کے معتزلی قسم کے لوگ محروم کر دیے جائیں گے ہوسکتا ہے جو عقیدہ ہی یہی رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں ہوگی۔ اور اپنی عقل کے پیچھے مرتے پھرتے تھے تو ان کو اگر اس سے محروم بھی کر دیا جائے تو بجا ہے اور ہمارا عقیدہ

ہے انشاء اللہ ہمیں یہ زیارت نصیب ہوگی اور پھر سارے جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے ملاقاتیں ہوں گی سب کچھ ہوگا۔

آج میں تم پر راضی ہوگیا

پھر ایک دفعہ اللہ تعالیٰ جنتیوں سے پوچھیں گے کہ کچھ اور چاہیے تو مانگو۔ تو جنتی کہیں گے سب کچھ آپ نے دے دیا اب کچھ نہیں چاہیے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں تمہیں ایک ایسی نعمت دیتا ہوں جو پہلے نہیں دی تو جنتی سوچیں گے کہ وہ کونسی نعمت ہوگی جو اس وقت تک ہمیں نہیں ملی۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی رضا کا اعلان کریں گے کہ میں آج تم پر راضی ہوگیا اور آئندہ کبھی بھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا۔

یہ ہے مقام رضا جو جنت کے تمام معاملات کو طے کرنے کے بعد مرتبہ حاصل ہونے کے بعد پھر یہ مقام انسان کو نصیب ہوگا۔

اللہ کی طرف سے اعلان ہوگا میں آج تم پر راضی ہوگیا اور آئندہ کبھی بھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا۔ (بخاری ۲/۹۶۹) تو حدیث شریف میں آتا ہے اس اعلان کے بعد ان کے اوپر ایسی سرور کی کیفیت ہوگی کہ ایسی سرور کی کیفیت ان کے اوپر پہلے کبھی طاری نہیں ہوئی ہوگی جب یہ ان کے دل میں ڈال دیا جائے گا کہ اب اللہ کی ناراضگی کا موقع نہیں رہا اللہ نے اپنی رضا کا اعلان کردیا تو یہ مقام رضا جنت کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت اور سب سے آخر میں اس کا اعلان ہوگا اور کتنی خوش نصیب ہے وہ جماعت جس کے لیے اس دنیا میں رہتے ہوئے رضی اللہ عنھم کی بشارت آگئی کہ اللہ ان سے راضی ہوگیا اپنی کتاب کے اندر اس نے اعلان کردیا کہ اللہ ان سے راضی ہوگیا یہ وہ نعمت جو جنت میں جانے کے بعد جنتیوں کو سب سے آخر میں ملے گی اور ان کے لیے بشارت دنیا کے اندر آگئی۔

کامیابی کا مدار

اب ایک بات مختصر سی عرض کردوں تاکہ یہ بات ختم ہوجائے قرآن کریم میں

آتا ہے

مَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ.

جو جہنم سے دور ہٹا دیا گیا جنت میں داخل ہوگیا وہ کامیاب ہوگیا۔

تو کامیابی کا مدار قرآن کریم نے دخول جنت کو قرار دیا ہے کہ جنت میں داخل ہونے والا کامیب ہے جس سے معلوم ہوا کہ جو جنت میں داخل نہیں ہوگا وہ کامیاب نہیں اس کی تھوڑی سی وضاحت آپ حضرات کے سامنے کردوں کہ کامیاب کون ہوتا ہے اور کامیاب ہونا کسے کہتے ہیں۔ بالاختصار بات یہ ہے کہ کامیاب کا معنی ہے اپنے مقصد کو پالینے والا کامیاب یہ فارسی کا لفظ ہے کام مقصد کو کہتے ہیں یاب یہ امر کا صیغہ ہے یافتن سے اور اسم اور امرل کر اسم فاعل بن گیا تو کامیاب کا معنی ہے اپنے مقصد کو پالینے والا جو جنت میں چلا گیا اس نے اپنا مقصد پالیا اور جو جنت میں نہیں گیا اس نے اپنا مقصد نہیں پایا تو کامیابی جنت میں جانا ہے وہ کیسے؟

ہم جس وقت اپنی اس زندگی کو دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل کے اندر بہت سارے مقاصد رکھے ہیں بہت ساری خواہشات رکھی ہیں اور ہم جس وقت جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بہت ساری خواہشات ہماری ایسی ہیں جو اس دنیا میں پوری نہیں ہوتیں بلکہ آپ دیکھیں گے تو آپ کہیں گے پوری ہوسکتی ہی نہیں۔

مثلاً انسانوں کی ایک بہت بڑی خواہش ہے کہ ہم صحت مند رہیں بیمار نہ ہوں یہ ہے انسانوں کی خواہش؟ کسی جاہل کا، کسی پڑھے لکھے کا، کسی امیر کا، کسی غریب کا، مرد کا، عورت کا۔ بچے کا، بوڑھے کا اس میں کوئی اختلاف ہے؟ سارے چاہتے ہیں کہ تندرست رہیں بیمار نہ ہوں تو کیا انسان اس مقصد کو دنیا میں پالیتا ہے؟ نہیں پاسکتا۔

ہر انسان کی خواہش ہے کہ میں جوان رہوں بوڑھا نہ ہوں کیا جو شخص زندہ رہے گا وہ بوڑھا ہونے سے بچ سکتا ہے؟ نہیں بچ سکتا بوڑھ لازماً ہوگا اور ہر انسان کا جی چاہتا ہے کہ میں زندہ رہوں اور مروں نہ۔ تو کیا کسی نے اس دنیا کے اندر اس مقصد کو پایا

ہے؟ موت سے بچنا ایک مقصد ہے زندہ رہنا ایک مقصد ہے۔

تندرست رہنا ایک مقصد ہے جوان رہنا ایک مقصد ہے اور پھر سب سے آخری بات یہ ہے کہ ہر انسان کے دل میں یہ خواہش ہے کہ جو میں چاہوں وہ ہو جائے کیا دنیا کے اندر رہتے ہوئے کوئی ساتوں اقلیموں کا بادشاہ بن جانے کے بعد اس کو یہ منصب حاصل ہو جائے گا کہ وہ جو چاہے وہ ہو جائے آپ چاہتے کچھ ہیں ہو کچھ جاتا ہے دنیا کو جو کہتے ہیں کہ یہ مصیبتوں کا گھر ہے مصیبتوں کا گھر ہے مصیبتوں کی حقیقت کیا ہے؟

مصیبت کیا ہے

مصیبت کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کی خواہش کے خلاف کوئی واقعہ پیش آ گیا اس کو مصیبت کہتے ہیں آپ کا جی چاہتا تھا کہ بچہ زندہ رہے لیکن بچہ مر گیا یہ مصیبت ہے آپ کا جی چاہتا تھا کہ فصل اچھی ہو اجڑ گئی مصیبت ہے تو جس چیز کا جی چاہے اور وہ نہ ہو اس کو مصیبت کہتے ہیں تو دنیا تو مصیبت کا گھر ہے انسان چاہتا کچھ ہے ہو کچھ جاتا ہے یہ منصب کسی بادشاہ کو حاصل نہیں ہو سکتا کسی فقیر کو حاصل نہیں ہو سکتا کسی پوری دنیا کے مالک کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ جو چاہے وہی ہو جائے جب انسان تندرست رہنا چاہتا ہے تندرست نہیں رہ سکتا جوان رہنا چاہتا ہے جوان نہیں رہ سکتا موت سے بچنا چاہتا ہے موت سے بچ نہیں سکتا اور اس کی خواہشات کی یہاں تکمیل نہیں ہوتی تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس دنیوی زندگی کے اندر انسان کامیاب ہے جب یہ مقصد انسان کو حاصل نہیں تو سب سے زیادہ ناکام ہے انسان کہ اس کے مقاصد یہاں پورے نہیں ہوئے اب اگر جنت کا تصور چھوڑ دیا جائے تو دنیا میں رہتے ہوئے ناکامی ہی ناکامی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذہن میں جو خواہشات رکھی ہیں تو ان کو پورا کرنے کا بھی اللہ نے سامان کیا ہے اللہ کی مرضی کے مطابق وقت گزار لو یہ مقصد اگر حاصل ہوگا تو جنت میں جا کے پورا ہوگا کہ وہاں پھر یہ اعلان کر دیا جائے گا کہ تم ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہیں ہو گے تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیماری نہیں آئے گی

اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی موت نہیں آئے گی (مسلم ۲۷۶ ج ۲) بلکہ موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کے ذبح کر دیا جائے گا اور اس پر فنا طاری ہو جائے گی۔ (بخاری ص ۶۹۱/۲)

موت کو ذبح کر دیا جائے گا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ موت کو مینڈھے کی شکل میں لائیں گے جنتیوں کو دکھائیں گے کہ یہ دیکھو موت ہے جہنمیوں کو دکھائیں گے اور پھر جنت اور دوزخ کے درمیان میں اس کے اوپر فنا طاری کر دی جائے گی اس کو ذبح کر دیا جائے گا تو جنتیوں کو اتنی خوشی ہوگی کہ اگر کوئی خوشی سے مر سکتا تو جنتی مر جاتے (ترمذی ص ۸۳ ج ۲) اور جہنمیوں کو اتنا صدمہ ہوگا کہ اگر صدمے سے کوئی مر سکتا تو صدمے سے جہنمی مر جاتے کیونکہ جہنمی سمجھتے تھے کہ تکلیف کا اگر خاتمہ ہوسکتا ہے تو موت سے ہوسکتا ہے موت ہی ختم۔

اور جنتیوں کو اگر ڈر ہوسکتا تھا کہ موت آئے گی تو یہ نعمتیں ہم سے چھن جائیں گی موت کا خطرہ ہی ختم۔

تو موت نہیں آئے گی زندگی رہے گی جوان رہو گے بوڑھے نہیں ہوں گے۔

جنت میں ہر خواہش پوری ہوگی

اور کھانے پینے کا نظم ایسا ہوگا کہ جو چاہو گے تمہاری خواہش جنت کے اندر پوری کر دی جائے گی قرآن کریم میں بار بار یہ وعدہ ہے۔

لهم فيها ما يشاؤن.

کہ جو چاہیں گے وہی ملے گا جی میں جو خواہش پیدا ہوگی وہ پوری کر دی جائے گی اس لیے انسان کامیاب ہوسکتا ہے تو جنت میں جانے کے بعد ہوسکتا ہے جنت حاصل کیے بغیر کوئی انسان کامیاب نہیں ہوسکتا جتنا چاہے دولت مند ہو جائے جتنا چاہے صاحب فن ہو جائے لیکن یہ منصب اس کو حاصل نہیں ہوسکتا کہ جوان رہے بوڑھا نہ ہو تندرست رہے بیمار نہ ہو زندہ رہے موت نہ آئے اور اس کی ہر خواہش پوری ہو جائے

بس دنیا کے اندر رہتے ہوئے انسان ان باتوں کو سوچ بھی نہیں سکتا اس لیے جو آدمی جنت میں جائے گا تو وہ تو کامیاب ہوگیا اس کے مقاصد حاصل ہو گئے اور جو جنت میں نہیں گیا اس کے مقاصد حاصل ہوئے؟ بلکہ اس کے مقابل جہنم میں اس کا برعکس معاملہ ہوگا چیخیں گے چلائیں گے کوئی سنے گا نہیں تو یہ اصل کے اعتبار سے دنیا کی زندگی کا برعکس معاملہ آخرت میں ہے ہمیں اس مکلف زندگی میں اللہ نے بھیجا اب یہاں ہمارے سامنے دو راستے ہیں یا اپنی مرضی پر چلو یا اللہ کی مرضی پہ چلو دونوں راستے آپ کے سامنے کھول دیئے دونوں راستوں میں سے جونسا رستہ آپ چاہیں اختیار کر سکتے ہیں اور جب آخرت آئے گی معاملہ برعکس ہو جائے گا اگر اللہ کی مرضی سے زندگی گذاری ہو گی تو اخروی زندگی آپ کی مرضی کے مطابق لهم فيها يشاؤن جو چاہو گے وہی ہوگا۔ اور اگر اس دنیا کے اندر اپنی مرضی سے زندگی گذاری پھر آخرت میں اللہ کی مرضی سے ہوگا جو ہوگا پھر چیخو گے چلاؤ گے کوئی سننے والا نہیں ہوگا اس لیے آخرت کی زندگی بنانی ہے اور اپنی زندگی کے مقاصد کو حاصل کرنا ہے اور اگر کامیاب ہونا ہے تو اس کے بغیر کوئی طریقہ نہیں کہ اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گذارو۔ اور جنت حاصل کرنےکی کوشش کرو، اگر جنت میں چلے گئے جہنم سے بچ گئے تو پھر یہ کامیابی ہے ورنہ کوئی کامیابی نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم سب اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ہمیں جنت نصیب فرمائیں تاکہ ہم کامیابی حاصل کریں یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔

من زُحزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدخِلَ الجَنَّةَ فَقَد فَازَ

اب یہ آپکو سمجھ میں آ گیا کہ جنت میں جانا کامیابی کس طرح سے ہے اور اس کے بغیر کامیابی کے حصول کا کوئی امکان نہیں تو ہمارے لیے راستہ یہی ہے کہ ہم سب

دنیا میں اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں تا کہ آخرت میں جا کے پھر ہمارا وقت ویسے گذرے جس طرح سے ہم چاہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے ہاں درمیان میں یہ ایک بات ہوگی۔ جب جہنم میں جانے والے لوگ جن کی نیکیاں مغلوب اور گناہ غالب تھے جب وہ بخشے جائیں گے اور جنت میں چلے جائیں گے تو جن کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں گی وہ بدرجہ اولیٰ جنت میں چلے جائیں گے اس لیے اعراف نتیجۃ خالی ہو جائے گا تمام کے تمام اعراف کے باشندے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

جنت اور جہنم کا محل

جنت اور جہنم کہاں ہے؟ معلوم یہ ہوتا ہے کہ جنت تو عالم بالا میں ہے اور جہنم تحت الارض ہے زمین کی شکل کیا ہے اور زمین کا قطر کتنا ہے محیط کتنا ہے اور جب کسی چیز کا محیط معلوم ہو جائے تو قطر معلوم کرنا آسان ہوتا ہے کہ درمیان میں فاصلہ کتنا ہے اب زمین کا محیط تو انہوں نے معلوم کر لیا تو قطر بھی معلوم ہو گیا یہ میں نے دیکھے ہوئے تھے لیکن اس وقت صحیح مقدار مجھے معلوم نہیں کہ زمین کا قطر کتنا ہے کہ زمین میں اگر سوراخ نکالیں اور وہ سوراخ دوسری طرف نکل جائے تو کتنا سفر کرنا پڑے گا تو یہ آپ کو معلوم ہے کہ امریکہ ہمارے نیچے ہے یا ہم امریکہ کے نیچے ہیں یہاں رات ہو رہی ہے وہاں دن چل رہا ہے جب وہاں رات آئے گی تو یہاں دن ہوگا بالکل یک دوسرے کے بالمقابل ہیں تو درمیان میں کتنا فاصلہ ہے اس کی پیمائش بھی کر لی پیمائش کرنے کے بعد انہوں نے کوشش کی کہ ہم سوراخ نکال لیں تو سوراخ نکالنے کا مطلب یہ تھا کہ یہاں سے چھلانگ ماریں اور مریکہ جا گریں تو کہتے ہیں (یہ بات مفتی شفیع صاحب نے معارف القرآن میں ایک جگہ ذکر فرمائی ہے) کہ زمین میں برمالگا کے سوراخ کرنے کی کوشش کی گئی چھ میل یا سات میل ان کا برما گیا ہے آگے جا کے کسی جگہ اتنی ٹھوس جگہ آئی کہ حقیقت ہے کہ سخت سے سخت برما لگایا گیا آگے نہیں چلا اور کسی جگہ اتنی

شدید حرارت ہے کہ سخت سے سخت سٹیل وہاں جا کے پگھل جاتا ہے اس لیے اس سے آگے یہ معلوم نہیں کر سکے کہ اندر کیا ہے۔

کوشش کی ہے کہ سوراخ کرلیں لیکن چھ سات میل سے زیادہ برما آگے نہیں جاتا اس لیے کچھ معلوم نہیں اللہ نے اس میں کیا بند کیا ہوا ہے جس وقت یہ پھٹے گی اس وقت پتہ چلے گا کہ اندر سے کیا نکلتا ہے تو جہنم زمین کے نیچے ہے اور جنت عالم بالا میں ہے۔

وَآخِرُ دَعْوانَا عَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

❀❀❀❀❀

کتاب ہدایت

بمقام: جامعہ قاسمیہ میر کالونی کراچی

بموقع: سالانہ تقریب

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِينُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا۝ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اَللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِيْ آدَمَ ثُمَّ اَجْوَدُ النَّاسِ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَ اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ.

(مشکوٰۃ ص۳۷/۱)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ

ہر مشینری کے ساتھ گائیڈ بک

آج کل کا صنعتی دور ہے ہر قسم کی مشینری بنتی ہے مارکیٹ میں بکتی ہے استعمال میں آتی ہے آپ نے دیکھا ہوگا جو شخص مشینری بناتا ہے چاہے بڑی ہو چاہے چھوٹی ہو اس کے ساتھ اس کا لٹریچر اور رہنما کتاب ضرور تیار کرتا ہے جس کو آج کل کی اصطلاح میں گائیڈ بک کہتے ہیں یعنی رہنما کتاب اور جہاں مشینری بھیجی جاتی ہے یا بیچی جاتی ہے اس کے ساتھ اس کا لٹریچر اور رہنما کتاب ضرور ہوتی ہے وہ رہنما کتاب بتاتی ہے کہ اس کو استعمال کس طرح سے کرنا ہے گائیڈ بک کی ہدایت کے مطابق اس کا استعمال کرو گے تو اس کا فائدہ ہوگا اور اگر گائیڈ بک کی ہدایت کے خلاف اس کا استعمال کرو گے تو یہ خراب ہو جائے گی اور کام نہیں آئے گی اگر کبھی یہ خراب ہو جائے تو پھر اس کو درست کرنے کا کیا طریقہ ہے تو جو ماہرین ہوا کرتے ہیں مشینری کے وہ ہدایت والی کتاب کا مطالعہ کیا کرتے ہیں مطالعہ کرنے کے بعد اس کی غلطی پکڑتے ہیں غلطی پکڑنے کے بعد اس کی اصلاح کرتے ہیں اور یہ کتاب مشینری کے ساتھ اس لیے بھیجی جاتی ہے جس نے صرف مشین کے ظاہر پر نظر ڈالی ہے وہ اندر کی تفصیل نہیں جانتا اس کے سامنے یہ بات نہیں ہے کہ اس کا صحیح استعمال کیسے ہوگا اور اگر ہم نے اس کو ادھر ادھر سے گڑ بڑ کی تو اندر کونسا پرزہ ٹوٹ جائے گا اس پرزے کے ٹوٹ جانے کے بعد اس بگڑی ہوئی مشین کو درست کرنے کا کیا طریقہ ہوگا یہ اس مشین کے ظاہر کو دیکھنے والا نہیں سمجھ سکتا ہاں جس نے وہ مشین بنائی ہے وہ پرزوں کی تفصیل بھی جانتا ہے اور پرزوں کی کارکردگی کو بھی سمجھتا ہے اور اس کی اصلاح کرنے اور بگاڑ کو دور کرنے کا طریقہ بھی جانتا ہے تو آج اس دور میں چھوٹی مشینری ہو یا بڑی مشینری ہو اس کے ساتھ یہ رہنما کتاب اور رہنما تحریر لازماً آتی ہے حتیٰ کہ ہم گھڑی خریدتے ہیں تو اس گھڑی کے ساتھ بھی انہوں

نے ایک کاپی رکھی ہوتی ہے جس میں اس کی تفصیل ہوتی ہے اس بات کو آج عملی زندگی میں جو شخص بھی لاتا ہے اور کسی درجے میں کسی مشینری کو استعمال کرتا ہے وہ اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے دیکھئے میرے پاس شوگر کی ایک مشین تھی وہ خراب ہوگئی تو میں نے (کہروڑ پکا میں تھا) ایک دکان پر بھیجی جو مشینری کا ماہر تھا تو فوراً اس کا پیغام آیا کہ اس کا کوئی لٹریچر آپ کے پاس ہے تو دو پھر ہم سمجھیں گے ورنہ ہمیں سمجھ نہیں آتی اس میں بگاڑ کیا ہے اور یہ سدھرے گی کیسے؟ یہ ہر کسی کی سمجھ میں آنیوالی بات ہے۔

انسانی مشین کو بنانے والا

جتنی چیزیں اللہ نے بنائی ہیں ان سب میں شہکار اس کی قدرت کا کامل ترین نمونہ اس کی حکمت کا مظہر وہ انسان ہے اس لیے اس کو اشرف المخلوقات کہتے ہیں اس لیے اس کو ساری کائنات کا مخدوم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ انسان کے لیے بنایا ہے۔ اور انسان کو اللہ تعالی نے اس مخلوق میں سب سے اعلی۔ سب سے اشرف اور سب کا سردار بنایا ہے تو جب انسان کو بنایا ہے تو اس مشین کی ابتداء انتہاء اس کی کاردگی اس کی اصلاح اس کا فساد جتنا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ اس لیے میں نے وہ آیت پڑھی جو سورۃ تبارک الذی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **اسروا قولکم او اجھروا بہ** کہ تم اپنی بات اونچی آواز سے بولو یا چھپا کے رکھو۔ اپنی بات کو چھپاؤ یا اس کو علی الاعلان کہو **اللہ علیم بذات صدور** ہے وہ دل کے اندر آنے والے خیال کو بھی جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ دل کی خفیہ باتیں کہ جن کو آپ ظاہر نہیں کرتے زبان پر نہیں لاتے وہ **علیم بذات صدور** ہے سینے کے اندر جو باتیں ہیں ان کو بھی جانتا ہے۔ پھر اگلی بات جو اصل ٹھکانے کی ہے **الا یعلم من خلق**۔ جس نے بنایا ہے وہ نہیں جانتا؟ مطلب یہ کہ جب یہ دنیا جانتی ہے کہ جس نے جو چیز بنائی ہے وہ اس کو

اندر باہر سے اچھی طرح جانتا ہے تو جب انسان کو اللہ نے بنایا تو اللہ تعالیٰ انسان کے اندر باہر کو جانتا ہے۔ جس نے بنایا کیا وہ نہیں جانتا وھو اللطیف الخبیر۔ وہ تو بہت باریک بین اور بہت خبر رکھنے والا ہے اس لیے یہ اصول اپنے ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور اللہ اس کے اندر باہر کو جانتا ہے کوئی چیز اللہ سے مخفی نہیں۔ جتنا چاہو سینے میں چھپانے کی کوشش کرو جب بنانے والا اللہ ہے تو سب کچھ جانتا ہے۔

انسانی مشین کی گائیڈ بک

پھر اللہ نے جب انسان کو پیدا کیا پھر آخر اس دنیا میں آنے کے بعد اس کائنات میں مختلف چیزیں ہیں جو اس کو اپنی طرف راغب کرتی ہیں۔ بنانے والے سے اس کا رشتہ توڑ دیتی ہیں۔ جس کے ساتھ اس مشین میں بگاڑ آتا ہے۔ پھر اس بگاڑ کو دور کرنے کے لیے ماہرین بھیجے جن کو اس مشین کا ماہہ و ماعلیہ سمجھایا اور اس کے فساد کی وجوہ بھی بتائیں۔ اور اس کو درست کرنے کے طریقے بھی بتائے۔ وہ گروہ اللہ کا منتخب کیا ہوا جو اس بگڑے ہوئے انسان کی اصلاح کے لیے اللہ نے بھیجا ہے کہ یہ انسان کی مشین کی اصلاح کے لیے صحیح طریقے کو جانتا ہے۔ اور بتلانے کے لیے آیا ہے۔ ان کو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ لٹریچر بھی اتارا کتاب بھی بھیج دی۔ انبیاء پر صحیفے ترے جس میں یہ تفصیل دی گئی کہ انسان کی اصلاح س میں ہے انسان کا فساد اس میں ہے۔ گڑ بڑ ہو جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے اور اس سے صحیح کام لینا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کتاب کے اندر فارمولے بتائے۔ انبیاء علیہم السلام کو ماہرین بنا کر بھیجا جو ان فارمولوں کے تحت انسان کو تعلیم دیتے ہیں کہ تمہاری درستگی اس میں ہے اور تمہاری خرابی اس میں ہے۔ نسخے بہت اتارے فی صحف ابراھیم وموسی میں جس طرح ارشاد ہوا ہے بہت سارے صحیفے آتے رہے۔ لیکن ان سب میں معروف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات

اور حضرت عیسی علیہ السلام کی انجیل اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور۔ یہ بڑی بڑی کتابیں ہیں جو اللہ نے اصلاح خلق کے لیے بھیجی تھیں۔اور جو انسان ان کے ساتھ بھیجے تھے جنہوں نے ان کی روشنی میں انسانیت کو سنوارنا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام عیسی علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام ان کی کتابوں کی مناسبت سے انکا نام نمایاں ہے تو تورات نے بھی انسان کی اصلاح کے طریقے بتلائے انجیل نے بھی بتائے زبور کہتے ہیں زیادہ تر دعاؤں کا مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا مجموعہ ہے۔ آج بھی جو ترجمہ اس کا بازاروں میں ملتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ واقعی زبور شعروں کی شکل میں تھی اور اس میں زیادہ تر اللہ کی حمد وثنا تھی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے نیاز مندی اور دعا کی باتیں زیادہ ہیں احکام سب سے زیدہ تورات میں تھے اور اس کا ایک تتمہ انجیل تھا باقی کتابیں بھی اللہ نے اتاری ہونگی۔ جس کی تفصیل قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔

انبیاء کی تعداد قطعی نہیں

اس لیے ان کتابوں پر تو نام لے کر ایمان لایا جاتا ہے ورنہ یمان اجمالی میں یہ بات ہے کہ اللہ نے جو صحیفے اتارے جو کتابیں اتاریں ہم سب کو مانتے ہیں اس لیے جب ہم ایمان کا ذکر کرتے ہیں امنت باللہ وملائکہ وکتبہ تو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جتنی بھی اس نے اتاریں جس طرح انبیاء علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں جن کی تعداد کوئی قطعی دلیل سے ثابت نہیں جس حدیث میں ذکر آتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے ہیں وہ اس معیار پر نہیں کہ اس کو عقیدے کی بنیاد بنایا جاسکے اس لیے ایمان یوں لایا جاتا ہے کہ اللہ کی طرف سے جتنے نبی ہیں ہم سب کو مانتے ہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوں یا کم وبیش ہوں سب کو مانتے ہیں۔ ۳۱۳ رسول کی تعداد اس روایت میں ہے لیکن وہاں بھی علماء یہی کہتے ہیں ۳۱۳ یا کم وبیش اللہ کے علم

میں جتنے رسول ہیں ہم سب کو مانتے ہیں ہم کسی کا انکار نہیں کرتے۔

اصلاح انسانیت کے لیے آخری نسخہ

لیکن تورات۔ انجیل۔ زبور جو صحیفے انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب آج کل ان کے ترجمے کیئے ہوئے بکتے پھرتے ہیں بازاروں میں بانٹے جاتے ہیں جن کی حیثیت ہمارے ہاں کوئی قطعی نہیں ہے کہ قرآن کہتا ہے ان سب کے اندر باتیں بدلی جاچکیں ان میں تحریف ہوگئی اور کچھ باتیں اگر ہیں بھی تو وقت کے ساتھ ساتھ پچھلی باتیں منسوخ ہوگئیں اور نئی نئی ہدایت نئے نئے زمانے کی ضرورت کے تحت آتی چلی گئیں اب یہ آخری نسخہ اللہ نے انسانیت کے لیے بھیجا ہے جس کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی اصلاح کے لیے انسان کے فساد کو دور کرنے کے لیے انسان کی مشینری کو سنوارنے کے لیے آخری نسخہ ہے جو اللہ نے بھیجا جس کو ہم قرآن کہتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی تعریف اللہ نے یہ بتائی **ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم**۔ یہ قرآن رہنمائی کرتا ہے کس کی کرتا ہے اس کی صراحت نہیں کی انجیل بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے آئی تھی توراۃ بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے آئی تھی۔ اس لیے تورات اور انجیل میں خطاب کرتے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو کرتے ہیں۔ لیکن قرآن کس کی رہنمائی کے لیے آیا ہے۔ تو **یھدی** کا مفعول یہاں مذکور نہیں باقی آیات کے اندر واضح کردیا گیا کہ یہ **ھدًی للعالمین** ہے تمام جہانوں کے لیے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے اس لیے **یھدی** کا مفعول یہاں محذوف ہے قرآن رہنمائی کرتا ہے کس کی؟ جو اس کائنات میں موجود ہے جس میں عقل وشعور ہے جس کو انسان کہتے ہیں وہ سب اس **یھدی** کا مفعول ہے۔ کہ سب کی رہنمائی کرتا ہے پھر رہنمائی بھی ایسے طریقے پہ کرتا ہے کہ **ھی اقوم** آپ جانتے اقوم اسم تفضیل کا صیغہ ہے اسم تفضیل میں مفضل علیہ بھی

ہوتا ہے یعنی ایسے رستے کی رہنمائی کرتا ہے جو تورات سے زیادہ سیدھا انجیل سے زیادہ سیدھا۔ زبور سے زیادہ سیدھا بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر سرور کائنات ﷺ تک جتنے انبیاء کرام آئے ہیں سب نے صحیح طریقے بتائے سب نے درست بتائے لیکن آخری آخری سب سے اعلیٰ سب سے درست طریقہ وہ ہے جو قرآن بتاتا ہے اور یہ پوری کی پوری انسانیت کے لیے قیامت تک کے لیے اصلاح کا نسخہ ہے۔

اللہ کی کتابوں کا آخری ایڈیشن

یوں سمجھو! ہمارے مولانا مناظر احسن گیلانی کی اصطلاح میں کہ یہ اللہ کی کتابوں کا آخری ایڈیشن ہے جس طریقے سے پہلے ایڈیشن میں ترمیم ہوتی رہتی ہے آخری ایڈیشن جو ہوتا ہے وہ مکمل ہوتا ہے تو قرآن کریم اللہ کی کتابوں کا آخری ایڈیشن ہے جس کے بعد کوئی ایڈیشن نہیں آئے گا کہ ہم سمجھیں کہ شاید نئے ایڈیشن میں اور بات کوئی آئے گی ایسا نہیں تو یہ ہے قرآن جو کہ اللہ تعالیٰ نے رہنمائی کے لیے بھیجا اور انبیاء کرام وہ ماہرین ہیں جو ان اصولوں کے تحت انسان کو تعلیم دیتے ہیں اس لیے ان کی تعلیم اسی قرآن کی تشریح سمجھی جاتی ہے اس لیے ہدایت کا معیار قرآن وسنت دو چیزوں کو قرار دیا جاتا ہے عقل سے کورے کہتے ہیں کہ جب قرآن ہمارے پاس موجود ہے ہمیں سنت کی ضرورت نہیں۔ انبیاء علیہ السلام کی تعلیم کی ضرورت نہیں یہ ایسے ہیں جیسے کوئی کتاب دیکھ کر طبیب بن کے بیٹھ جائے۔

ڈاکٹری کی کتاب ہاتھ میں لے کے لوگوں کے آپریشن شروع کردے آپ جانتے ہیں اس کی کارکردگی سے قبرستان تو آباد ہوسکتے ہیں انسانیت کی اصلاح نہیں ہوسکتی جو صرف کتابیں دیکھ کر یہ کام کرتے ہیں اس لیے کتاب کافی نہیں بلکہ کتاب کے ساتھ معلم بھی ضروری ہے اور اللہ نے جس معلم کو بھیجا اس کی تشریحات کو سنت کہتے

ہیں۔ تو قرآن اور سنت یہ ہے انسان کے لیے سیدھا راستہ اور یہ راستہ انسان کو کہاں پہنچائے گا۔ اچھے انجام تک پہنچائے گا یا برے انجام تک پہنچائے گا اس بات کو واضح کرنے کے لیے میں نے وہ حدیث پڑھی ہے دو آیتوں کے بعد۔

دنیا کا سب سے بڑا سخی

ایک دفعہ صحابہ کرام کے مجمعے میں سرور کائنات ﷺ نے صحابہ سے خطاب کر کے پوچھا هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْداً جود کا ترجمہ عام طور پر لوگ سخاوت کے ساتھ کرتے ہیں لیکن جو سخاوت سے عام ہے عام طور پر سخاوت کا لفظ سمجھا جاتا ہے۔ مالی فائدہ پہنچانے پر۔ جو مالی فائدہ پہنچائے اس کو کہتے ہیں یہ سخی ہے لیکن جود مطلقاً فائدہ پہنچانے کے لیے بولا جاتا ہے کہ چاہے مالی چاہے کوئی دوسرا ہو تو آپ نے فرمایا تمہیں پتہ ہے اجود جودا کون ہے؟ یعنی کون ہے جس کی ذات سے سب سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔ وہ کون ہے؟ صحابہ کی جیسے عادت تھی ادب کے طور پر کہتے تھے الله ورسوله اعلم، اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے تو آپ نے فرمایا۔ اللّٰہ اجود جوداً۔ سب سے زیادہ جود تو اللہ کی ذات میں ہے۔ کہ مخلوق کو جو بھی فائدہ پہنچتا ہے وہ اللہ کی ذات سے پہنچتا ہے۔ اس لیے جود کے اعتبار سے سب سے بڑا تو اللہ ہے فرمایا کہ ثم انا اجود بنی آدم۔ پھر اپنے متعلق فرمایا کہ آدم کی اولاد میں سب سے زیادہ اجود میں ہوں اللہ کے بعد مخلوق کو اگر فائدہ پہنچتا ہے تو میری ذات سے پہنچتا ہے۔

آگے فرمایا ثم اجود الناس من بعدی۔ سب لوگوں سے زیادہ صاحب جود میرے بعد وہ شخص ہے من علم علما فنشر، جو علم دین، قرآن وسنت کا علم حاصل کرتا ہے پھر اس کو پھیلاتا ہے۔ میرے بعد سب سے زیادہ جواد وہ شخص ہے۔ (مشکوۃ ص ۱/۲۳، شعب الایمان ص ۲/۲۸۱) لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کے اندر جس وقت غور

کرتے ہیں تو انبیاء کی تعلیمات یا ان کی تشریحات قرآن سنت کی تفسیر میں لکھنے کے بعد پھر ان کو پھیلانا یہ اجود جوداً جو فرمایا اسی معنی کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ انسان کی اصلاح وفلاح انہیں لوگوں سے وابسطہ ہے جو قرآن وسنت کو جاننے والے ہیں اور جو ان کی ہدایات پر چلیں گے وہی اچھے انجام تک پہنچیں گے۔ قرآن ان کو یہ بشارت سناتا ہے کہ ان لھم اجراً کبیراً۔ ان کے بہت بڑا اجر ہے اور جو اس کا انکار کرتے ہیں اور ہدایات لے کر ان کے مطابق نہیں چلتے تو یہ قرآن ان کو برے انجام کی اطلاع دیتا ہے کہ اللہ نے ان کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ تو انسانیت کی اصلاح جو ہے ان کی وجہ سے ہے۔

حق وباطل کی کشمکش

لیکن اس کے ساتھ ساتھ تاریخ پر نظر ڈال لیجئے کہ حق اور باطل کی کشمکش (قرآن کریم نے جو تاریخ بیان کی ہے) زیدہ تر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں نمایاں ہوئی ہے۔ نوح علیہ السلام سے پہلے کا زمانہ وہ سارا درست ہے۔ ان سے پہلے کوئی مشرک نہیں تھا کوئی کافر نہیں تھا۔ کوئی گمراہ نہیں تھا اللہ کی طرف سے ہدایت اس دور کے مطابق آئیں نوح علیہ السلام کا پہلا دور ہے جس میں حق اور باطل کی کشمکش شروع ہوئی اور دو فرقے نمایاں ہوئے نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے حامل تھے اور اس کے مطابق لوگوں کی اصلاح کرتے تھے تو ایک طبقہ وہ تھا جس نے نوح علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کی تعلیم کو قبول کیا قرآن کریم کہتا ہے کہ اس دور کا وہ طبقہ جو اپنے آپ کو سمجھتا تھا کہ ہم عقل کل ہیں کمانا اچھا آتا ہے ہمیں تجارت کرنا، اچھی آتی ہے۔ ہمیں مشینری بنانی آتی ہے۔ ہم صاحب اقتدار ہیں دولت ہمارے گھر کو لونڈی ہے وہ طبقہ نوح علیہ السلام کے شاگردوں کے متعلق اور نوح علیہ السلام کی ہدایت پر عمل کرنے والوں کے متعلق کہتا ہے کہ یہ ہمارے ارذلون ہیں

ہم اراذلنا۔ واتبعك الارذلون ارذلون ارزل کی جمع ہے۔ اراذل بھی ارزل کی جمع ہے ارزل جس کو آپ کہتے ہیں بڑا رذیل آدمی ہے ارذل تفضیل کا صیغہ ہے وہ کہتے تھے تیرے ماننے والے جتنے ہیں یہ سارے ہم میں سے گھٹیا درجے کے ارزل قسم کے لوگ ان کو کوئی دنیوی وجاہت حاصل نہیں جن کو ہم اپنی زبان میں کمی لوگ کہتے ہیں جن کا کام ہوتا ہے چھوٹے چھوٹے کام کرنا مزدوریاں کرنا اس وقت کے جو بڑے بڑے سردار تھے وہ کہتے تھے یہ کمی لوگ جو اس طریقے کو قبول کئے بیٹھے ہیں کیا ہم بھی اس طریقے کو قبول کرلیں تیری بات ماننے والے ہم میں سے گھٹیا درجے کے لوگ ہیں جن کو عقل نہیں جن کو فہم نہیں تو ہم بھی ایسے لوگوں کا طریقہ قبول کرلیں؟

اہل حق پر باطل کے تبصرے

یہ پہلا تبصرہ ہے جو قرآن کریم نے مخالفین کی طرف سے جو انبیاء کے معتقد نہیں تھے جن کے سامنے دین کی عظمت نہیں تھی جو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے انبیاء کے متبعین کے اوپر ان کا پہلا تبصرہ ہے جو قرآن کریم نے نقل کیا ہے کہ دنیوی وجاہت رکھنے والے لوگ ان کو ارزلون کہتے تھے۔ اور یہی تاریخ آگے پورے انبیاء میں چلی۔ فرعون کا زمانہ آیا فرعون وقت کا ایک جابر بادشاہ تھا اس کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر جس وقت فرعون کے سامنے گئے ہیں اور جا کے کہا کہ میں اللہ کا نمائندہ ہوں تو فرعون نے کیا تبصرہ کیا؟ فرعون اپنی قوم کو خطاب کر کے کہتا ہے انا خیرام هذا الذی هو مهین ولایکاد یبین فلولا القی علیه اسورة من ذهب او جاء معه الملائكة مقترنین۔

یہ فرعون کا تبصرہ ہے موسیٰ علیہ السلام پر۔ کہتا ہے میں اچھا ہوں (میں اس کا ترجمہ کیا کروں آپ کے سامنے جو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کہا تھا) مھیں کہتے ہیں

ذلیل کو یہ ذلیل اچھا ہے یا میں اچھا ہوں اس کے بازؤں میں تو سونے کے کنگن بھی نہیں ہیں ہم کسی کو نمائندہ بنا کے بھیجیں تو سونے کے کنگن پہنا کے بھیجتے ہیں یہ کہتا ہے میں اللہ کا نمائندہ ہوں اور سونے کی کنگن بھی نہیں ہیں۔

ہم کسی کو نمائندہ بنا کے بھیجتے ہیں یا ہم خود کہیں جائیں تو ہمارے آگے پیچھے فوجیں لگی ہوئی ہوتی ہیں جس سے ہماری شان نمایاں ہوتی ہے آگے فوج ہے پیچھے فوج ہے دائیں فوج ہے بائیں فوج ہے جب ہم جاتے ہیں تو سڑکیں بند ہو جاتی ہیں اور سارا ہنگامہ ہوتا ہے اس کے ساتھ کوئی بھی نظر نہیں آتا جو اس کی حفاظت کے لیے ساتھ ہو یا اس کی شان وشوکت کو نمایاں کرنے والا ہو۔ تو یہ کہاں سے اللہ کا نمائندہ آ گیا یہ فرعون کا تبصرہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایسے ہی باقی انبیاء کی تاریخ اگر ایک ایک کر کے بیان کروں تو وقت بہت ہو جائے گا تو ضعفاء اور شرفاء کے دو طبقے جو بن گئے تھے۔ تو شرفاء کے جذبات بیان کر کے بات ختم کرتا ہوں کہ آج اسی طبقے کے متعلق جو اللہ پر ایمان لانے والے اللہ کے رسول کو ماننے والے اور اللہ و رسول کے علم کو حاصل کرنے والے جن کے پاس اللہ کی وہ کتاب ہے جس کو میں کہتا ہوں وہ گائیڈ بک ہے اور راہنما کتاب ہے جس کے ساتھ انسان سدھر سکتا ہے جس کے ساتھ انسان کا بگاڑ دور ہو سکتا ہے وہ کتاب کے ماہر آج وقت کے فرعون ان کو کہتے ہیں یہ جاہل ہیں ان کی عقل ہی نہیں ہے یہ جانگلی ہیں کچھ سمجھتے ہی نہیں تو یہ تبصرہ کوئی نیا تبصرہ نہیں جب سے انبیاء کی تاریخ شروع ہوئی ہے یہ بدبخت گروہ جن کو دنیوی جاہ وجلال حاصل ہوتا ہے وہ دیندار طبقے کے لیے ایسے تبصرے کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہیں یہ انبیاء کے وارث اور ان کے پاس وہ گائیڈ بک ہے اگر آپ اس کو اپنائیں گے تو ظاہر بھی سدھرے گا باطن بھی سدھرے گا۔ انجام بھی اچھا ہوگا۔

آج بھی زندہ ہے ان کا نام

ورنہ آج اپنے آپ کو بڑا بنانے والے دنیوی جاہ و جلال کے مالک اور ان کو کمینہ اور مسکین سمجھنے والے آج نہ ان کا نام ونشان معلوم نہ ان کی نسل معلوم اور جن کو اللہ تعالیٰ نے نمائندہ بنایا تھا آج جب بھی ان کا نام آتا ہے تو عزت سے نام لیا جاتا ہے احترام سے نام لیا جاتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کو مسکین اور مسکین کا بیٹا سمجھ کے جانے والی دائیوں میں سے کسی ایک نام تاریخ میں نہیں آیا کہ وہ کون تھی جو چھوڑ کے چلی گئی تھی کہ اس یتیم کو پال کے ہم کیا کریں گی۔ کچھ ملے گا ہی نہیں اس کا باپ ہی نہیں ہے ایک نام معلوم نہیں اور جس نے اس مسکین کو سینے سے لگایا حلیمہ سعدیہ پوری دنیا میں اس کے گن گائے جاتے ہیں یہ آخری نتیجہ ہوتا ہے تو بات بہت تفصیل کی طرف جاسکتی تھی لیکن چونکہ وقت بہت محدود ہے اور میں نے اپنے متعین وقت سے پانچ منٹ زیادہ لے لیے منتظمین کی خدمت میں معذرت کرتا ہوں اورانہی کلمات پر اس بات کو ختم کرتا ہوں و آخر ودعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

نبوت کے بعد کے حالات

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ: ۲ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا○﴾

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِينُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۝﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

تمہید

پچھلے بیان میں سرور کائنات کی زندگی کے ابتدائی دور کا تذکرہ کیا تھا۔ ولادت سے چالیس سال کی جو مدت ہے اس وقت تک آپ محمد بن عبد اللہ کہلاتے تھے۔
جس کی تفصیل میں نے گزشتہ بیان میں کر دی تھی۔

نبوت کے ابتدائی حالات

کوئی نہیں جانتا تھا کہ آنے والے وقت میں یہ محمد بن عبد اللہ محمد رسول ﷺ بننے والا ہے چالیس سال کی عمر ہوگئی غار حرا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل علیہ السلام اللہ کا کلام لے کر آئے اقراء باسم ربك الذی خلق اس سورۃ کی ابتدائی آیتیں سرور کائنات ﷺ کو پڑھا دیں تو اس طرح ابتدا ہوئی۔ اس پہلی وحی کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کا حکم نہیں ہوا دور جدید شروع ہوگیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کا رابطہ نمایاں طریقے سے ہوگیا لیکن ابھی تبلیغ کا دور شروع نہیں ہوا تین سال اسی طرح سے گزرے کہ حضور پر نئی وحی نہیں آئی اور نہ آپ کو تبلیغ کا حکم ہوا یہ تین سال فترۃ وحی کا زمانہ کہلاتا ہے حضور کے ساتھ اللہ کا رابطہ چونکہ بواسطہ جبرائیل نمایاں طریقہ سے ہوگیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں تڑپتے تھے تین سال اسی طرح سے آپ نے اللہ کی یاد میں اللہ کے عشق میں گزارے ہیں۔

پہلا اعلان حق اور اعتماد کا ووٹ

تو تین سال کے بعد پھر وحی آئی جس میں سورۃ مدثر کی ابتدائی آیتیں اتریں جن میں یہ حکم ہوا قم فانذر آپ اٹھیں اور اپنی قوم کو ڈرائیں یہ حکم نازل ہوگیا تو سرور کائنات ﷺ نے قوم کو ڈرانے کی ابتدا کی جن کو اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں حاضری کا موقع دے دیا ہے انہوں نے دیکھا ہے بیت اللہ کے پاس بھی وہ پہاڑی ہے جہاں سے ہم سعی بین الصفا والمروۃ کی ابتدا کرتے ہیں اس پہاڑی کے اوپر آپ چڑھ گئے اس زمانے کے رواج کے مطابق کہ جب کوئی خاص اعلان کسی نے کرنا ہوتا تو وہ

بلندی پہ کھڑے ہو کے بلاتا تھا۔ یا فلاں یا فلاں تو قریش کے جتنے خاندان مکہ معظمہ میں آباد تھے ان میں سے ایک ایک کا نام لے کے آپ نے بلایا اور آپ کی آواز سنتے ہی سارے کے سارے لوگ اس پہاڑ کے دامن میں جمع ہو گئے۔ اور قبیلوں کے سرداروں میں سے اگر کوئی خود نہیں آسکا تو اس نے اپنا نمائندہ بھیجا کہ جاؤ سن کے آؤ محمد بن عبد اللہ کیا اعلان کرنے لگے ہیں۔ جب سارے کے سارے لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے پہلے تو آج کل کے محاورے کے مطابق اس کی تعبیر یوں ہو سکتی ہے کہ سب سے پہلے سرور کائنات ﷺ نے اپنی قوم سے اعتماد کا ووٹ لیا (یہ آج کل کی اصطلاح کے مطابق کہہ رہا ہوں) کہ میرے اوپر قوم اعتماد کرتی ہے یا نہیں کرتی۔ اعتماد کا ووٹ لے کر وزیر اعظم بنتا ہے اعتماد کا ووٹ لے کے صدر بنتا ہے۔ تو سرور کائنات ﷺ نے پہلے قوم سے اعتماد کا ووٹ لیا وہ کیسے؟ قوم جمع ہے اور آپ اس پہاڑی کے اوپر کھڑے ہیں آپ نے اپنی قوم سے خطاب کر کے پوچھ کہ مجھے بتاؤ اگر میں یہ کہہ دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تمہارے اوپر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو تم میری تصدیق کرو گے۔ یا نہیں؟ اب مکے کا پہاڑ اس کا پیچھا وہ بھی لوگوں کو معلوم تھا جہاں جہاں آبادی ہے ان کو پتہ تھا کہ کوئی لشکر نہیں تو آپ کا یہ سوال سن کر قوم نے بیک آواز کہا ہم آپ کو سچا کہیں گے۔ جس کا یوں ترجمہ سمجھ لیجیے کہ چاہے ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ کوئی لشکر نہیں لیکن اگر آپ کہیں گے اپنے الفاظ میں ادا کریں گے تو ہم اعتماد کریں گے کیوں کہ آپ سچ بولتے ہیں کیونکہ زندگی بھر ہم نے آپ پر کبھی جھوٹ نہیں آزمایا مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كِذْبًا (بخاری ص ۷۰۲/۲) یہ ساری قوم نے اعتماد کا ظہار کیا اور یہ صفت سرور کائنات ﷺ کی نمایاں تھی بچے بچے کے سامنے کہ آپ سچ بولتے ہیں جھوٹ نہیں بولتے آپ سچے ہیں آپ جھوٹے نہیں ہیں آپ کی زبان سے کبھی خلاف واقع بات نہیں نکلتی آپ جو کچھ کہتے ہیں۔ واقعہ کے مطابق کہتے ہیں یہ صفت بہت نمایاں تھی۔ سرور کائنات کی۔

ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ

حتیٰ کہ آپ نے سنا ہوگا کہ مدینہ منورہ میں جانے کے بعد جب سرور کائنات ﷺ نے مختلف بادشاہوں کو خطوط لکھے دعوتی خطوط جن میں انہیں ایمان لانے کی دعوت دی تھی ان میں سے ایک خط روم کے بادشاہ ہرقل کے نام بھی تھا ہرقل کو بھی آپ نے اسلام کی دعوت دی تھی۔ اس وقت دو بڑی سلطنتیں تھیں جیسے پچھلے دور میں پوری دنیا دو بلاکوں میں بٹی ہوئی تھی ایک روس اور ایک امریکہ اس وقت بھی دنیا دو بلاکوں میں بٹی ہوئی تھی ایک کسریٰ ایران کا بادشاہ بہت بڑا دنیا کا حصہ اس کے زیر نگین تھا اور ایک قیصر بہت ساری دنیا اس کے زیر اثر تھی تو سرور کائنات ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد خطوط کے ذریعے بادشاہوں کو دعوت دینے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ کسریٰ کے نام بھی خط لکھا تھا۔ اور قیصر کے نام بھی خط لکھا تھا۔ کسریٰ تو بدنصیب نکلا اس نے تو حضور ﷺ کا خط دیکھتے ہی غصے میں آکر کہا کہ کون ہے جس نے میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھا ہے کیونکہ آپ ﷺ خط میں لکھتے تھے **من محمد رسول الله الیٰ فلان**۔ تو خط پھاڑ کے پھینک دیا تھا۔ جس پر آپ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بددعا فرمائی اور کہا کہ اللہ اس کو ایسے ٹکڑے ٹکڑے کردے جس طرح سے اس نے میرا خط پھاڑا ہے۔ (بخاری ص ۱/۱۵) تو دیر نہیں لگی چند سالوں کے اندر اندر اس سلطنت کا نام ونشان تک مٹ گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کسریٰ کے زیر نگین جتنا علاقہ تھا۔ سارا فتح ہوگیا اور اس سلطنت کا نام ونشان مٹ گیا۔

قیصر نے ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ اہل کتاب میں سے تھا وہ نبوت کو بھی جانتا تھا۔ مدعی توحید بھی تھا۔ عالم تھا اس نے کسریٰ جاہل والا کام نہیں کیا بلکہ اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ اگر اس علاقے میں عرب کے کوئی لوگ آئے ہوں تو ان کو بلاؤ تا کہ میں اس شخص کے حالات سنوں جس کی طرف سے یہ دعوت آئی ہے تو اتفاق سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور مشرکین مکہ کی قیادت ان کے ہاتھ میں تھی۔ غزوہ احد میں یہ لشکر لے کے آئے

تھے غزوہ خندق میں ان کی قیادت میں مشرکین جمع ہوئے تھے تو ابوسفیان کے پاس مکہ کی قیادت تھی تجارتی قافلہ لے کر شام میں گئے ہوئے تھے تلاش کرنے پر مل گئے تو لوگوں نے ان کو لا کر قیصر کے سامنے پیش کر دیا کہ یہ لوگ وہاں کے رہنے والے ہیں جہاں سے اس شخص نے یہ خط لکھا ہے ہرقل نے پوچھا کہ ان میں اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار کون ہے تو قافلے کے لوگوں نے ابوسفیان کے متعلق بتایا ابوسفیان سے قیصر نے پوچھا کہ آپ اس کے کیا لگتے ہیں انہوں نے کہا کہ میرے چچا زاد بھائی ہیں چونکہ عبد مناف کے جو چار بیٹے تھے ان میں سے ابوسفیان عبدالشمس کی اولاد میں سے تھے اور سرور کائنات ﷺ ہاشم کی اولا میں سے تھے آپ ہاشمی تھے تو عبد مناف میں جا کے دونوں کا نسب اکٹھا ہو جاتا ہے۔

پیغمبر کی صداقت پر قیصر کا تبصرہ

قیصر نے بہت سارے سوالات کیے ہیں ان سب کو نقل کرنا مقصود نہیں ہے ان میں سے ایک سوال قیصر کا یہ بھی تھا کہ اس شخص نے جب نبوت کا دعویٰ کیا ہے کہ میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں اس دعوے سے پہلے آپ لوگوں نے کبھی اس پر جھوٹ آزمایا کہ اس نے کبھی کوئی بات جھوٹی کہی ہو یہ قیصر کا سوال ہے ابوسفیان سے اب ابوسفیان دشمن ہے اور بادشاہ کے سامنے شہادت دے رہا ہے ابوسفیان نے کہا نہیں ہم نے زندگی میں اس شخص سے کبھی جھوٹ نہیں سنا اور کبھی اس نے جھوٹ نہیں بولا جس پر قیصر نے یہ خوبصورت تبصرہ کیا تھا۔ کہ میں سمجھ گیا ہوں کہ جو شخص کبھی مخلوق پر جھوٹ نہیں بولتا اور مخلوق میں سے کسی کے متعلق جھوٹی بات نہیں کہتا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مخلوق کو چھوڑ کے اللہ پر جھوٹ بولنا شروع کر دے؟ یہ قیصر کا تبصرہ ہے۔ اس لیے وہ اس بارے میں سچا ہے جھوٹ نہیں بول سکتا۔

جھوٹ کی مذمت بزبانِ پیغمبر

ویسے بھی آپ جانتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے جھوٹ کے متعلق جو کچھ ذکر

کیا ہے حدیث شریف میں جو مذمت جھوٹ کی آئی ہوئی ہے۔ ایک نبی جس نے اللہ کی طرف دعوت دینی ہو۔ وہ اپنی زندگی کے کسی حصے میں بھی اس قسم کے جرم کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔ اللہ اسے محفوظ رکھتا ہے تا کہ لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچے کہ جب اس کو غلط بیانی کی عادت ہے یہ جھوٹ بولتا رہتا ہے تو اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت انسان جھوٹ بولتا ہے اس کے منہ سے اس قدر بدبو پھیلتی ہے کہ اس کے آس پاس والے فرشتے اس سے ایک میل دور چلے جاتے ہیں اس کے جھوٹ کی بدبو کی تکلیف کی وجہ سے (مشکوۃ ص ۱/۴۱۳) اور آپ نے فرمایا مؤمن بزدل ہوسکتا ہے یعنی بہادر نہ ہوایسا ہوسکتا ہے مومن بخیل ہوسکتا ہے لیکن جھوٹا نہیں ہوسکتا ہے مومن ہو اور جھوٹ بولے یہ دو باتیں جمع نہیں ہوسکتیں (موطا امام مالک ۱/۷۳۲۔ مشکوۃ ص ۱/۴۱۴) کیونکہ جھوٹ ایک ایسی چیز ہے جس کے پردے میں ہر برائی پیدا ہوجاتی ہے اور صداقت ایک ایسی خوبی ہے جس کے تحت ہر نیکی پرورش پاتی ہے ایک آدمی ارادہ کرلے کہ میں نے جھوٹ نہیں بولنا کبھی برائی کر نہیں سکتا کیونکہ برائی سے انسان چھپتا ہے برائی کو چھپاتا ہے اور اپنے عیب کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے جس نے جھوٹ نہیں بولنا وہ اپنے عیب کو کیسے چھپائے گا آپ کے کمرے میں چوری ہوگئی ایک شخص نے چوری کرلی لیکن اگر اس کا ارادہ سچ بولنے کا ہے تو جب اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے چوری کی ہے؟ اب آپ جانتے ہیں کہ اگر سچ بولتا ہے تو پکڑا جاتا ہے جھوٹ سے چوری پر پردہ پڑتا ہے تو جھوٹ بول کے وہ اپنے عیب کو چھپاتا ہے کسی قسم کی خیانت کی ہو یا بددیانتی کی ہو انسان جھوٹ کے ساتھ اس کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے اگر اس کا ارادہ یہ ہو کہ میں نے سچ بولنا ہے تو چوری نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ سوچے گا۔ اگر مجھ سے کسی نے پوچھ لیا کہ کیا تو نے چوری کی ہے اب اگر بتادے کہ ہاں میں نے چوری کی ہے تو پکڑا جائے گا سزا ہوجائے گی۔ بدنامی ہوگی تو چوری کیسے کرے گا۔ اس لیے سرورکائنات ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ بولنے سے بچو کیونکہ جھوٹ انسان کو فسق وفجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق وفجور ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو جہنم کی طرف لے جاتی

ہے اس کے ساتھ انسان اللہ کے نزدیک کذاب لکھا جاتا ہے۔ اور سچ بولنے کو لازم پکڑو۔ کہ سچائی انسان کو نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی انسان کو جنت کی طرف لے جاتی ہے اور جب ایک آدمی سچ بولتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ صدیق لکھدیا جاتا ہے جھوٹ کے نتیجے میں کذاب لکھا جاتا ہے (مسلم ص ۲/۳۲۶) جھوٹ ایک ایسا عیب ہے کہ نبی سے نبوت کے زمانے سے قبل جو آپ نے چالیس سال کا دور گزارا تھا اس چالیس سال میں کسی کو تجربہ نہیں ہوا اس بارے میں کہ آپ نے جھوٹ بولا ہو اس لیے آپ صادق الامین کے لقب سے مشہور تھے کہ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں آپ امانت دار ہیں کسی کی امانت میں آپ خیانت نہیں کرتے ہر کسی کا حق ادا کرتے ہیں یہ صفت آپ میں بہت ہی نمایاں تھی اور ہر مومن کے لیے سرورکائنات ﷺ نے دونوں باتوں کی شدید تاکید کی ہے جھوٹ سے بچو اور سچ اختیار کرو۔

۔ تو جب آپ نے سوال کیا تو سب لوگوں نے بیک زبان کہا کہ ہم نے آپ کو زندگی بھر سچا ہی پایا ہم نے آپ پر کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا اس لیے اگر آپ یہ کہ دیں تو ہم اس بات سے بھی آپ کو سچا قرار دیں گے آپ جھوٹ نہیں بولتے۔ اتنا شدید اور مضبوط اعتماد کا اظہار قوم نے کیا آپ پر لیکن عقل یہاں اپنے آپ کو پیٹ کے رہ جاتی ہے عقلمند انسان اپنی پیشانی پیٹتا ہے کہ یہ عجیب واقعہ ہے کہ جس پر اتنا اعتماد اور ان کے متعلق اتنی پختہ شہادت۔

سب سے پہلے حضور ﷺ کو پتھر مارنے والا

لیکن جب اس نے یہ کہا کہ قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا لا الہ الااللہ کہ دو فلاح پاؤ گے اور اگر تم لا الہ الا اللہ نہیں کہتے تو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اوپر عذاب شدید آئے گا جب آپ نے یہ بات کہی کہ شرک کو چھوڑ دو لاالہ الا اللہ کہ دو تو فلاح پا جاؤ گے یہ بات حضور کی زبان سے سن کر مشرکین آپ کی اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے بلکہ جیسے گزشتہ بیان میں میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ آپ کی ولادت پر سب سے زیادہ خوشی

منانے والا آپ کا چچا ابولہب جس نے آپ کی ولادت پر ثویبہ باندی آزاد کی تھی جب اس کے سامنے ذکر آیا تو سب سے پہلے پتھر اٹھا کر مارنے والا بھی یہی چچا تھا یہ لفظ حدیث میں آتے ہیں کہ اس نے کہا تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا تو سارا دن برباد ہو تو نے ہمیں اسی بات کے لیے اکٹھا کیا تھا (مشکوۃ ص ۵۲۳/۱۔ بخاری ص ۱/۱۸۷) تو یہ لفظ بھی اس نے بولے چونکہ اس کی زبان سے تبا کا لفظ نکلا تو قرآن کریم نے اس کو لفظ اسی کی طرف لوٹا دیا تبت یدا ابی لهب وتب۔ یہ اسی بات کا جواب ہے اس نے تو حضور ﷺ کے لیے تبا کہا تھا قرآن نے کہا کہ آپ کے لیے بربادی نہیں بلکہ ابو لہب برباد ہو گیا اس کی کمائی اس کے کوئی کام نہیں آئے گی۔

سب سے پہلے ابولہب دشمن کیوں ہوا؟

یہاں ایک سوال انسان کے ذہن میں آتا ہے اور آنا چاہیے کہ سب سے پہلے چچا برانگیختہ کیوں ہوا اس نے سب سے پہلے اٹھ کر پتھر کیوں مارا جو ولادت کی خوشیاں منانے والا تھا سب سے پہلے دشمن کیوں ہو گیا باقیوں کے مقابلے میں اس کو سب سے زیادہ غصہ کیوں آیا ہے یہ سوال ہے جو ہر کسی کے ذہن میں آنا چاہیے کہ عرب تو رشتہ داروں کا بہت خیال کیا کرتے تھے یہ تو چچا تھا بولنے والا بھتیجا تھا یہ چچا اتنا زیادہ غصے میں کیوں آ گیا اگر یہ بات آپ کے ذہن میں بطور سوال کے آتی ہے اور آنی چاہیے تو اس کا جواب سن لیجئے کہ اصل میں قریش نے بیت اللہ کے آس پاس جتنے کام تھے ان کی خدمات مختلف لوگوں کے ذمہ لگا رکھی تھیں کام تقسیم کیا ہوا تھا جیسے کہ زم زم کا انتظام۔ حاجیوں کو پانی پلانے کا کام یہ حضرت عباس کے خاندان کے ذمہ تھا حضرت عباس پانی پلایا کرتے تھے اور بیت اللہ کو ایک بہت بڑا بت خانہ بنا رکھا تھا اور آپ نے سن ہو گا کہ تین سو ساٹھ بت اس وقت بیت اللہ کے اردگرد موجود تھے اور عرب کے جتنے قبائل موجود تھے ہر قبیلے نے ایک بت وہاں رکھا ہوا تھا اور عرب کے قبیلے اپنے بت کی پوجا کرنے کے لیے زیارت کرنے کے لیے مکہ معظمہ آتے تھے جس کی بناء پر مکہ کی رونق بحال تھی اور وہ آ کر اپنے بتوں کے اوپر چڑھاوے چڑھاتے تھے جس طرح سے آج

رواج ہے کہ لوگ قبروں پر جا کے مرغے چڑھاتے ہیں بکرے چڑھاتے ہیں شیرینی چڑھاتے ہیں مٹھائی لے آتے ہیں اس زمانے میں قبیلے کے لوگ آتے تھے اور آ کے اپنے بتوں کے نام پر چڑھاوے چڑھاتے تھے تو بعض تاریخی روایات میں یہ بات مذکور ہے کہ چڑھاوں کا اکٹھا کرنا اس آمدنی کو سمیٹنا یہ ابولہب کے ذمہ تھا تو اس کو خطرہ ہوگیا کہ اگر اس کی بات ہم نے مان لی تو چڑھاوے کون چڑھانے آئے گا ہماری پیٹ پوجا کیسے ہوگی اور ہمیں کھانے پینے کے لیے کہاں سے ملے گا تو یہ لات گویا کہ ابوالہب کو سیدھی پیٹ میں جا لگی اور آپ جانتے ہیں کہ بدن کے باقی حصوں میں چوٹ برداشت کرنا آسان ہوتا ہے پیٹ کی چوٹ برداشت کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے تو یہ ایسے تھا جیسے یہ سیدھی ابولہب کے پیٹ میں جا کر لگی اور ابولہب کی چیخ نکل گئی اور آپ خود دیکھ لیں جہاں بھی کسی نے ناجائز آمدنی کا ذریعہ بنایا ہوا ہو وہ آپ کی ہر بات تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ لیکن اگر آپ کہتے ہیں کہ یہ کام چھوڑ دو تو وہ کہے گا یہ کام چھوڑ دوں تو میں بھوکا مروں گا۔ یہ بھوکا مرنے کا تصور انسان کو ہر صداقت کے جھٹلانے پر مجبور کرتا ہے آج آپ کسی قبر کے مجاور کے پاس چلے جائیں جس کا گزارہ قبر کی آمدنی سے ہوتا ہے یہی مٹھائیاں بکرے اس کے گزارے کا ذریعہ بنتے ہوں اور یہی دیگیں اور چڑھاوے کے پیسے انہی کی بناء پر وہ کتے لڑاتے ہوں انہیں کی بناء پر ریچھ لڑاتے ہوں انہی کی بناء پر وہ عیاشیاں کرتے ہوں اور اسی آمدنی کے ساتھ ان کا گزارہ ہو آج آپ جا کر ان کو بتا دو کہ اللہ کے رسول نے منع فرمایا اور ان چڑھاوں کی آمدنی حلال نہیں ہے تمہارے لیے درست نہیں ہے یہ سلسلہ ختم ہونا چاہیے۔ یہ مشرکین مکہ کا طریقہ ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے لا الہ کے نعرے لگا کے سارے دروازے بند کرنے کے لیے کہا تھا تم اللہ کے رسول کا کلمہ پڑھتے ہو یہ چڑھاوں کا سلسلہ چھوڑ دو اور یہ آمدنی لینی چھوڑ دو لوگوں کو کہو اللہ کے نام پہ دیں اپنے گھر میں ذبح کریں مسکینوں کو کھلائیں اور وہیں مسکینوں میں شیرینی بانٹیں اور اس کا ثواب جس بزرگ کو چاہیں دے دیں۔ تو سب سے بڑا دشمن یہ مجاور آپ لوگوں کو سمجھیں

گے اور کہیں گے کہ یہ تو مولوی ایسے ہی ہیں یہ شیطان ہیں ان کے قریب نہ جایا کرو کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ آج اس بات کو اگر ہم نے تسلیم کیا تو ہماری زندگی کی رونق ساری ختم ہو جائے گی نہ لوگ آئیں گے نہ چڑھاوے چڑھائیں گے تو ہم کہاں سے کھائیں گے اور کہاں سے عیاشی کریں گے تو یہ بالکل وہی نمونہ آپ کے سامنے آجائے گا جتنا بڑا رشتہ دار کیوں نہ ہو لیکن یہ بات سننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوگا پیٹ کی لات برداشت کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں اس لیے سب سے پہلے ابولہب مشتعل ہوا کیونکہ اس کو آمدنی بند ہوتی ہوئی نظر آئی۔

دنیا میں حیران کن بات

تو یہ لا الہ الا اللہ جو حضور ﷺ نے پہلا سبق پڑھایا یہ پہلی آواز ہے جو مشرکین مکہ کے کانوں میں سردر کائنات ﷺ نے محمد رسول ﷺ بننے کے بعد کہی اب اللہ کا نبی جو صادق ہے اور اللہ کا نبی جو امین ہے جو بات کہتا ہے علی وجہ البصیرۃ کہتا ہے وہ آنکھوں سے دیکھ کے کہتا ہے اللہ اپنے نبی کو دوزخ بھی دکھا دیتا ہے یہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو جنت کی سیر بھی کرا دیتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے تو نبی دیکھی بھالی ہوئی چیز جو انہوں نے دو آنکھوں کے ساتھ دیکھی ہے اپنی سب سے زیادہ سچی زبان کے ساتھ جب ظاہر کرتا ہے لیکن مخلوق مادہ پرستی میں آ کر مفاد پرستی میں آ کر اس قسم کی بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں یہ دنیا میں ایک حیران کن بات ہے۔

حالانکہ دنیا میں رہتے ہوئے ہم لوگ بہت ساری باتیں ایسے لوگوں سے سن کر مانتے ہیں اور ان کے اعتماد اور یقین کرتے ہیں جن کے واقعات۔ جن کے تجربات کثرت کے ساتھ جھوٹے بھی نکلتے رہتے ہیں۔ غلط بھی نکلتے رہتے ہیں۔ مثلاً آج کل ایک بیماری عام چلی ہوئی ہے جس کو شوگر کی بیماری کہتے ہیں پہلے پہلے ہم نے اس کا نام کبیر والا میں سنا تھا مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کی زبان سے وہ تشریف لائے انہوں نے تقریر کی کہ کراچی میں یہ شوگر کی بیماری عام ہوتی جا رہی ہے اگر کسی کو شوگر کا نسخہ معلوم ہو تو کراچی چلا جائے بڑی آمدنی ہوگی تو ہم سن کر حیران سے ہو گئے کہ شوگر

کی بیماری کیا ہوتی ہے اور اب تو بچے سے لے کر بوڑھے تک سارے ہی اس مرض کو جانتے پہچانتے ہیں۔ کسی سے یہ بات مخفی نہیں ہے گلی گلی میں شوگر کے مریض موجود ہیں یہ آپ کو کیسے پتا چلتا ہے کہ آپ کو شوگر ہے آپ ایک ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور جا کے اس سے اپنے حالات ذکر کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ پیشاب کا ٹیسٹ کراؤ اب وہ پیشاب لیبارٹری میں لیتے ہیں معلوم نہیں اس میں کیا ڈالتے ہیں کیا نہیں ڈالتے چیک کرنے کے بعد آپ کو کہہ دیتے ہیں اس میں اتنی شوگر ہے جب آپ رپورٹ لے کے ڈاکٹر کے پاس آتے ہیں تو ڈاکٹر کہتا ہے تجھے شوگر ہے تو مٹھائی کھانی چھوڑ دے شربت پینا چھوڑ دے گنا چوسنا چھوڑ دے چکنائی کھانی چھوڑ دے فلانی چیز چھوڑ دے۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا کہ آپ کے پیشاب میں شوگر آ رہی ہے ڈاکٹر نے کہہ دیا اس کی مشین نے بتا دیا اور یہ صبح شام تجربے غلط بھی نکلتے ہیں ایک لیبارٹری میں جائے گا وہ کہے گا کہ اتنی شوگر ہے دوسری میں جائے گا وہ کہے گا کہ نہیں ہے لیکن آپ اعتماد کر کے اپنی لذیذ ترین چیزیں مٹھائی وغیرہ جو انسان کی مرغوب فیہ چیزیں ہیں آپ نے چھوڑ دیں کیونکہ ڈاکٹر کہتا ہے کہ شوگر ہے۔ اگر میں نے مٹھائی شروع کر دی تو میں مر جاؤں گا اگر میں نے شربت پیا تو بیماری بڑھ جائے گی موت کا باعث بن جائے گی آپ کی لذیذ ترین چیزیں مرغوب فیہ چیزیں ڈاکٹر چھڑواتا ہے اگر ڈاکٹر کہتا ہے کہ آپ کو بلڈ پریشر ہے آپ نے نمکین چیزیں نہیں کھانی تو آپ عمل شروع کر دیتے ہیں پھیکا پھیکا کھانا شروع کر دیتے ہیں۔

چکنائی چھوڑ دیتے ہیں سبزیاں ابال کے کھانا شروع کر دیتے ہیں یہ ساری کی ساری لذتیں کیوں چھوڑ دیں صرف اسی لیے چھوڑ دیں کہ ڈاکٹر کہتا ہے تجھے شوگر ہے ڈاکٹر کہتا ہے کہ تجھے بلڈ پریشر ہے اور ڈاکٹر پر اتنا اعتماد کر کے یہ ساری چیزیں چھوڑ دیں اس خوف و خطر کے تحت کہ کہیں ہم مر نہ جائیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اگر آپ ڈاکٹر پر اتنا اعتماد کر کے یہ ساری چیزیں چھوڑ دیں تو کیا واقعی آپ بچ جاتے ہیں مرتے نہیں؟ تو ڈاکٹر کی ساری ہدایت پر عمل کے باوجود مر جاتے ہیں اور آپ کو بھی پتہ ہے مجھے بھی

پتہ ہے کہ مرجاتے ہیں لیکن ڈاکٹر آپ کو بتائے گا تو ڈاکٹر کے بتانے پر آپ بھی . عتماد کریں گے اور ساری لذتیں چھوڑ دیں گے کہ ڈاکٹر کہتا ہے اگر پرہیز نہ کیا تو مرجاؤ گے اس وقت آپ سوچیں کہ مرنا تو بہر حال ہے پرہیز کرو یا نہ کرو شوگر سے نہیں مرو گے کسی اور چیز سے مرجاؤ گے لیکن ایک اللہ کا نبی دیکھ کے بتاتا ہے جیسے یہی پیشاب جس کو دیکھ کے ڈاکٹر بتائے کہ شوگر ہے مٹھائی چھوڑ دو تو ہم نے مٹھائی کھانی چھوڑ دی اسی پیشاب کے متعلق اللہ کا نبی آنکھوں سے دیکھ کے بتاتا ہے کہ جو شخص اس سے پرہیز نہیں کرتا کپڑوں کو ناپاک رکھتا ہے بدن کو ناپاک رکھتا ہے اس کو قبر میں عذاب ہوگا اور حضور ﷺ تشریف لے جارہے تھے خچر کے اوپر سوار تھے راستے میں دو قبریں آئیں تو آپ کی خچر بدکی حتی کہ قریب تھا کہ حضور گر جاتے تو آپ نے پوچھا یہ قبریں کن کی ہیں آپ کو بتایا گیا کہ تو آپ نے فرمایا کہ دونوں قبروں میں عذاب ہو رہا ہے اور کسی ایسی بات کی بناء پر عذاب نہیں ہو رہا جس کو چھوڑنا مشکل تھا ان میں ایک شخص ایسا ہے جو پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا اپنے بدن کو پیشاب سے بچاتا نہیں تھا اس کے کپڑے ناپاک ہوتے تھے بدن ناپاک ہوتا تھا اور ایک غیبت کرتا تھا چغلی کرتا تھا۔ اس لیے اس کو عذاب ہو رہا ہے (بخاری ص ۱/۳۵) ورآپ نے دونوں قبر والوں کو اس عذاب سے چیختے ہوئے سنا آپ کی خچر نے سنا اور سن کر بدک گئی اس کو عذاب کا احساس ہوا تو نبی اپنی سچی زبان سے کہتا ہے چیخیں سن کے کہتا ہے حالات کو دیکھ کے کہتا ہے لیکن کلمہ پڑھنے والا شخص اس بات پر اتنا اعتماد بھی نہیں کرتا جتنا ڈاکٹر کے بتانے پر کرتا ہے۔

ڈاکٹر پر اعتماد کر کے تو ہم مٹھائی چھوڑ دیتے ہیں لیکن اللہ کے رسول کی بات پر اعتماد کر کے ہم طہارت کا اہتمام نہیں کرتے پیشاب سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے یہ ہمارے ایمان کی کمزوری باعث افسوس ہے۔ ڈاکٹر کا بتایا ہوا غلط ہو سکتا ہے اس کے باوجود آپ پرہیز کرتے ہیں لیکن اللہ کی نبی کی بتائی ہوئی بات کبھی غلط نہیں ہو سکتی اگر اس کے خلاف کرو گے تو جو نتیجہ اللہ کے نبی نے بتایا ہے یقیناً سامنے آئے گا تو یہاں آ کے پتہ چلتا ہے کہ ہمیں لا الہ الا اللہ پڑھنے کے باوجود اللہ کے نبی پر اتنا بھی اعتماد

نہیں جتنا اعتماد ہم ڈاکٹر پہ کرتے ہیں یا ڈاکٹر کی مشین پر کرتے ہیں جو بتاتی ہے کہ بلڈ پریشر ہے یا شوگر ہے تو مومن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے رسول کی بات پر اتنا اعتماد کرے جتنا کسی دوسرے پر اعتماد ہوتا ہی نہیں توحید کا یہ پہلا سبق جو اللہ کے نبی نے پڑھایا وہ یہ ہے اب توحید کے مقابلے میں آتا ہے شرک۔

شرک کا مفہوم اور اس کا حکم

شرک کا مفہوم یہ ہے کہ مخلوق خالق سے ہٹ کر مخلوق سے جڑ جاتی ہے اور توحید کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق کو مخلوق سے توڑ کر اللہ سے جوڑ دیا جائے تو شرک اللہ تعالیٰ کے حق میں بدترین قسم کا جرم ہے یہی وجہ ہے کہ ہر گناہ کی بخشش کی امید دلائی گئی ہے لیکن شرک کے بارے میں قرآن کریم میں اعلان کردیا گیا کہ شرک اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا تو نہ خود اپنے مفاد کی بناء پر شرک کرنا جائز نہ کسی کے کہنے کی بناء پر کرنا جائز قرآن وحدیث کے اندر اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیدہ حقوق والدین کے بتائے گئے ہیں والدین کو رب مجازی کہتے ہیں کہ پیدا اللہ کرتا ہے لیکن ہم پیدا والدین کی وساطت سے ہوتے ہیں پرورش اللہ کرتا ہے لیکن والدین کی وساطت سے ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں اپنے حقوق ذکر کیے ہیں والدین کے بھی ذکر کیے ہیں والدین سے اچھا معاملہ کرو لیکن ساتھ ہی فوراً یہ بات کہہ دی گئی قرآن کریم میں دو جگہ اس کا ذکر ہے کہ اگر والدین بھی تمہیں مجبور کریں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ تو والدین کے کہنے پر بھی میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا اور ایک جگہ سورۃ عنکبوت میں اس آیت کا شان نزول لکھا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے ہیں ان کی والدہ کو جب پتہ چلا تو اس نے بھوک ہڑتاں کردی اور کہا کہ میں کھاؤں گی نہیں مرجاؤں گی جب تک سعد اپنے پچھلے دین میں واپس نہیں آتا اور سعد اس بارے میں پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت آئی کہ والدین کہیں پھر بھی شرک کرنا جائز نہیں باوجود اس بات کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رضا والد کی رضا

میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ پابندی لگا دی کہ شرک کا ارتکاب والدین کے کہنے کی بناء پر بھی نہیں کرنا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو مجبور کیا انہوں نے کہا بالکل نہیں **لقد جاءنی من العلم مالم یاتك۔** میرے پاس علم آ گیا جو آپ کے پاس نہیں آیا تو آپ پیچھے لگیں۔ میں آپ کے پیچھے نہیں لگ سکتا۔ علم کے پیچھے چلو گے تو تمہیں سیدھا راستہ ملے گا۔ تو والد کی بات ابراہیم علیہ السلام نے نہیں مانی تو ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ ہمارے سامنے ہے کہ شرک سے باہر صورت بچا جاتا ہے۔ اور شرک کرنا کسی وجہ سے بھی جائز نہیں للہ کے علاوہ نہ کسی کو مصیبت کے وقت پکارا جاسکتا ہے یہ بھی شرک ہے اس لیے یاد رکھیے یہ لوگوں میں عام طور پر جہالت کی بناء پر یا علی مدد مولیٰ علی مدد یہ جملہ شرکیہ ہے اس طرح سے کہنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں یا غوث مدد یا علی مدد یا رسول اللہ مدد یہ بالکل جائز نہیں ہے غائبانہ نہ پکار مدد کے لیے ہوسکتی ہے تو صرف اللہ کو پکارا جاسکتا ہے کسی اور کو نہیں پکارا جا سکتا اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو سجدہ نہیں کیا جاسکتا۔

قبر کو سجدہ کرنے کا حکم

یہ قبروں پہ جا کے سجدہ کرتے ہیں یہ شرک ہے اس کی اسلام میں بالکل گنجائش نہیں۔ ایک دفعہ ایک صحابی کہیں سفر پر گئے تو وہاں دیکھا کہ قوم اپنے سردار کو سجدہ کرتی ہے اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ تو تعظیم کرنے کا بڑا اچھا طریقہ ہے ہم بھی اللہ کے رسول کو سجدہ کیا کریں گے جب وہ واپس آئے آ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا یا رسول اللہ میں فلاں علاقے میں گیا تھا میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں تو میں نے دل میں خیال کیا کہ آپ اس سجدے کے زیادہ مستحق ہیں آپ ہمیں اجازت دیں ہم آپ کو سجدہ کیا کریں گے آپ نے فرمایا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر کل کو میری قبر کو پاس سے گزرو گے کیا میری قبر کو بھی سجدہ کرو گے صحابی کہنے لگا یا رسول اللہ

نہیں قبر کو تو سجدہ نہیں کریں گے فرمایا جب قبر کو سجدہ نہیں کرنا تو عبادت اپنے رب کی کرو۔ عبادت رب کی ہے کسی دوسرے کی نہیں تو سرور کائنات نے اپنی قبر کو بھی سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی اپنے لیے سجدے کی اجازت نہیں دی کسی دوسرے کے لیے تو کیا گنجائش نکل سکتی ہے اللہ کے رسول کے لیے سجدہ نہیں اللہ کے رسول کی قبر کے لیے سجدہ نہیں تو کسی اور کے لیے یا کسی اور کی قبر کے لیے سجدے کا کیا سوال؟ (ابوداؤد ص ۱/۲۹۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آخری بیاری میں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا آپ بار بار اسبات کا اظہار فرما رہے تھے **لعن الله اليهود والنصارىٰ اتخدوا قبور انبياء هم مساجد**۔ (بخاری ص ۱۸۷)

اللہ تعالیٰ یہود و انصاری پر لعنت کرے انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تو یہودی اور نصرانی اگر نبی کی قبر کو سجدہ کریں تو اللہ کا رسول اس کے اوپر لعنت کرتا ہے تو اللہ کے رسول کے بعد کون دوسرا ہے جس کی قبر کے متعلق ہم کہیں کہ وہاں جا کے سجدہ کرنا ٹھیک ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان لوگوں پر لعنت کی گئی جنہوں نے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔

نبیوں اور ولیوں کی قبروں پر سجدے

اس سے ایک اور بات بھی سمجھ لیجئے

نبیوں نے اپنی زندگی میں توحید کی تعلیم دی توحید کا بیان اگلے بیان میں کریں گے۔ انشاء اللہ یہ تو موٹی سی بات ہے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد شیطان نے انسان کو بہکا کر انہی کو ہی شرک کا ذریعہ بنا دیا اس میں ان کا کوئی قصور نہیں قصور پچھلوں کا ہے اس لیے اولیاء اللہ کی قبروں پر جا کے لوگ شرک کرتے ہیں یہ سجدے کرتے ہیں ان کی ان حرکتوں کی بناء پر اللہ کے ولی کے متعلق آپ کوئی بدگمانی نہ لائیں۔ اللہ کے نبیوں نے توحید کا سبق دیا۔ تو شیطان نے ان کے مقبروں کو معبود بنا کے کھڑا کر دیا۔ اسی طرح سے ولیوں کے متعلق بھی شیطان یوں ہی چکر دیتا ہے تو پچھلے لوگوں کا قبر کو سجدہ کرنا اس

میں نہ نبیوں کا قصور ہے نہ ولیوں کا قصور ہے یہ قصور پچھلوں کا ہے۔

یہ شرک ہے کہ قبر پر جا کے سجدے کرنا یا قبر کے ارد گرد طواف کرنا جس طرح سے بیت اللہ کا طواف ہوتا ہے۔ یا اس نیت کے ساتھ وہاں چڑھاوے چڑھانا کہ یہ ہماری مصیبت ٹال دیں گے ہمارے فلاں مقصد کو پورا کر دیں گے اور ہمارے رزق میں برکت ہوگی۔ یہ سارے کے سارے کام وہی ہیں جو مشرک کرتے تھے ور سرور کائنات نے ان چیزوں سے روکا تھا۔ تو ہم سب کو چاہیے کہ ان بری رسموں سے بچیں شرک سے بچیں کیونکہ شرک سے بڑھ کر کوئی دوسرا جرم نہیں اس کی مغفرت نہیں ہوگی تو حضور ﷺ کا پہلا سبق تھا **قولو لا اله الا الله تفلحوا** (مسند احمد رقم ۱۵۴۴۸) یہ توحید کا تھا۔ پھر انشاء اللہ العزیز آئندہ اسی توحید و شرک کے متعلق وضاحت کروں گا کہ توحید کیا ہے اس کے مقابلے میں شرک کیا ہے۔ یہ شرک کے کچھ آثار اور شرک کی کچھ رسمیں ان کا ذکر آپ کے سامنے کیا ہے اللہ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وما علینا الا البلاغ المبین.

قیامت کے دن حضور ﷺ کی سفارش:

سوال: عرض یہ ہے کہ کیا سرور کائنات ﷺ سفارش کریں گے۔

جواب: بڑی سفارش جس کو شفاعت کبریٰ کہتے ہیں جس کے ساتھ حساب وکتاب شروع ہوگا۔ وہ سرور کائنات کا ایک مقام اور منصب ہے یہ شفاعت کبریٰ ہے اس کے بعد جب حساب وکتاب شروع ہوگا تو ہر نبی اپنے دور کے مومنین جو اس پر ایمان لائے ان کے لیے وہ سفارش کریں گے اور سرور کائنات ﷺ بالخصوص اپنی امت کے گناہگاروں کے لیے جو اللہ کی طرف سے نار کے مستحق ہوں گے۔ سفارش کریں گے بہرحال سرور کائنات کا خاص حصہ شفاعت کبریٰ ہے لیکن یہ سفارش کافر اور مشرک کے لیے نہیں ہوگی اور یہ بات یاد رکھیے کہ جب ایک نبی کا دور ختم ہوتا ہے۔ دوسرے نبی کا دور شروع ہوتا ہے پہلے نبی کے امتی وہی سمجھے جاتے ہیں جو دوسرے نبی کے آنے سے

پہلے پہلے گزرے ہیں۔ اور جب دوسرا نبی آجائے اس کے بعد اگر کوئی پہلے نبی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے گا وہ اس نبی کا امتی نہیں سمجھا جائے گا۔ یہ اصول ذہن میں رکھ کے پھر بات کو سمجھو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہودی ایمان لائے تو موسیٰ علیہ السلام کے امتی وہی ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے دور سے پہلے کے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کے بعد جو عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کردے وہ کافر ہوگئے اور کافر کو کسی نبی کا امتی نہیں کہا جاتا۔ اس لیے موجودہ یہودی موسیٰ علیہ السلام کی امت نہیں ہیں اگرچہ اپنے آپ کو ادھر منسوب کریں۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ کافر ہیں عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنے کی بناء پر موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا دور شروع ہوا تو جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے وہ عیسیٰ علیہ السلام کے امتی کہلائیں گے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد عیسیٰ کا دور ختم ہوگیا اب جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے چاہے وہ اپنے آپ کو عیسائی کہلوائیں اور اپنے آپ کو عیسیٰ کی طرف منسوب کریں۔ لیکن عیسیٰ کی امت نہیں کیونکہ کوئی کافر کسی نبی کا امتی نہیں ہوتا۔ اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کی امت وہی ہے جو حضور کے آنے سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دور جواب شروع ہوا یہ قیامت تک چلے گا۔ اب صرف مومن وہی ہے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اور آپ کی نبوت کے ضمن میں سارے نبیوں پر ایمان لائے لیکن اتباع صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرے ب دور صرف اسلام کا ہے نہ عیسائیت کا ہے نہ یہودیت کا ہے یہ یہودی اپنے آپ کو بے شک سمجھیں کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی امت ہیں لیکن حقیقت میں موسیٰ علیہ السلام کی امت نہیں عیسائی بے شک اپنے آپ کو سمجھیں کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کی امت ہیں لیکن یہ حضرت عیسیٰ کی امت نہیں کیونکہ کافر کسی نبی کی امت نہیں ہوا کرتا۔

سوال: عرض یہ ہے کہ ہم دورہ حدیث شریف پڑھ کر فارغ ہوجاتے ہیں لیکن ہمیں اپنے اکابر دیوبند کے عقائد کا علم نہیں ہوتا اس لیے المھند علی المفند کو شامل نصاب کیا جائے۔

جواب: المھند جو چھوٹا سا رسالہ ہے میں جو عقائد آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں یہ عقائد علمائے دیوبند کے ہی ہیں اور المھند میں صرف ۲۲ یا ۲۳ سوال ہیں جن کے جواب علمائے دیوبند نے دیے تھے۔ جو رسالے کی شکل میں چھپ گئے وہ تو آپ کو ایک دن میں پڑھایا جاسکتا ہے۔ اس لیے ایسی کوئی بات نہیں۔ اور یہ باتیں جو آپ کر رہے ہیں ساری علمائے دیوبند ہی کے عقائد کی ہیں۔

سفید پگڑی

سوال: مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ ﷺ سے جو سفید پگڑی باندھنا ثابت ہے اس کا حوالہ بتادیں۔

جواب: سفید پگڑی کا ذکر حدیث شریف میں صراحتاً نہیں آیا۔ سفید لباس پہننے کی ترغیب حضور ﷺ نے دی ہے۔ اس سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ پگڑی بھی سفید ہو تو آپ کے نزدیک پسندیدہ ہے ویسے کپڑوں کے رنگ کی کوئی خصوصیت شریعت میں نہیں ہے حدیث شریف میں جو الفاظ آتے ہیں وہ یہی ہیں کہ حضور ﷺ نے سبز کپڑے بھی استعمال فرمائے یہ بھی ہے کہ سفید استعمال فرمائے یہ بھی ہے کہ سیاہ کپڑا استعمال فرمایا نہ تو دائما آپ اپنے کپڑوں کو سیاہ رکھتے تھے۔ جس کی بناء پر کالی کملی والے مشہور ہوگئے یہ ایسے میراثیوں کی گائی ہوئی بات ہے کپڑے آپ نے دوسرے رنگوں کے بھی استعمال کئے ہیں رنگوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے لیکن گا گا کے انہوں نے ایسا تصور بٹھایا۔ کہ جب کالی کملی والا کہیں تو حضور ﷺ کی طرف توجہ جاتی ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہمیشہ کندھے کے اوپر کالی کملی رکھتے تھے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔

یمن سے چادریں آتی تھیں۔ دھاری دار جس میں سرخ دھاری ہوتی تھی وہ دور سے کپڑا سرخ معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے حلۃ حمراء کا جہاں ذکر آتا تو وہاں یہی بتایا جاتا ہے کہ سرخ دھاری دار مراد ہے۔ جس میں سبز دھاڑیاں ہوتی تھیں وہ دور سے سبز معلوم ہوتا تھا تو اصل کے اعتبار سے وہ دھاری دار کپڑا ہے سیاہ دھاریاں ہوں۔ تو دور سے دیکھنے سے سیاہ معلوم ہوتا ہے تو رنگ کی کوئی خصوصیت نہیں ویسے عملاً حضور ﷺ کی

پگڑی جو ثابت ہے تو عمامہ سوداء کا ذکر ہے کالی پگڑی آپ نے باندھی ہے اس کا ذکر تو صراحتاً ہے باقی کسی اور رنگ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے نہ سبز کی نہ سفید کی سبز بھی باندھ سکتے ہیں لیکن اس کو سنت نہ کہیں سفید بھی باندھ سکتے ہیں لیکن اس کو سنت نہ کہیں۔ مطلقاً پگڑی سنت ہے رنگ کوئی بھی ہو لیکن جب عملی سنت کی اتباع کرنی ہے کہ حضور ﷺ سے عملاً ثابت کیا ہے تو عملاً حدیث شریف میں صرف سیاہ پگڑی کا ذکر ہے کسی اور رنگ کا ذکر میرے سامنے نہیں ہے اس وقت میرے سامنے کوئی حوالہ نہیں ہے۔

دور حاضر میں جہاد کا حکم

سوال: عرض ہے کہ آج کل حضرت مولانا مسعود اظہر صاحب نے جہاد کو فرض عین کہا ہے۔ کیا آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں جبکہ ہمیں پڑھایا یہ جاتا ہے جب جہاد فرض عین ہو جائے تو کسی کو گھر رہنے کی اجازت نہیں اس بارے میں آپ تصدیق کرتے ہیں یا تردید کرتے ہیں اگر تصدیق فرماتے ہیں تو ہم پھر یہاں کیوں بیٹھے ہیں۔

جواب: اصل بات یہی ہے کہ مولانا مسعود صاحب چونکہ ایک جماعت میں لگے ہوئے ہیں جس آدمی پر کسی کام کا جذبہ چڑھا ہوا ہوتا ہے اس کی زبان اور دل کے جذبات میں لازماً ایک شدت آجاتی ہے آپ کسی تبلیغی جماعت والے سے تبلیغ کے متعلق تقریر سنیں گے تو یہاں آپ کو یہ تاثر ملے گا کہ تبلیغ کے علاوہ شاید دین کا اور کوئی کام ہے ہی نہیں اور جو ختم نبوت کے محاذ پہ کام کر رہے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اصل کام یہی ہے کہ مرزائیت کی تردید کرو جو قادیانی کی تردید نہیں کرتا وہ اپنے محاذ کو چھوڑے بیٹھا ہے اور اعظم طارق صاحب اور ہمارے مولانا حق نواز صاحب کی تقریر سنو تو آپ سمجھیں گے کہ محاذ یہی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی محاذ ہے ہی نہیں جو اس محاذ پہ کام نہیں کرتا وہ بہت بڑی کوتاہی کر رہا ہے تو یہ سارے کے سارے اپنے جذبات کے تحت سچے ہیں کیونکہ جس وقت تک انسان کو کسی کام کا جنون نہ چڑھے اس وقت تک پوری قربانی دینے کے لیے انسان تیار نہیں ہوتا لیکن جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے یہ سارے کے سارے

حضرات اپنا فرض ادا کر رہے ہیں جن کے اوپر اس بات کا غلبہ ہے اور ہم لوگ جو بیٹھے ہیں ان سب حضرات کے لیے بیٹھے ہیں کہ یہیں سے تیار ہو کر اعظم طارق کو مجاہد ملتے ہیں یہیں سے تیار ہو کر ختم نبوت والوں کو مجاہد ملتے ہیں۔ یہیں سے تیار ہو کر دوسرے مجاہدین کو مجاہد ملتے ہیں اس لیے مدارس ان سب کے لیے ایسے ہیں جس طرح جہاد میں ایک فوج محاذ پہ لڑ رہی ہے لیکن اسلحہ بنانے والے زمین دوز فیکٹریوں میں گھسے ہوئے ہوتے ہیں اور اسلحہ بنا رہے ہوتے ہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ جہاد نہیں کر رہے۔

اگر خندق کے اندر گھس کر اسلحہ بنانا چھوڑ دیں تو فوج کی طاقت ختم ہو جائے گی فوج محاذ پر کیا لڑے گی اس لیے جو اسلحہ بناتا ہے یا کسی تربیتی سنٹر کے اندر تربیت دیتا ہے براہ راست محاذ پہ نہیں ہے جب تربیت دے رہا ہے بچوں کو پڑھا رہا ہے سکھا رہا ہے وہ بھی ایسے ہے جس طرح سے محاذ پہ لڑنے والی جماعت یہ سارے کا سارا سلسلہ ایک ہی ہے ہمارے ذہن میں موجود ہے کہ ہم جو محنت کر رہے ہیں خدا کے منکر لوگوں کے خلاف کر رہے ہیں عیسائیوں کے خلاف کر رہے ہیں یہودیوں کے خلاف کر رہے ہیں قادیانیوں کے خلاف کر رہے ہیں اس لیے جہاد کی جڑ یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ اور محاذ تک پھیلتی ہیں۔

تو یہ سارے کا سارا جہاد کا سلسلہ ہے اس لیے ہم بھی جہاد میں لگے ہوئے ہیں۔ ہم جہاد سے باہر نہیں ہیں کیونکہ ہماری نیت یہی ہے کہ آپ کو ہم انہی محاذوں کے لیے تیار کرتے ہیں۔

فوج ساری کی ساری محاذ پہ نہیں جایا کرتی۔ جوان کو ٹریننگ دیتے ہیں۔ وہ بھی فوجی ہوتے ہیں جو زمین کے اندر گھس کے تہہ خانوں میں اسلحہ بناتے ہیں۔ وہ بھی فوجی ہوتے ہیں ہر ایک کا کام اپنا اپنا ہوتا ہے لیکن یہ سارے کے سارے ایک سمجھے جاتے ہیں۔ اس لیے جو اس نیت سے کام کرتے ہیں وہ اس فرض کو اداء کر رہے ہیں ہم جہاد سے باہر نہیں ہیں۔

اسلام غریبوں کے حقوق کا محافظ ہے

بمقام: مسجد نور کبیر والا

بموقع: خطبہ جمعہ

تاریخ: ۱۳۸۹ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

وَقَالَ الْمَلَاءُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ الایة.

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی.

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

وَقَالَ الْمَلَاءُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ الاية.

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ

❀❀❀❀

حق کی مخالفت با اقتداروں نے کی

یہ ایک کھلی اور واضح حقیقت ہے کہ جب بھی کوئی داعی حق کھڑا ہوا تو اس کی مخالفت کرنے والے سرمایہ دار اور با اقتدار لوگ پیش پیش رہے حق کا مقابلہ کرتے رہے اور ہمیشہ انہی لوگوں نے حق کے استیصال کی کوشش کی اور حق انہیں کو یک کڑوا گھونٹ نظر آیا مگر وہ جماعت قدسیہ داعی حق پیکر امن وامان اور غریبوں کے سہارا ان ظالموں کے ظلم وستم اور جبر وتشدد کو برداشت کر کے بھی بھوے بھٹکے اور گمراہوں اور ناشنا سان خدا کو خدا سے ملانے کے لیے کوشاں رہے ان کے رات دن انہیں کی فکر میں کٹتے رہے مگر یہ سرمایہ دار اور بااقتدار لوگ خدا اور اس کے رسوں کے باغی بن کر اپنی بغاوت کا علم بلند کرتے رہے۔ اور یہی سرمایہ دار اور بااقتدار وگ تھے جو غریبوں کا گلہ دباتے رہے ان کا خون چوستے رہے ان کی حق تلفی کرتے رہے غریب بیچارے ان کے ظلم کی چکی میں پستے رہے۔

اہل حق نے غریبوں کو سہارا دیا

لیکن جو بھی اللہ کی طرف سے داعی حق بن کر آیا اس نے غریبوں کو ان کے حقوق دلانے کی پوری کوشش کی سرمایہ داروں کے پنجے سے اور ان کے ظلم وستم سے نجات دلانے کی کوشش کی۔ چونکہ سرمایہ دار خوب سمجھتے تھے کہ یہی وہ دین ہے جو ہماری اس من مانی زندگی پہ پانی پھیر دے گا۔ اور امیر وغریب کو ایک صف میں لا کھڑا کرے گا۔ حاکم محکوم آقا غلام مالک مملوک سب کے لیے ایک ہی قانون پیش کر کے ان کی قانونی حیثیت یکساں کر دے گا۔ غریبوں پر ان کی دست درازیاں ختم ہو جائیں گی اور وہ جانتے تھے کہ یہی وہ قانون خداوندی ہے کہ اگر ایک وقت میں غریب کو حاکم کے سامنے آنے پر مجبور کرتا ہے تو امیر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ اگر غلام دربار میں مجرم بن کر سزا پاتا ہے تو آقا کو بھی معاف نہیں کرتا اگر عدالت میں محکوم گھٹنے ٹیک کے بیٹھتا ہے تو حاکم کو بھی کرسی نہیں مل سکتی اس کو بھی گھٹنے ٹیک کے بیٹھنا پڑتا ہے اس لیے

سرمایہ داروں نے سرمایہ داری اور با اقتدار طبقہ نے اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے ہمیشہ اہل حق کی مخالفت کی اور غریب پر برابر ظلم کرتے رہے اور اہل حق ہی غریبوں کا سہارا بنتے رہے اور ان کو ظالموں اور خون خوار درندوں کے ظلم سے نجات دلاتے رہے چونکہ غریب بھی اس حقیقت کو جانتے تھے کہ ان کے دکھوں کا اگر کوئی مداوا ہے تو یہی وہ قانون خداوندی ہے دنیا کے مظلوموں کو انکے حقوق دلانے والا انکے حقوق کی طرف داری کرنے والا ہے تو وہ قانون اسلام ہے اگر ان کے حقوق کی حق تلفی کرنے والوں کو چیلنج کرتا ہے ان کو تہہ و بالا کر دیتا ہے ان کو کچل دیتا ہے اور ان کو جھنجھوڑتا ہے تو وہ یہی قانون الٰہی ہے غریب ہمیشہ اسی میں اپنی نجات سمجھتے رہے۔

حق کی دعوت قبول کرنے والے غریب تھے

چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ان حق کے داعیوں کی صدا پر لبیک کہنے والے یہی غریب لوگ تھے۔ اور مخالفت کرنے والے سرمایہ دار اور با اقتدار لوگ تھے قرآن کریم نے تاریخ کے اس وسیع حصے کو محفوظ رکھا ہے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کا یوں ذکر ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ یعنی نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا قوم نوح علیہ السلام کی طرف پس نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے میری قوم تم یک اللہ کے قائل ہو جاؤ اور اسکی مرضی اور اس کے نافذ کردہ قانون کے مطابق زندگی بسر کرو اپنی من منیاں چھوڑ دو ان کی قوم کے با اقتدار اور سرمایہ داروں نے مخالفت کی قال الملامن قومه انا لنراك في ضلال مبين. ان کی قوم کے با اقتدار اور سرمایہ دار طبقہ نے کہا ہم تمہیں بلاشبہ صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں اور ہود علیہ السلام کا یوں ذکر ہے والی عادا خاهم هوداً قال يقوم قعبد والله ما لكم من اله غيره اے میری قوم اس کے قانون کے تحت زندگی بسر کرو اس کے پیش کردہ اصول زندگی اپناؤ اسی کو اپنا خدا سمجھو تو اب بھی سرمایہ دار سامنے آئے قال الملا الذين كفرو من قومه انا لنراك في سفاهة وانا لنظنك من الكاذبين۔ اے

ہود علیہ السلام تو تو ہمیں بے وقوف نظر آتا ہے اور ہم تو تجھے جھوٹا سمجھتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بھی موجود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دعوت حق دی اور معجزات دکھائے معجزات دیکھ کر سرمایہ داروں نے کہا قال الملاء من قومه ان هذا لساحر عظيم۔ یہ تو جادوگر ہے اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت پر بھی مخالفین کو ملاء کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے قال الملاء الدين كفرو من قومه لئن اتبعتم شعيبا انكم اذا لخاسرون کہ اگر تم نے شعیب کی اتباع کی تو یہ سودا خسارے کا ہے یہ کہنے والا طبقہ بھی الملاء یعنی سرمایہ دار طبقہ ہے تو قرآنی شہادتیں ہیں کہ ہمیشہ سرمایہ دار اور با اقتدار طبقے نے انبیاء کی مخالفت کی اور غریبوں پر ظلم وستم کیا لیکن غریبوں نے نبیاء کی دعوت کو قبول کیا یہ تو تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء کی تاریخ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت آیا تو اس وقت بھی غریب اور غلام امیر اور آقا کے ظلم کی چکی میں پس رہے تھے ان کی حق تلفی ہو رہی تھی ان کے حقوق دبائے جا رہے تھے امیروں نے ان کا خون خشک کر رکھا تھا۔ اور امیروں کے ظلم وستم اور جبر وتشدد کا نشانہ بنے ہوئے تھے بلکہ غلاموں اور غریبوں پر ظلم وستم کو اپنا مشغلہ سمجھتے تھے چند امیر جمع ہو جاتے اور سامنے غلام کو کھڑا کر کے نیزہ مارتے جب اس کو نیزہ لگتا اور یوں مچھلی کی طرح تڑپتا تو یہ ظالم ہنستے اور اپنا دل بہلاتے خوش ہوتے یہ ان کا تفریحی مشغلہ تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طبقے کا ساتھ دیا

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو طبقوں میں سے کس کا ساتھ دیا اور کس طبقے کے ساتھ مل کے رہے تاریخ گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں کا ساتھ دیا۔ غریبوں جیسے بن کے رہے اور اپنی اولاد کو غریبوں کی اولاد کے ساتھ ملایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خطوط اور مراسلات کے ذریعے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کی ہے تو آپ نے قیصر روم کو جس کا نام ہرقل تھا اس کو بھی دعوت نامہ بھیجا۔ اَسْلِمْ تَسْلَمْ اسلام سے آ بچ جائے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بچ جائے گا یُؤْتِیْكَ اللّٰهُ

اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ اللہ تعالی تجھے دھرا اجر دے گا تجھے اپنے ایمان رنے کا اجر بھی ملے گا اور رعایا کے ایمان کا بھی اجر ملے گا فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْيَرِيْسِيِّيْنَ۔ اور اگر تو نے روگردانی کی اسلام نہ لیا تو یہ درکھ کہ تیرے اوپر دگنا بوجھ ہوگا تیرا بھی اور تیرے رعایا کا بھی۔

ہرقل اور حضرت ابوسفیان کا مکالمہ

جب حضور ﷺ کا دعوت نامہ پہنچا تو اس نے پڑھ کر پوچھا کہ یہاں کوئی عرب کا قافلہ آیا ہوا ہے تفتیش کی معلوم ہوا کہ مکہ سے تجارت کے لیے ایک قافلہ آیا ہے۔ بلایا بلا کر پوچھا کہ کیا تم میں مدعی نبوۃ کا کوئی رشتہ دار بھی ہے کیونکہ اس نے سرور کائنات کے حالات معلوم کرنے تھے اور اپنا زیادہ جانتا ہے پرایوں کو اتنا پتہ نہیں ہوتا حضرت ابو سفیان جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ بولے کہ میں رشتہ دار ہوں چنانچہ ان کو آگے بٹھایا اور باقیوں کو پیچھے بٹھایا اور کہا کہ میں اس سے چند باتوں کے متعلق سوال کرتا ہوں اگر یہ کہیں غلط بیانی کرے اور جھوٹ بولے تو تم فوراً اس کی تکذیب کر دینا تو جو اس نے سوالات کیے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ اس پر ایمان لانے والے با اقتدار اور سرمایہ دار ہیں یا ضعفاء اور غریب لوگ ہیں حضرت ابوسفین نے جواب دیا کہ ایمان لانے والے تو غریب ہیں س پر ہرقل نے کہا کہ میں نے جو آپ سے پوچھا کہ ایمان لانے والے امیر ہیں یا غریب سرمایہ دار ہیں یا سرمایہ دار نہیں ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ غرباء اور ضعفاء ہیں تو انبیاء کی اتباع کرنے والے ان کی صدا پر لبیک کہنے والے یہی غریب ہوتے ہیں۔ یہاں بھی مخالفت کرنے والے ملاء ہیں امیر ہیں سرمایہ دار اور با اقتدار لوگ ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کو جھنجھوڑا لیکن دیکھیں کہ حضور ﷺ نے کیسے زندگی گزاری حضور ﷺ کا ہر فعل اور قول اللہ کے حکم کے تحت ہوتا ہے وما ینطق عن الھوی وہ اپنی خواہش سے بولتا بھی نہیں ان ھوالا وحی یوحی جو بولتا ہے وہ وحی الٰہی ہوتی ہے وحی دو قسم پر ہے متلو اور غیر متلو وحی متلو قرآن ہے اور غیر متلو

حدیث ہے ایک صحابی غالباً حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں ان کی عادت تھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنتے فوراً لکھ لیتے دوسروں نے روکا کہ ہر بات نہ لکھا کرو کیونکہ طبیعت کے رنگ مختلف ہوتے ہیں کبھی غصے کی حالت ہوتی ہے کبھی غم کی حالت ہوتی ہے کبھی خوشی کی حالت ہوتی ہے ہوسکتا ہے کہ تم غصے کی حالت کی کوئی بات لکھ لو اور وہ لکھنے کی نہ ہو حضرت عبداللہ بن عمرو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا کہ مجھے اس طرح سے روکا جاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سنو لکھ لو کیونکہ اس منہ سے سوائے حق کے کچھ نکلتا ہی نہیں (ابوداؤد ص ۲/۱۵۷) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو بولتے حکم الٰہی کے تحت بولتے۔ اور اگر کبھی کوئی غلطی ہو بھی جائے تو آپ کا خدا سے تعلق اسقدر مضبوط ہے کہ ادھر سے اطلاع کر دی جاتی ہے اور فوراً تنبیہ ہو جاتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپکا طرز تعلیم حکم الٰہی کے تحت تھا تو عرض یہ کیا تھا کہ مومنین غرباء تھے۔

غرباء کی حمایت اللہ نے کی

قرآن میں یہ واقعہ موجود ہے کہ بڑے بڑے سرمایہ دار کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ آپ کے پاس چونکہ زیادہ غریب آکر بیٹھتے ہیں ہم بھی اگر انہی کی صف میں آکر بیٹھیں تو اس میں ہماری توہین ہوتی ہے لہذا اگر آپ ان کو اپنے پاس آنے سے روک دیں تو ہم آپ کے پاس آنے کو تیار ہیں لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں کا ساتھ نہیں چھوڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پورا پورا ساتھ دیا ور امیر وغریب کی مساوات کی کوشش کرتے رہے نبی تو آتا ہی امیر وغریب کی مساوات کے لیے ہے اگر وہ بھی امیروں کے ساتھ ہو جائے تو غریبوں کا کیا ٹھکانہ غریبوں کی کون سنے غریبوں کے آنسو کون صاف کرے غریبوں کی پشت پناہی کون کرے جب کفار نے یہ کہا فوراً اللہ پاک کی طرف سے وحی آئی ولا تعدعیناك عنهم تريد زينة الحياة الدنيا ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا (مسلم ص ۲/۲۶۰) طالب دنیا بن کر ان کا ساتھ مت چھوڑیئے اور ان کے پیچھے مت لگ جائیے جو دنیا کے طالب ہیں اور ذکر الٰہی سے اور آخرت سے غافل ہیں۔

غریب سے معمولی اعراض پر تنبیہ الٰہی

اسی طرح ایک دفعہ سرور کائنات ﷺ روساء قریش کے ساتھ باتوں میں مشغول تھے حضور ﷺ کے ایک غریب و نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم تشریف لے آئے اور بولے تو قریش کے ان سرمایہ دار طبقہ سے جو حضور ﷺ کی باتیں ہو رہی تھیں اس میں قطع کلامی ہوگئی تو اب دیکھئے سرور کائنات ﷺ نے جھڑکا نہیں زبان سے بولے کچھ نہیں صرف کچھ تیور بدلے تو اللہ نے اس کو بھی برداشت نہیں کیا اللہ نے حضور ﷺ شکوہ کیا عبس وتولی ان جاءہ الاعمی کہ ایک غریب نابینا صحابی کے آنے سے آپ کے تیور بدل گئے اور آپ نے اس کو برا منایا آپ اس کو برا نہ منائیں تو سرور کائنات ﷺ نے تھوڑا سا امیر غریب میں فرق کیا اور فرق بھی اس لیے کیا کہ ان کے مسلمان ہونے کا طمع تھا لیکن اللہ پاک نے اس فرق کو بھی برداشت نہیں کیا فوراً تنبیہ کی عبس وتولی ان جاءہ الاعمی چنانچہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم بعد میں جب تشریف لاتے تو حضور ﷺ فرماتے عاتبنی فیہ ربی کہ انہی کے بارے میں میرے رب نے مجھے عتاب کیا۔ (غیبر بحا بین) اور جب جہاد پر جاتے تو پیچھے ان کو مسجد کا امام بناتے اس طرح پھر ان کی تسلی فرماتے تو اسلام نے امیر غریب کے فرق کو براوشت نہیں کیا بلکہ امیر وغریب کو مساوی حقوق دیئے ہیں اور سرور کائنات ﷺ نے ہمیشہ غریبوں کا ساتھ دیا اور غریبوں کے ساتھ رہے ہیں۔

حضور ﷺ نے غریبوں جیسی زندگی گزاری

اور ہمیشہ آپ نے یہی تمنا کی ہے کہ مجھے غریبوں کے ساتھ رہنا سہنا نصیب ہو آپ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ کہ اے اللہ مجھے مسکینوں کی طرح زندہ رکھ اور مسکینوں کی طرح خاتمہ ہو اور مسکینوں میں ہی میرا حشر ہو (ترمذی ص ۶۰ ج ۲) اب ذرا حضور ﷺ کی زندگی کو دیکھو کہ انہوں نے کیسے زندگی گزاری امیروں جیسی یا غریبوں جیسی جب آپ کو غریبوں

سے ہمدردی تھی تو خود بھی غریب بن کے رہے جب تک بھوکوں کو کھلا یا نہیں خود کھایا نہیں جب تک غریبوں کو آرام کے سانس نصیب نہیں ہوئے تو خود چین سے نہیں بیٹھے جب ہمارے سامنے سرور کائنات ﷺ کی زندگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں ہیں تو ہم چین اور ماوزے تنگ کا نام لے کر لوگوں کو کیوں نمونے پیش کرتے ہیں ور جب اسلام ہمارے سامنے ہے اسلامی تعلیمات ہمارے سامنے ہیں تو ہمیں کارل مارکس کے دروازے کھٹکھٹانے کی کیا ضرورت ہے ان سے بھیک مانگنے کی کیا ضرورت ہے اللہ تعالیٰ سرور کائنات ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے مطالعہ کی توفیق دے کیا تمہیں واقعہ یاد نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارا چولہا دو دو مہینہ تک گرم نہیں ہوتا تھا کچھ پکانے کے لیے نہ ہوتا تھا (بخاری ص ۹۴۳ ا) اور غزوہ خندق کے موقع پر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھود رہے تھے اور ٹوکریاں اٹھا رہے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ بھی ٹوکری اٹھا رہے ہیں اور آپ کا پیٹ خاک آلود تھا آج کا محاورہ ہے ہم نے پیٹ پر پتھر باندھ کر سرمایہ جوڑا ہے ہمیں کیا پتہ فاقہ کیا ہوتا ہے اور فاقے کی کیا تکلیف ہوتی ہے اس کو ہم کہاں سمجھ سکتے ہیں اس کو وہ غریب سمجھتے تھے جو کئی دن فاقے میں گزارتے تھے کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں ملتا تھا وہ کچھ سکون حاصل کرنے کے لیے اور بھوک کی تکلیف کو کم کرنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔

کیونکہ جب پیٹ خالی ہو اگر پیٹ کو اندر دبا دیا جائے تو کچھ نہ کچھ سکون ہو جاتا ہے جیسے کسی کے پیٹ میں درد ہو تو وہ بے تاب ہو کر بے بے کرتا ہے اور پیٹ کو دباتا بھی ہے تاکہ سکون حاصل ہو اسی طرح جب ان کو بھوک زیادہ ستاتی تھی تو وہ سکون حاصل کرنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے آج جو محاورہ ہے اس وقت یہ ایک واقعہ تھا حضور ﷺ کے پاس صحابہ کرام نے آکر بھوک کی شکایت کی اور پیٹ سے کپڑا اٹھا کر دکھایا تو صحابہ کرام کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ ہم نے ایک ایک پتھر

باندھا ہوا تھا مگر حضور ﷺ نے دو پتھر باندھے ہوئے تھے (ترمذی ص ۶۲ ج ۲) جب آپ کی یہ حالت تھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیوں نہ مطمئن ہوتے غریبوں کو بھوکا تڑپا کر اور اپنا پیٹ بھر کر غریبوں کو مطمئن نہیں کیا جا سکتا جب تک کوئی غریبوں کی سطح پر نہیں آئے گا اور غریبوں جیسا نہیں بنے گا اس وقت تک وہ غریبوں کو مطمئن نہیں کر سکتا اور غریبوں کی ہمدردی کے سب دعوے جھوٹے ہیں اور غریبوں کے ساتھ دھوکا ہے۔

غزوۂ خندق اور معجزۂ پیغمبر

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب حضور ﷺ کی بھوک کی کیفیت دیکھی تو گھر گئے بیوی سے پوچھا کہ گھر میں کچھ کھانے کے لیے ہے؟ تو بیوی نے کہا ہاں فرمایا کیا؟ کہا صرف دو سیر جو اور ایک بکری کا بچہ میاں بیوی نے پہلے بکری کا بچہ ذبح کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سرور کائنات ﷺ کو اطلاع کی اور کان میں آ کر کہا کہ تھوڑا سا کھانا ہے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خصوصی ساتھی میرے گھر میں تشریف لائیں دعوت ہے لیکن جو غریبوں کے ہمدرد تھے اور امیر و غریب کی مساوات کے لیے آئے تھے وہ یہ کہاں برداشت کر سکتے تھے کہ غریب بھوکے رہیں اور خود کھالیں سارے لشکر میں اعلان فرما دیا کہ جابر رضی اللہ عنہ کے گھر چلو جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت ہے حضرت جابر بھاگ کے گئے بیوی کو کہا کہ کھانا تھوڑا ہے اور حضور ﷺ نے سارے لشکر کو آنے کا حکم فرما دیا ہے بیوی نے پوچھا کہ آپ ﷺ نے بتا دیا کہ کھانا تھوڑا ہے؟ کہا کہ ہاں بتایا تو تھا بیوی نے کہا پھر جو لائے گا وہ انتظام بھی کرے گا سرور کائنات ﷺ تشریف لائے فرمایا کہ پکانے والیوں کو بلاؤ ایک پکانے والی نہیں پکانے والیوں کو بلاؤ آپ ﷺ نے اپنا دہن مبارک سالن میں ملایا اور فرمایا کہ اتارو بس پکاتے جاؤ دیتے جاؤ اور کھاتے جاؤ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سارے لشکر نے سیر ہو کر کھایا مگر پھر بھی آٹا اور سالن بچ گیا (مشکوٰۃ ص ۵۳۲ ج ۱) تو اس سے سرور کائنات ﷺ نے یہ واضح کیا کہ جب تک بھوکوں کو نہ کھلاؤ خود نہ کھاؤ آپ نے جب ﷺ تک اس لشکر کو کھلایا نہیں اس وقت تک خود نہیں کھایا۔

حالات بدلنے کے بعد بھی معیار زندگی نہ بدلا

اس کے بعد جب اسلام کو فتوحات ہوئیں اور مسلمان خوش حال ہو گئے تو کیا حضور ﷺ نے پھر اپنا سابقہ معیار زندگی بدل دیا تھا تاریخ گواہ ہے کہ جب مسلمان خوش حال ہو چکے تھے اس وقت بھی حضور ﷺ کا معیار زندگی وہی پہلے جیسا رہا کیا تمہیں وہ واقعہ یاد نہیں کہ ایک دفعہ بیویوں نے مطالبہ کیا کہ اب تو گھر کے اخراجات میں وسعت کرنی چاہیے اور معیار زندگی بدلنا چاہیے تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ اگر میں نے بھی سرمایہ داروں جیسی زندگی شروع کر دی تو لوگوں کو انگلی اٹھانے کا موقع مل جائے گا لوگ کہیں گے کہ یہ ہے غریبوں کا ہمدرد جس نے خود سرمایہ دارانہ زندگی اختیار کر رکھی ہے اور یہ ہے غریبوں کا پشت پناہ ایک مہینے تک بالکل علیحدگی کی قسم اٹھالی اور گھر آنا جانا چھوڑ دیا لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ بیویوں کو طلاق دے دی ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ آتے ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہوتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ آتے ہیں وہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے لڑتے ہیں کہ تم نے ایسی کون سی غلطی کی جس سے حضور ﷺ کو اتنی تکلیف پہنچی جب ایک مہینہ گزرا تو کیا حضور ﷺ نے معیار زندگی بدل لیا قرآن کہتا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝

کہ اے نبی آپ ﷺ اپنی بیویوں کو کہہ دیجئے کہ اگر وہ اپنی دنیاوی زندگی کو خوشحال کرنا چاہتی ہیں اور امیرانہ زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں تو وہ الگ ہو جائیں اور اگر وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی رضا چاہتی ہیں اور آخرت کی خوشحالی چاہتی ہیں تو اللہ نے بہت کچھ تیار کر رکھا ہے (بخاری ص ۳۳۴ ا) تو حضور ﷺ نے گھر چھوڑ دیا لیکن امیرانہ سرمایہ دارانہ زندگی تو کیا اختیار کرنی تھی ذرا غریبوں کے معیار سے بلند ہونا پسند نہ فرمایا اور سابقہ معیار زندگی نہیں بدلا کیونکہ اگر نبی ﷺ کے گھر میں سرمایہ داری گھس جاتی تو کون کہتا کہ اسلام غریبوں کا سہارا ہے اور غریبوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے غریب کس کا

سہارا لیتے۔

حضور ﷺ نے اپنی بیٹی کو غلام نہیں دیا

اس لیے حضور اکرم ﷺ نے سرمایہ داری کو اپنے گھر کے اندر گھسنے ہی نہیں دیا اور پھر بیویاں بھی اس پر راضی ہوگئیں کیا تم نے وہ واقعہ نہیں پڑھا کہ دھڑا دھڑ غلام اور لونڈیاں آتی ہیں حضور ﷺ کی ایک پیاری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا یاد رکھیے حضور ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں۔ رقیہ، زینب، ام کلثوم، فاطمہ رضی اللہ عنہن ان میں رقیہ، زینب، ام کلثوم رضی اللہ عنہن تینوں وفات پا چکی تھیں اور آپ کے بیٹے بھی وفات پا چکے تھے ایک ہی فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے جس کے بارے میں سرور کائنات فرماتے ہیں فاطمہ رضی اللہ عنہا بضعة منی من آذاها فقد اذانی فاطمہ تو میرا ایک ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف پہنچائی (مشکوۃ ص ۵۶۸ ، بخاری ص ۱/۵۲۶) اس نے مجھے تکلیف پہنچائی یہ حضور کی پیاری بیٹی چکی پیستی ہے ہاتھوں پہ آبے پڑ جاتے ہیں۔ ہاتھوں پہ زخم آجاتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اب تو فتوحات ہو رہی ہیں۔ کافی غلام اور لونڈیاں آ رہی ہیں اپنے ابا سے کہو کوئی غلام دے دیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جاتی ہیں حضور ﷺ گھر میں موجود نہیں ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہہ کر واپس آجاتی ہیں سرور کائنات ﷺ جب واپس آتے ہیں تو عائشہ بتاتی ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس مقصد کو لے کر آئی تھیں سرور کائنات ﷺ عشاء کے وقت جاتے ہیں اور دستک دیتے ہیں علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئے کہ حضور ﷺ ہوں گے دوسرا اس وقت کون ہو سکتا ہے جب دیکھا تو حضور ﷺ ہی تھے آپ ﷺ دونوں کے درمیان میں بیٹھ گئے پوچھا کہ فاطمہ کیسے گئی تھیں وہ شرم سے نہ بتلا سکیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کام کاج میں تکلیف ہوتی تھی تو میں نے کہا تھا کہ حضور ﷺ سے کوئی غلام لے لیں تا کہ کام میں سہولت رہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو غلام سے بہتر نہ کوئی چیز دے دوں فرمایا کہ ہر نماز کے بعد 33 مرتبہ سبحان اللہ اور 33 مرتبہ الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر کہہ لیا کرو۔ یہ غلام سے بھی بہتر ہے (بخاری ص

۱۴۴۹) کیونکہ اگر آپ اس طرح اپنوں کو دینا شروع کر دیتے تو کنبہ پروری کی بنیاد پڑ جاتی اور کہنے والے کہتے کہ دیکھو غریب کی ہمدردی کا دعویٰ کرتے ہیں اور کر رہے ہیں کنبہ پروری آپ ﷺ نے دنیا کی بیٹیوں کو غلام دے دیئے لیکن اپنی پیاری بیٹی کو غلام نہیں دیا۔

آل نبی پر زکوٰۃ حرام

سب کے لیے زکوٰۃ حلال اور آل نبی ﷺ کے لیے زکوٰۃ حرام ہے۔ سب غریب زکوٰۃ لے سکتے ہیں مگر جو آل نبی ہوگا وہ زکوٰۃ نہیں لے سکتا آپ ﷺ نے اپنے خاندان کے لیے یہ دروازہ بھی بند کر دیا۔ بیت المال میں سے ایک کھجوروں کا ٹوکرہ مسجد میں آیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جلدی سے کھجور کا دانہ اٹھا کر کھا لیا فرمایا کہ تھوک دو یہ صدقہ ہے (بخاری ص ۲۰۲ ا) تو آپ ﷺ نے لوگوں کے مال کی ایک کھجور نہیں کھانے دی اور ایک کھجور کا دانہ جو غریبوں کا حق بنتا تھا اس کی حق تلفی نہیں کرنے دی اس سے عبرت حاصل کریں وہ لوگ جو باغوں کے باغ کھا جاتے اور غریب کے بچے ترستے رہ جاتے ہیں تو سرور کائنات ﷺ جب غریبوں کے ہمدرد بنے تو آپ ﷺ نے طرز زندگی بھی غریبوں جیسی رکھی۔ غریبوں کے ساتھ مل کر رہے۔ غریبوں جیسے بن کے رہے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے آمدنی کے سارے دروازے بند کیے لیکن غریبوں کو بھوکا نہیں تڑپایا ان کے لیے دروازے بند نہیں کیے۔

پاکستان کا مقصد کیا؟

ایک بات کہتا ہوں ایک وقت تھا کہ قوم کے لیڈروں نے کہا تھا کہ ہم ملک لا الہ الا اللہ کے لیے مانگ رہے ہیں اور اس لیے یہ ملک حاصل کر رہے ہیں تاکہ اس میں اسلامی قانون نافذ کریں اس میں مذہب اسلام کا پرچار ہو۔ اور نعرہ یہ لگاتے تھے پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ ہمارے بزرگ جوان سیاستدانوں کے ہتھکنڈوں کو جانتے تھے میدان سیاست کے کھلاڑی اور اس میدان کے شاہسوار تھے انہوں نے

لوگوں کو کہا یہ لوگ انگریز پرست ہیں جو انگریزوں کے جوتے چاٹ کے اونچے ہوئے ہیں انگریز کے بوٹ صاف کر کے عہدے حاصل کئے ہیں اور یہ اپنی بدمعاشی میں لگے ہوئے ہیں یہ اسلام کے خیر خواہ نہیں ہیں بھلا جو ان چار فٹ کے بدن پر اسلام کو جاری نہیں کر سکتے جو اپنے اختیار سے نماز نہیں پڑھ سکتے وہ اتنے بڑے ملک میں اسلامی قانون کیسے جاری کر سکتا ہے لیکن قوم نے نہ سنا اب میں ان سے پوچھتا ہوں کہ بتاؤ کہ لا الہ الا اللہ کی حکومت قائم ہو گئی؟ اسلامی قانون نافذ ہو گیا؟ بلکہ انگریز کے زمانہ میں جو اسلام ہمارے پاس تھا وہ بھی ہمارے پاس نہیں رہا وہ ابن الوقت لوگ تھے جنہوں نے وقت سے فائدہ اٹھا کر اور قوم کو دھوکہ دے کر پاک دامنوں کی عصمتوں کا سودا کر کے انگریزوں کی وفاداری کا ثبوت دیا۔

جھوٹے نعرے

اب بھی جو غریبوں کی ہمدردی کے نعرے لگاتے ہیں تو ان سے ہم پوچھ سکتے ہیں کہ کیا تم نے غریبوں جیسی زندگی بنائی ہے؟ تم غریبوں کی سطح پر آئے ہو؟ اگر تمہاری زندگی امیرانہ زندگی ہے سرمایہ دار زندگی ہے تمہارے تو کتے مکھن کھاتے ہیں اور غریب کے بچے نان شبینہ کو ترستے ہیں تو تمہیں غریبوں کی نمائندگی کا کوئی حق نہیں ورغریبوں کی ہمدردی کا نعرہ دھوکہ ہے اور میں تمہیں بھی کہتا ہوں کہ خیال کرنا کہیں یہ بھی اس لا الہ لا اللہ والے نعرے کی طرح دھوکے کا نعرہ تو نہیں اگر غریب کی ہمدردی کرتے ہیں تو نبی یا وارث نبی ﷺ کی بات کرتے ہیں وقت کے نعروں سے متاثر نہ ہونا یہ تو میں نے ان لوگوں سے کہا ہے جو غریبوں کی ہمدردی کا نعرہ لگا رہے ہیں میں ان سے بھی پوچھ سکتا ہوں جو اسلام کا نام لے کر سڑکوں پہ نکلے ہوئے ہیں اور اسلام کے ٹھیکدار بنے ہوئے ہیں اور اسلام کی آڑ لے کر سرمایہ داروں کو پناہ دے رہے ہیں کیا سرمایہ داروں نے غریبوں پر ظلم وستم نہیں کیے؟ غریبوں کی حق تلفی نہیں کی؟ غریبوں کا خون نہیں چوسا؟ اور اب نہیں چوس رہے ور ان کی زندگی کو جانوروں سے بدتر نہیں بنا دیا تو تم نے

زمینداروں کو کتنا چیلنج کیا کتنا ان ظالموں کو جھنجوڑا تم نے کتنا ان ظالموں کو للکارا اگر تم نے پہلے کچھ نہیں کیا اور خاموش رہے اور غریبوں کو حق دلوانے کی کوشش نہیں کی تو اب کسان مزدور غریب بیدار ہو چکے ہیں وہ خود اپنا حق لے لیں گے تم چھوڑ دو تمہیں اسلام کا نام لے کر رکاوٹ نہیں بننا چاہیے نہ اسلام کو پہلے ان سرمایہ دار اور اقتدار کے بھوکوں نے جگہ دی ہے نہ اب دیں گے نہ اب سوشلزم دے گا تو اسلام کا سہارا لے کر سرمایہ دار اور باقتدار لوگوں کے ہاتھ مضبوط کیوں کر رہے ہو۔ سن لو ہم ان کے بھی خلاف ہیں جو اسلام کے خلاف صف آرا ہیں اور اسلام کے خلاف نعرہ لگاتے ہیں ان کے بھی خلاف ہیں جو اسلام کا نام لے کر سرمایہ داروں کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں اور سرمایہ داروں کو پناہ دے رہے ہیں سرمایہ داروں کا ہاتھ نہیں روک سکتے تو غریب کا ہاتھ مت پکڑو ان کو اپنے حقوق لینے دو سرمایہ دار طبقہ برسوں سے غریب پر ظلم وستم کر رہا ہے اور ظالم کے مقابلے میں مظلوم کو ظلم کرنے کا حق ہے ان کے ہاتھ نہ پکڑو رہا اسلام کا نعرہ تو نہ پہلے اسلام کو کسی نے جگہ دی ہے اور نہ اب دی ہے اور قرآن کی توہین مت کرو جو توہین کرے گا ہم اس کے مقابلے میں آئیں گے ہم نے جو کچھ بنایا ہے اللہ کے نام سے بنایا ہے خدا کی قسم سر سے پاؤں تک سب کچھ قرآن کے نام سے ملا ہے اور قرآن کے نام پہ کھایا ہے اگر اس اللہ کی کتاب کے لیے اس کی ناموس کے لیے جان نہ دوں گا تو حرام کھایا ان واقعات کو محض ایک دوسرے کو بدنام کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے اس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں مسلمانوں کے دلوں کو ٹھیس پہنچتی ہے دونوں جماعتوں کو اس سے باز آ جانا چاہیے اور اگر یہ واقعات پیش آ چکے ہیں تو پھر بھی اس مذموم کام کو رک جانا چاہیے ورنہ تو خانہ جنگی شروع ہو جائے گی پھر نالیوں میں بجائے پانی کے خون بہے گا مسلمانوں کے جذبات اسلام کے بارے میں نازک ہیں خدارا قرآن کی توہین سے باز آ جاؤ یہ ایک میں نے مضمون شروع کیا ہے جو کئی جمعوں تک چلتا رہے گا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔
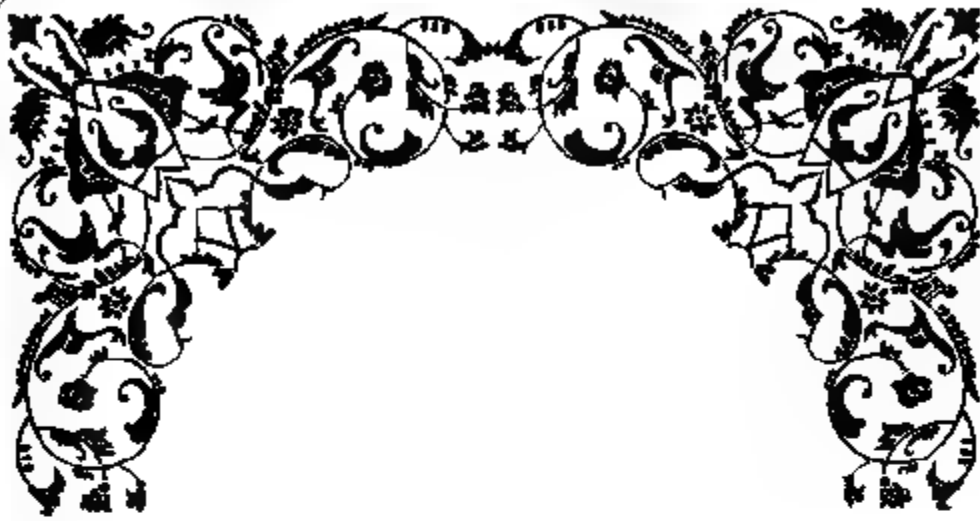
اسلام کا نظام معیشت

بمقام: مسجد نور کبیر والا

بموقع: خطبہ جمعہ

تاریخ: ۱۳۸۹ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِیَتَّخِذَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا﴾

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِیَتَّخِذَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا﴾

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ

تمہید

دوستو اور بزرگو قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ تلاوت کی ہے جس کا تعلق انسان کی معیشت سے ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے درمیان دنیا میں رزق تقسیم کر دیا ہے اور بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے کسی کو تھوڑا دیا کسی کو زیادہ دیا کسی کو ہزاروں اور لاکھوں کا مالک بنا دیا اور کسی کو صرف دو وقت کی روٹی کا مالک بنایا اللہ پاک نے تقسیم میں تفاوت رکھا ہے اور اس تفاوت میں کیا حکمت ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے لیتخذ بعضھم بعضا سخریا تاکہ ایک دوسرے کو اپنے کام میں لا سکیں۔ اور ایک دوسرے کو استعمال کر سکیں۔

انسان کی فطرت میں قانونیت ہے

آیت کی تفصیل سے پہلے ایک بات بطور تمہید کے عرض کرتا ہوں انسان کی فطرت میں قانونیت ہے۔ لا قانونیت انسان کی فطرت کے خلاف ہے ہاں کسی کی فطرت ہی بگڑ چکی ہو تو اور بات ہے ورنہ ایک صحیح الفطرت انسان کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لیے قانون ہو جس کے تحت وہ زندگی بسر کرے یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے جب اس اشرف المخلوقات کو خلیفۃ اللہ فی الارض بنا کر بھیجا اور اس کو اس دھرتی پر ٹھہرنے کے لیے منتخب کیا تو حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعے ایک قانون بھی ساتھ بھیجا جس کو دین سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب ان کا دور گزر چکا تو مختلف وقتوں میں مختلف داعیان حق اور خدا کے برگزیدہ پیغمبر اپنی اپنی امتوں کے سامنے کوئی نہ کوئی قانون پیش کرتے رہے۔ حضرت نوح نے قوم نوح کے سامنے قانون پیش کیا۔ موسیٰ نے یہود کے سامنے قانون زندگی پیش کیا عیسیٰ نے نصاریٰ کے سامنے قانون الہی کی تبلیغ کر کے اپنا فریضہ ادا کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ ضابطہ حیات

آخر میں سردار کائنات امام الاولین والآخرین سردار دو جہاں نے ایک آخری اور

مکمل قانون اور ضابطہ حیات پیش کیا جو اپنی جامعیت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے اس میں اگر نماز روزے کے مسائل بتائے گئے ہیں تو یہ بھی بتایا گیا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے نبھاؤ کس طرح کرنا چاہیے اور ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح اخلاق سے پیش آنا چاہیے مسلمانوں میں باہمی رشتہ محبت کو پیدا کرنے اور پیدا کر کے اس کو منضبط کرنے کا طریقہ کیا ہے اور پھر محبت وشفقت سے ایک دوسرے کے ساتھ معاملات طے کرنے کا سبق دے کر فلاح و بہبود کا قیامت تک کے لیے راستہ ہموار کر دیا ہے اگر یہ منبر ومحراب کے آداب بیان کرتا ہے تو اعداء دین کے مقابلے میں میدان جہاد میں صف آراء ہو کر جہاد کرنے کے آداب کو بھی نظر انداز نہیں کرتا اگر ایک طرف امام اور مقتدی کے احکام کی تفصیل کرتا ہے تو حاکم ومحکوم راعی رعایا اور مالک ومملوک کے احکام بھی پوری تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ پھر جہاں حضورؐ نے تعلیم نظری کے ذریعے یہ سارے احکام بیان فرمائے ہیں جو آج تک ہمارے سامنے قرآن وحدیث کی شکل میں محفوظ ہیں اور قیامت تک محفوظ رہیں گے۔ وہاں آپؐ نے تعلیم عملی کے ذریعے سے امت کے سامنے ایک ایسا عملی نمونہ رکھا ہے اور عمل کے ذریعے اس قانون الٰہی کی ایسی تفسیر کر دی ہے کہ اب کسی بھی مضل (گمراہ آدمی) کے لیے اپنی من مانی تشریح کرنے کی گنجائش نہیں رہی اور جب ہم ان نفوس قدسیہ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں جنہوں نے برسہا برس حبیب اور دیار حبیب کی زیارت سے نور ایمان کو روز افزوں کیا تو قانون الٰہی کا باب اور واضح ہو جاتا ہے اور اس کی ساری خوبیاں کھل کر سامنے آ جاتی ہیں۔ بہر حال انسان فطری طور پر قانون کا محتاج ہے خدا تعالیٰ نے انسان کے اس فطرتی تقاضے کو کس طرح پورا کیا کہ حضورؐ کے ذریعے سے قیامت تک کی نسل انسانی کے لیے قرآن کی صورت میں ایک قانون عطا کر کے اعلان فرما دیا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون اور جس کی حضورؐ نے امت کی آسانی کے لیے دو تفسیریں کر دی ہیں ایک تفسیر نظری جو آج بھی بصورت حدیث موجود ہے اور محدثین کی علمی عملی سعی کا ایک

نمایاں کارنامہ ہے دوسری تفسیر عملی ہے جو حضور کی سیرت میں محفوظ ہے جس کی حفاظت میں مورخین اور اہل سیر کا وافر حصہ ہے۔

انسان نما درندوں کا بنایا ہوا نظام

کچھ انسان نما درندے ایسے بھی گزرے ہیں جو عقل وفہم سے عاری علم الٰہی کے اعتبار سے تہی دامن اور انسانیت کے لیے ننگ عار مگر بایں ہمہ انہوں نے اپنے خرمن کو اپنا خدا بنایا اور انسان کے اس فطرتی تقاضے کو پورا کرنے کے لیے اپنے ذہن کو استعمال کیا اور ایک قانون تیار کیا صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انسان کی ہمہ قسم کی کامیابیوں اور کامرانیوں کے لیے اپنے اختراع کردہ قانون کا اپنانا ایک لازمی شرط قرار دیا لیکن یہ یاد رہے کہ جو چیز انسان کی اپنی سوچ وبچار کا نتیجہ ہو خود اس کی ساختہ و پرداختہ ہو خواہ اس کو ہزاروں اور لاکھوں نفوس قبول کرنے والے کیوں نہ ہوں اور خواہ کسی بھی شکل وصورت میں ظاہر ہو اس کو دین کہا جائے یا قانون بہر حال وہ جاہلیت ہے اس جاہلیت کے ان گنت اقسام میں سے جو زیادہ مشہور ہیں اور جن کے پجاری بھی کچھ نہ کچھ موجود ہیں وہ تین ہیں سرمایہ دارانہ نظام یا امریکن نظام جو کئی برسوں سے امریکہ میں نافذ ہے اور ناکامی کا منہ دیکھ چکا ہے۔

کیمونزم اور سوشلزم

دوسرا کیمونزم نظام ہے جس پر روسی اور چینی حکمرانوں کو ناز ہے۔ اور ایک سوشلزم ہے جس کے علمبردار کچھ روسی اور کچھ چینی افراد ہیں کیمونزم اور سوشلزم ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں اور ایک ہی کام کے دو مختلف طریقے ہیں ورنہ حقیقت میں دونوں کا مقصود ایک ہے وہ یہ ہے کہ تمام افراد انسان میں برابری کی جائے اور مالی کمی بیشی کے تفاوت کو دور کیا جائے اور امیر وغریب کے فرق کو ختم کرکے دونوں کو ایک ہی صف میں لاکھڑا کیا جائے اور دنیا میں امیر وغریب کی اصطلاح کو نیست ونابود کر دیا جائے بجائے انفرادی ملکیت کے اجتماعی ملکیت ہو اور شخصی ملکیت کی جگہ قومی ملکیت قائم کی

جائے جب کارل مارکس جوان نظریات کا صرف علمبردار ہی نہیں بلکہ اولین بانیوں میں سے ہے اور کیمونزم کے پجاریوں کا روح رواں ہے ان نظریات کو لے کر کھڑا ہوا تو کچھ نادانوں نے اس کی آواز پہ لبیک کہا اور اس کے نظریات کو سراہا پھر اس کے ساتھ مل کر میدان عمل میں نکلے اور مصروف کار ہوئے تو جہاں ان سے دوسرے سوالات کیے گئے ایک سوال یہ بھی کیا گیا کہ آج جبکہ بعض افراد ہزاروں اور لاکھوں کے مالک ہیں کچھ صنعت کار ہیں کچھ کارخانہ دار ہیں اور کچھ زمیندار ہیں تو کیسے مالکوں کی ملکیت ختم کی جا سکتی ہے جب کہ ملکیت انسان کی فطرت کا تقاضا ہے اور کیسے صنعت کاروں سے صنعتیں اور کارخانہ داروں سے کارخانے اور زمینداروں سے زمینیں لے کر قومی ملکیت میں دی جا سکتی ہیں اور کیونکر ان نظریات کو عملی صورت دی جا سکتی ہے تو اس کے جواب میں وہ لوگ جو مساوات کے علمبردار اور داعی تھے اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے میں ان خیلات فاسدہ کی تکمیل میں کسی ایک پلیٹ فارم پر متفق نہ ہو سکے اور ایک طریق کار اختیار نہ کر سکے بلکہ ان کے دو طبقے بن گئے ایک طبقہ نے یہ کہا کہ اس مقصد کو اس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے کہ پہلے رائے عامہ کو بیدار اور ہموار کیا جائے پھر جمہوریت اور قانون سازی کے ذریعے سے انقلاب لایا جائے اس طریق کار کا نام ہے سوشلزم۔ اور جو طبقہ اس طریقہ کار کو اختیار کرنے والا ہے اس کا نام سوشلسٹ ہے۔ دوسرے طبقہ نے کہا کہ ہم قطعاً جمہوریت اور رائے عامہ کے ذریعے سے انقلاب نہیں لا سکتے بلکہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مزدوروں اور غریبوں اور کسانوں کو متحد کریں اور ان کو متحد کر کے صرف سرمایہ داری ہی نہیں بلکہ جو تھوڑی بہت ملکیت والے لوگ ہیں ان کے خلاف جنگ لڑیں خواہ ہمیں جتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے برداشت کریں گے ان ملکیت کے مدعیان کا سر کچل کے رکھ دیں اور اس طرح قوت و طاقت کے ذریعے انقلاب لائیں اس طریق کار کا نام ہے۔ کمیونزم یا مارکسزم اور اس طریقہ کار کے اختیار کرنے والے کو کیمونسٹ کہا جاتا ہے۔

روسی انقلاب

اگر آپ ماضی قریب کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو تاریخ میں یہ واقعہ بھی سرخیوں میں نظر آئے گا کہ روس میں جب انقلاب آیا اور کمیونسٹ طبقہ برسر اقتدار آیا تو انیس لاکھ آدمیوں کو قتل کیا گیا اور بیس لاکھ کو مختلف سزائیں دی گئیں اور چالیس یا پچیس لاکھ کو ملک بدر ہونا پڑا اتنے بھاری نقصان اٹھانے کے بعد روس میں انقلاب آیا چونکہ سوشلزم اور کمیونزم کا مقصد ایک ہے اس لیے اگر کمیونزم کو موضوع بحث بنا کر بات کی جائے تو علیحدہ سوشلزم کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں چنانچہ اب آئندہ کی بحث میں کمیونزم کا لفظ آئے گا۔

سرمایہ دارانہ نظام کا پہلا اصول

موجودہ دور میں تین نظام موضوع سخن بنے ہوئے ہیں۔ ا۔ سرمایہ دارانہ نظام ۲۔ کمیونزم ۳ اسلامی نظام تینوں کے متعلق کچھ گزارشات کی اجازت چاہتا ہوں! سرمایہ دارانہ نظام کے چند اصول ہیں اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے ان اصولوں کی طرف آپ کی توجہ کرانا ضروری سمجھتا ہوں ا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں ایک اصول یہ ہے کہ یہ ہر فرد کو مال کمانے کی اور جمع کرنے کی کوئی روک ٹوک نہیں کرتا۔ جیسے چاہیں جس طریقے سے چاہے مال کمائے حکومت اس کے لیے سہولتیں مہیا کرے گی اس کے کمائی کے اختیار کردہ طریقے پر کوئی گرفت نہیں کرے گی خواہ اس طریقہ سے ہزاروں آدمیوں کی معیشت متاثر ہوتی ہو اور کتنے ہی آدمی اس کے اس روپے سے بیروزگار ہوتے ہوں اور خواہ کوئی سوسائٹی اس کے اس طریقہ کار سے بیکار کیوں نہ ہو جاتی ہو اور قومی اجتماعی زندگی کو چاہے جتنا نقصان پہنچ جائے۔

لیکن پھر بھی اس کے لیے اکتساب دولت اور ارتکاز دولت کی کھلی چھٹی ہے۔

اسلام کا پاکیزہ اصول

اس کے مقابلے میں اسلام کا پاکیزہ اصول یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے اکتساب

مال کے لیے آزادی سعی کا حق تو ہے لیکن یہ سعی اس طریقے سے ہو کہ جس سے قومی اور اجتماعی زندگی متاثر نہ ہوتی ہو اور دوسروں کی معیشت پر اثر انداز نہ ہوتی ہو اگر کوئی ایسے طور پر کوشش کرتا ہے اور کمائی کا ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جس سے دوسروں کی معیشت متاثر ہوتی ہو تو اسلامی نظام میں ایسی سعی کی قطعاً گنجائش نہیں چنانچہ حدیث پاک میں ہے **نهی رسول الله ﷺ عن النجش** حضور ﷺ نے نجش سے منع فرمایا۔ (بخاری ۱/۲۸۷)

دیہاتی اور شہری ایک دوسرے کے محتاج ہیں

اصل میں انسان کی ساری ضروریات نہ دیہات میں پوری ہوسکتی ہیں اور نہ ہی ساری ضروریات شہر میں پوری ہوسکتی ہیں بلکہ دیہاتی لوگ اپنی بعض ضرورتوں میں شہر کے محتاج ہوتے ہیں اسی طرح سے شہری اپنی بعض ضروریات میں دیہات کے محتاج ہوتے ہیں مثال کے طور پر مشینی کام کپڑوں کی بنائی تمام صنعت وحرفت کے کام شہر میں ہوتے ہیں بعض اشیاء خوردنی بھی شہر میں مہیا کی جاتی ہیں دیہاتوں میں یہ چیزیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتیں۔ اس کے برخلاف گندم گھاس لکڑی کپاس وغیرہ یہ سب خام مال دیہات سے شہر میں پہنچتا ہے اول الذکر اشیاء میں دیہاتی دنیا شہر کی محتاج ہے اور ثانی الذکر اشیاء میں شہری دنیا دیہات کی محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک دوسرے سے مستغنی نہیں کیا بلکہ یہ اپنی اپنی بعض ضرورتوں میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں جس کو ہر شخص اپنی آپ بیتی میں غور کر کے سمجھ سکتا ہے قدرت کی طرف سے ان کی ضروریات کو پورا کرنے کا یوں انتظام ہے کہ خام مال دیہات کی پیداوار ہے اسی طرح دودھ گھی لکڑی وغیرہ دیہات میں وافر مقدار میں پیدا ہوتی ہیں لیکن شہر میں یہ چیزیں ناپید ہیں دیہاتی یہ چیزیں شہر میں لاکر بیچتے ہیں اور اپنی ضرورت کی اشیاء خریدتے ہیں اس طرح سے ہر ایک کی ضرورت پوری ہوتی رہتی ہے اور اس میں شہریوں کا فائدہ بھی ہوتا رہتا ہے کیونکہ جب کوئی دیہاتی شہر میں لاکر بیچے گا تو سستے

داموں بیچے گا مثلاً آج کل دیہات سے گھی لاکر شہروں میں چھ روپے تک بیچتے ہیں لیکن شہر والے سات روپے تک بیچتے ہیں بلکہ آج کل آٹھ تک فروخت ہوتا ہے۔

ذخیرہ اندوزی منع ہے

اب اگر کوئی دیہات سے کوئی چیز شہر میں بیچنے کے لیے لاتا ہے اور اس سے ایک آدمی خرید کر ذخیرہ کرکے رکھ لیتا ہے تاکہ جب مہنگائی کا وقت آئے گا تو اس وقت زیادہ نفع سے فروخت کرے گا تو یہ نجش کی صورت ہے جس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں اگرچہ اس ایک آدمی کا انفرادی اور شخصی فائدہ ہو جائے گا لیکن اس سے چونکہ ہزاروں شہریوں کی اجتماعی زندگی متاثر ہوتی ہے تو حضور ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((وَلَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ)) (مشکوۃ شریف ج۱، ص ۲۴۷)

یعنی اگر کوئی آدمی اس دیہاتی کا دلال بنتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پاس یہ مال رکھ دے میں تجھے زیادہ قیمت پر فروخت کر دیتا ہوں تو حضور ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں انفرادی اور شخصی مفاد کو اجتماعی اور قومی مفاد پر ترجیح دی گئی ہے۔ اس میں بھی ہزاروں شہریوں کی معیشت متاثر ہوتی ہے۔

ذخیرہ اندوزی کا دنیوی نقصان

اور یہی ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر چند خاندان چند گھرانوں میں دولت کے جمع ہونے کی بنیاد ہے کیونکہ یہ شخص جب سارا مال خرید کر اپنے پاس روک لے گا اور گرانی کے وقت بیسیوں گنا زیادہ نفع پر فروخت کرے گا تو دوسروں کی جیبیں خالی ہوتی جائیں گی اور اس کی جیب پُر ہوتی جائے گی۔

دوسرے قحط اور افلاس کا شکار ہوتے چلے جائیں گے لیکن یہ شریف انسان امیر سے امیر تر ہوتا جائے گا۔ خرید و فروخت کی یہ ایک ایسی صورت ہے جس سے ایک سوسائٹی کی معیشت کو نقصان پہنچتا ہے اور جس میں انفرادی مفاد کو اجتماعی مفاد پر فوقیت دی گئی ہے

اس لیے حضور ﷺ نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور فرمایا دعوالناس یرزق اللہ بعضھم من بعض (مشکوۃ ص ۲۴۷) کہ اس طرح سے مال خرید کر ذخیرہ کر کے اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح نہ دو لوگوں کو چھوڑ دو تا کہ وہ عام بازار میں آ کر خرید و فروخت کریں اور ہر ایک اپنی ضروریات کے مطابق ان سے خرید و فروخت کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے وہ بعض کو بعض کے ذریعے رزق دیتا ہے عوام کی موجودہ بدحالی اور ان کے آئے دن پیش آمدہ مشکلات کے جہاں دوسرے اسباب ہیں ایک سبب یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے چند آدمیوں کو غیر ملکی اشیاء کی درآمد کے پرمٹ بنے ہوئے ہیں وہ غیر ملکی اشیاء خرید کر اپنے پاس روک کر عوام کو مشکلات میں مبتلا کر کے ان کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر کئی گناہ منافع حاصل کرتے ہیں اگر حکومت اس پر پورے اطمینان سے کنٹرول کر لے اور یہ اشیاء عام بازاروں میں فروخت کی جائیں اسلامی نظام کے مذکورہ اصول کے موافق تو عوام کی کافی مشکلات صرف اسی سے حل ہو سکتی ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کا دوسرا اصول

۲۔ سرمایہ دارانہ نظام کا دوسرا بنیادی اصول سود ہے جگہ بجگہ سود کے بنک کھلے ہوئے ہیں بنک سے سود پر پیسے لو اور کماؤ اور دولت جمع کرو اسلامی نقطہ نظر سے اس طرح سودی کاروبار کی قطعاً گنجائش نہیں قرآن کریم میں صاف ارشاد ہے:

﴿احل اللہ البیع و حرم الربوٰ﴾

''اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا ہے''

سود سود خواہ مفرد ہو یا مرکب اور خواہ کسی صورت میں ہو شریعت میں حرام ہے سود کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے۔'' کہ سود کے ستر درجے ہیں سب سے ہلکا درجے اپنی ماں سے زنا کے برابر ہے۔ (مشکوۃ ص ۲۴۶/۱)

سود کی عقلی قباحت

احادیث میں جو سود کی قباحتیں بیان کی گئی ہیں ان کے علاوہ ایک قباحت اور

خرابی یہ بھی ہے کہ اگر بنک سے کسی کو رقم ملتی ہے اور وہ جا کر تجارت شروع کر دیتا ہے اور یہ ہر ایک جانتا ہے کہ تجارت میں ہمیشہ نفع نہیں ہوتا کبھی کبھی نقصان اور خسارہ بھی برداشت کرنا پڑتا ہے جبکہ بعض دفعہ تو اصل رقم بھی ضائع ہو جاتی ہے بعض ایسے تاجر بھی دیکھے گئے جو لاکھوں کے تاجر تھے اور معلوم نہیں کتنے آدمیوں کے رازق بنے ہوئے تھے لیکن جب ان کی قسمت کا ستارہ غروب ہوا اور ان کو تجارت میں نقصان پہنچا تو اپنا دماغی توازن کھو چکے تھے یا کم از کم اپنی صبح و شام کی روٹی کے لیے دوسروں کی غلامی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور دربدر دھکے کھانے لگے خدانخواستہ اگر اس آدمی کو تجارت میں بجائے نفع کے نقصان پہنچ جاتا ہے اور اتنا نقصان پہنچتا ہے کہ سب کچھ لٹا بیٹھتا ہے اور اپنی دو وقت کی روٹی کے لیے پرائے ٹکڑوں کا محتاج ہے اس کے بچے ننگے دھڑنگے رہتے ہیں اور بھوک سے بیتاب ہو کر کبھی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور کبھی کسی کے سامنے وہ اتنا مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنے گھر کے اثاثہ کو کوڑیوں کے مول لٹا کر بھی دو وقت پیٹ نہیں بھر سکتا۔ لیکن یہ اصل کو چھوڑیے اپنے سود کے جس طرح نفع کی صورت میں مالک ہوتے ہیں اتنے بھاری نقصان پہنچنے کے باوجود بھی دولت کمانے اور جمع کرنے کا لالچ میں آکر معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ان کو یہ ترس نہیں آتا کہ یہ تو اپنی دو وقت کی روٹی کا بھی محتاج ہے اور ایک آفت زدہ انسان ہے اپنے گھر کا سارا اثاثہ لٹا چکا ہے اس کے بچے دردر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور اس کی مشکلات دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں اور اگر وہ ایک سال کا سود ادا نہ کر سکے تو اگلے سال اس سود پر پھر سود لگے گا۔ اور اگر تیسرے سال بھی ادا نہ کر سکا تو پھر دو سالوں کے سود پر سود لگے گا اس طرح اگر پہلے سود ایک سو تھا۔ تو ایک سو کے کئی سو بن جائیں گے۔ پھر کئی ہزار حتیٰ کہ لاکھوں تک نوبت پہنچ جائے گی اور یہ معاملہ جب اس مظلوم کی دسترس سے باہر ہو جائے گا اور اسی حالت میں اس کا اپنی اولاد کے سروں سے سایہ اٹھ جائے گا تو اب اس کی اولاد ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بن جائے گی اور یہ سود ان سے وصول کیا جائے گا۔ یہ تھا کچھ تذکرہ سرمایہ دارانہ نظام کا باقی تفصیل ان شاء اللہ پھر کریں گے۔